
انسانیت کے لیے فلاح کا راستہ
اسلام کی دعوت تمام عالم کے لئے
مولانا محمد زاہد
فاضل ہدایہ اکیڈمی

انسانیت کے لئے فلاح کا راستہ

اسلام کی دعوت تمام عالم کے لئے

مولانا محمد زاہد عفی عنہ
فاضل ہدایہ اکیڈمی
ڈیفنس کراچی

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے

تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے، چاہے مشرک

لوگوں کو یہ بات کتنی بری لگے۔ ع

(القرآن-سورۃ نمبر 61 الصف : آیت نمبر 9)

انتساب

اُن سابقون الاولون کے نام
جن کی قربانیوں اور جدوجہد کی بدولت
یہ دین ہم تک پہنچا

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ يُحِبُّهُمُ النَّبِيُّ

وَيُحِبُّونَهُ، وَاجْمَعْنِي مَعَهُ فِي دَارِ السَّلَامِ،

فِي جِوَارِكَ، وَفِي جِوَارِ حَبِيبِكَ الْكَرِيمِ ﷺ۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.اما بعد

اللہ سبحان و تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾(سورۃ النحل:125)

اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾(سورۃ آل عمران:104)

اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے، اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل نے مزید فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾(سورۃ آل عمران:104)

"ان لوگوں کی طرح مت ہو جو متفرق ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام آئے انہوں نے اختلاف کیا، اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے"

ان آیات کریمہ میں اللہ عزوجل کی دعوت کے حکم کے بعد اُمت محمدیہ (اُمت اِجابت) کی یہ اہم ذمہ داری بن گئی ہے کہ وہ اللہ سبحان و تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے نہ صرف اپنی اصلاح کرے بلکہ امت محمدیہ کے دیگر افراد (امت دعوت) تک بھی اس پیغام کو پہنچائے۔ اور اس کے لئے ہر ممکن راہ اختیار کرے۔ تبلیغ دین اسلام کی بنیادوں میں سے ایک اہم فریضہ ہے جو ہر دور میں اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کی درست رہنمائی کے لیے اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچانا نہایت ضروری ہے۔ موجودہ زمانے میں جب فکری انتشار عام ہے، تبلیغ کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ یہ فریضہ نہ صرف فرد کی اصلاح کا ذریعہ ہے بلکہ پورے معاشرے کی بہتری کا بھی ضامن ہے۔ تبلیغ اسلام ہر مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے، کیونکہ اس کے ذریعے اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ یہ نہ صرف دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے بلکہ انسانیت کی رہنمائی کا بھی بہترین راستہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ حکمت، اخلاق اور محبت کے ساتھ دین کی دعوت کو عام کریں تاکہ معاشرہ امن اور بھلائی کی طرف گامزن ہو سکے۔

دعوت اِلی اللہ کی ضرورت

یہ اگست 2017ء کی ایک دوپہر کو میں DHA میں اپنے مدرسے سے اپنے دفتر جارہا تھا۔ کہ میں نے گورا قبرستان پر لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا۔ جو کسی کی تدفین کے لئے جمع تھا۔ اس موقعہ پر میرے دل میں ایک خیال آیا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا ایک اور اُمتی اس دنیا سے بغیر ایمان کے چلا گیا اور اس کی مغفرت کی کیا صورت ہو؟ جب میں آگے بڑھا اور صدر میں واقع کیتھڈرل کے سامنے سے گزرا تو دیکھا کہ وہاں سے اس کی میت لے جائی جا رہی تھی جسے دنیا ڈاکٹر رُتھ فاؤ Dr. Ruth Pfau کے نام سے جانتی ہے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو یہ افسوس مزید بڑھ گیا کہ ایک شخص خواہ کتنا نیک کام یا بڑا کام کرلے۔ لیکن اگر بغیر ایمان کے دنیا سے گیا تو یہ سب شہرت، عزت اور اعزاز کسی کام کا نہیں۔ گو حکومت پاکستان نے انھیں سرکاری اعزازات سے نوازا اور ان کی تدفین سرکاری اعزاز کے ساتھ ہوئی لیکن یہ وہ بدلہ ہے جو کہ اس کی بھلائی کا اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں عطا کر دیا۔ لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

قرآن مجید میں اس حقیقت کو مختلف اسلوب و انداز میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے،

عقیدہ کی خرابی کے ساتھ انجام دیئے گئے اعمال خیر کو کہیں ”سَرَاب“ (چمکتی ہوئی ریت) سے تشبیہ دیا گیا ہے جو چٹیل میدان میں ہو اور جسے پیاسا شخص دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا، (النور:۳۹) تو کہیں راکھ سے جس پر آندھی والے دن تیز ہوا چلے (اور اسے اڑا لے جائے) (ابراہیم:۱۸) اور کہیں اس صاف اور چکنے پتھر سے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے۔ (البقرہ:۲۶۴) جبکہ ایک جگہ بالکل واشگاف انداز میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

﴿وَقَدِمۡنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا﴾

”انہوں نے جو اعمال کئے ہیں ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیں گے“ (الفرقان:۲۳)

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا:۔

(يَارَسولَ اللهِ ! ابنُ جُدعَانَ :كَانَ فِي الجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيُطعِمُ المِسكِينَ، فهَل ذَاکَ نَافِعُهُ)

اے اللہ کے رسول!، ابن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، کیا یہ سب اس کے حق میں نفع بخش ثابت ہوں گے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔ "لَايَنفَعُهُ، إِنَّهُ لَم يَقُل يَومًا :رَبِّ اغفِر لِي خَطِيئَتِي يَومَ الدِّينِ"

”نہیں! یہ سب اس کے کچھ کام نہیں آئیں گے، کیونکہ اس نے کبھی بھی یہ نہیں کہا: اے میرے پروردگار! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف فرمادینا“ (صحیح مسلم، کتاب الایمان:۲۱۴)

عبد اللہ بن جدعان مکہ کا نہایت ہی سخی وفیاض آدمی تھا، اس نے ملک شام کی طرف دو ہزار اونٹ بھیجے تھے جن پر، گیہوں، شہد اور گھی لاد کر مکہ لایا گیا، پھر اس نے ایک منادی کرنے والے کو مقرر کر دیا کہ وہ روزانہ رات میں خانۂ کعبہ کے چھت پر چڑھ کر لوگوں کو کھانے کی دعوت عام دے، چنانچہ ہر رات منادی کرنے والا اعلان کرتا: (هَلُمُّوا اِلٰی جَفْنَةِ ابنِ جُدعَانَ)

"ابن جدعان کی دیگ کی طرف آؤ"

روایت کے مطابق ابن جدعان کی یہ دیگ اتنی بڑی تھی کہ اس سے اونٹ سوار سواری کی پیٹھ پر ہی کھانا کھالیتا تھا۔(شرح الابی والسنوسی علی صحیح مسلم ۱/۶۲۹، البدایہ ۳/۲۶۶، بحوالہ سنہرے اوراق ۱۳، ۳۲)

ایسی فیاضی اور سخاوت کے باوجود یہ شخص ناکام رہا اسلئے کہ اس کا عقیدہ صحیح نہیں تھا۔

سنن ابو داؤد کی روایت کے مطابق، ابن دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

"میں ابی بن کعب کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر سے متعلق کچھ (شبہ وغیرہ پیدا ہو رہا) ہے، مجھ سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جس کی وجہ سے میرے دل سے یہ چیز ختم ہو جائے،

انہوں نے فرمایا :(لَو اَنفقتَ مِثلَ اُحُدٍ ذهَبًا مَاقبِلَهُ اللهُ مِنک حَتیٰ تُؤمِنَ بِالقَدرِ۔۔۔)

"اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو اللہ تعالی اسے قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم تقدیر پر ایمان لے آؤ اور یہ یقین کر لو کہ جو تمہیں پہنچنے والا ہے وہ تم سے دور نہیں ہو سکتا اور جو تم سے دور ہونے والا ہے وہ تمہیں پہنچ نہیں سکتا، اگر تم اس عقیدہ کے بغیر فوت ہو گئے تو جہنمیوں میں سے ہو گے"

ابن دیلمی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، ان سبھوں نے مجھ سے اسی طرح کی حدیث بیان کی"(ابو داؤد:۴۶۹۹)

معلوم ہوا کہ عقیدہ کی صحت کے بغیر عند اللہ کامیابی و نجات بالکل ناممکن ہے اور جب عقیدہ کی یہ اہمیت ہے تو ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنے عقیدہ کی اصلاح و درستگی کی فکر کرے اور صحیح عقیدہ سیکھنے اور معلوم کرنے کا اہتمام کرے۔

اُمت محمدیہ:

حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے انبیاء کرام میں اکثر انبیاء کرام کسی مخصوص علاقے اور مخصوص مدت کے لئے نبی مبعوث ہوئے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں اور ان پر نبوت ورسالت کا سلسلہ مکمل ہو گیا اور قیامت تک کوئی نیا نبی نہ تو آیا ہے۔ اور نہ ہی آئے گا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ سبحان وتعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اور تمام عالم کے لئے نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اور ان کے عہد سے قیامت تک آنے والا ہر شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اُمتی ہے۔ ہر جن و انس اس میں شامل ہے۔ خواہ وہ ان پر ایمان لائے یا نہ لائے۔

علماء کرام کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو عموماً دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:

① اُمّتِ دعوت

② اُمتِ اِجابت

1۔ اُمّتِ دعوت

اس سے مراد وہ تمام انسان ہیں جن تک نبی اکرم ﷺ کا پیغام پہنچا۔ چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ یعنی قیامت تک آنے والے تمام لوگ جن تک اسلام کی دعوت پہنچے، وہ امتِ دعوت میں شامل ہوتے ہیں۔

2۔ اُمّتِ اِجابت

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور اسلام لے آئے۔ یعنی تمام مسلمان اُمتِ اِجابت کہلاتے ہیں۔

آسان الفاظ میں:

- **امتِ دعوت :** پوری انسانیت جن تک اسلام کا پیغام پہنچا۔
- **امتِ اجابت :** وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا۔

اُمتِ دعوت اور اُمّتِ اِجابت کی تقسیم کا مفہوم قرآن وحدیث کے عمومی دلائل سے لیا گیا ہے۔ چند اہم دلائل یہ ہیں:

1۔ قرآن مجید سے دلیل

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ سبا:28)

اور ہم نے آپ کو جو بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ لہٰذا جن سب لوگوں تک آپ ﷺ کی دعوت پہنچتی ہے وہ **امتِ دعوت** میں شامل ہوتے ہیں۔

2۔ حدیث سے دلیل

صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اس امت میں سے جو بھی یہودی یا نصرانی میرے بارے میں سن لے اور پھر اس دین پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ جہنم والوں میں سے ہو گا۔"

یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ: جو لوگ نبی ﷺ کا پیغام **سنیں** وہ بھی ایک معنی میں آپ کی امت میں شامل ہیں (یعنی **امتِ دعوت**)۔

اور جو **ایمان لے آئیں** وہ **امتِ اجابت** ہیں۔

فیض القدیر **میں ہے:**

"(أمتي أمة مباركة لا يدرى أولها خير) من آخرها (أو آخرها) خير من أولها لتقارب أوصافهم وتشابه أفعالهم كالعلم والجهاد والذب عن بيضة الإسلام وقرب نعوت بعضهم من بعض في ظواهرهم، فلا يكاد يميز الناظر بينهم وإن [ص:185] تفاوتوا في الفضل في نفس الأمر، فيحكم بالخير لأولهم وآخرهم، ولذا قيل هم كالحلقة المفرغة لا يدرى أين طرفاها ثم إن هذا لايناقضه خبر خير الناس قرني؛ لأنهم إنما كانوا خيرا؛ لأنهم نصروه وآووه وجاهدوا معه، وقد توجد نحو هذه الأفعال آخر الزمان حين يكثر الهرج وحتى لا يقال في الأرض "الله". قال الكلاباذي وغيره: وأما خبر خير الناس قرني فخاص بقوم منهم والمراد في قرني كالعشرة وأضرابهم، وأما سواهم فيجوز أن يساويهم أفاضل أواخر هذه الأمة كالذين ينصرون المسيح ويقاتلون الدجال فهم أنصار النبي وإخوانه اه.

<تنبيه >الأمة جمع لهم جامع من دين أو زمان أو مكان أو غير ذلك فإنه مجمل يطلق تارةً و يراد بها كل من كان مبعوثًا إليهم نبي آمنوا به أو لم يؤمنوا ويسمون "أمة الدعوة" وأخرى ويراد بهم المؤمنون به المذعنون له وهم "أمة الإجابة" وهذا المراد هنا." (فيض القدير لزين الدين المناوى، 2 / 184، ط؛ المكتبة التجارية الكبرى – مصر)

کتاب فیض القدیر میں ہے:

"میری امت ایک بابرکت امت ہے، یہ معلوم نہیں کہ اس کے ابتدائی لوگ بہتر ہیں یا بعد کے لوگ بہتر ہیں۔"یعنی ان کے اوصاف کے باہم قریب ہونے اور ان کے اعمال کے ایک دوسرے سے مشابہ ہونے کی وجہ سے یہ بات واضح نہیں ہوتی؛ جیسے علم، جہاد اور اسلام کے تحفظ کے لیے دفاع کرنا وغیرہ۔ ان میں سے بعض کے اوصاف ظاہری طور پر ایک دوسرے سے بہت قریب ہوتے ہیں، اس لیے دیکھنے والا بسا اوقات ان کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتا، اگرچہ حقیقت میں فضیلت کے اعتبار سے ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ اس بنا پر پہلے اور بعد کے دونوں گروہوں کے بارے میں خیر کا حکم لگایا جاتا ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ ایک گول دائرے کی مانند ہیں جس کے دونوں سرے معلوم نہیں ہوتے۔

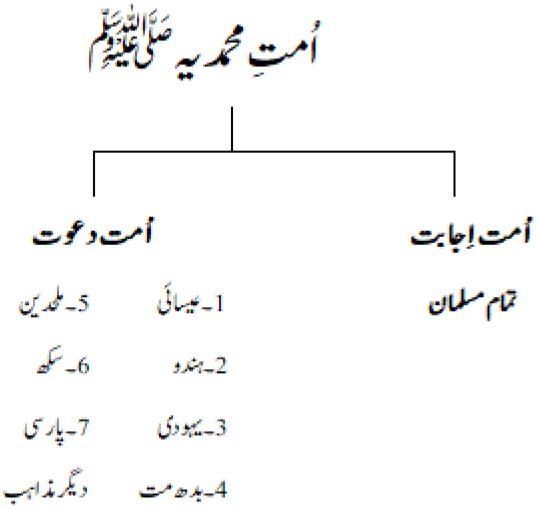
پھر یہ بات اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں آیا ہے" :سب سے بہتر لوگ میرا زمانہ (صحابہ کا زمانہ) ہے۔" کیونکہ وہ لوگ اس لیے افضل تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، آپ کو پناہ دی اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔

لیکن آخری زمانے میں بھی اس نوعیت کے بعض اعمال پائے جاسکتے ہیں، جب فتنے اور قتل وغارت زیادہ ہو جائیں گے اور یہاں تک کہ زمین پر کوئی "اللہ، اللہ "کہنے والا باقی نہیں رہے گا۔

امام کلاباذی اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ:"حدیث "سب سے بہتر لوگ میرا زمانہ ہے "دراصل ان میں سے ایک خاص جماعت کے بارے میں ہے، اور اس سے مراد میرے زمانے کے وہ خاص لوگ ہیں جیسے عشرۂ مبشرہ اور ان جیسے دیگر عظیم صحابہ۔"

رہی امت کے دوسرے لوگ، تو یہ ممکن ہے کہ اس امت کے آخری دور کے بعض فضلاء ان کے برابر درجے تک پہنچ جائیں، جیسے وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں گے اور دجال سے قتال کریں گے۔ یہ لوگ بھی دراصل نبی کریم ﷺ کے مددگار اور بھائی ہوں گے۔

تنبیہ:



لفظ امت ایسے لوگوں کے مجموعے کو کہتے ہیں جنہیں دین، زمانہ، جگہ یا کسی اور چیز نے جمع کیا ہو۔ یہ ایک اجمالی لفظ ہے جو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی اس سے مراد وہ تمام لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف کوئی نبی مبعوث کیا گیا ہو، چاہے وہ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ انہیں "امتِ دعوت" کہا جاتا ہے۔ اور کبھی اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ انہیں "امتِ اجابت" کہا جاتا ہے۔ اور یہاں اسی دوسرے معنی یعنی امتِ اجابت مراد ہے۔

حوالہ: (زین الدین المناوی، فیض القدیر، جلد2، صفحہ 184، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

کئی مفسرین اور محدثین نے **امتِ دعوت** اور **امتِ اجابت** کی تقسیم بیان کی ہے۔ چند معروف علماء کے اقوال یہ ہیں:

1۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا کہ نبی ﷺ کی **امت دو قسموں پر مشتمل ہے:**

1. **امتِ دعوت:** وہ سب لوگ جن تک نبی ﷺ کا پیغام پہنچا، چاہے انہوں نے ایمان قبول کیا ہو یا نہیں۔
2. **امتِ اجابت:** وہ لوگ جنہوں نے نبی ﷺ کی دعوت قبول کر کے اسلام قبول کیا۔

2۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے بھی بیان کیا کہ نبی ﷺ **تمام انسانوں کی طرف رسول ہیں**، اس لیے جو لوگ دعوت کے مخاطب ہیں وہ **امتِ دعوت** کہلاتے ہیں، اور جو ایمان لے آئیں وہ **امتِ اجابت** ہیں۔

3۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

انہوں نے اپنی تفسیر تفسیر ابن کثیر میں وضاحت کی کہ نبی ﷺ کی بعثت **تمام انسانوں اور جنّات کے لیے ہے**، اس لیے جو آپ کی دعوت کو قبول کریں وہ **امتِ اجابت** ہیں۔

اُمتِ اِجابت کی ذمہ داری

چونکہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کے سلسلے کو مکمل فرمادیا۔ اور قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اور نبی کریم ﷺ تمام مخلوقات بشمول جن واِنّس کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے اب یہ امتِ اِجابت کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو امتِ دعوت تک بھی پہنچائے۔

دعوت کے اُصول

قرآن کریم کے مطابق دعوتِ دین کے بنیادی اصول سورہ النحل کی آیت 125 میں بیان کیے گئے ہیں : حکمت (دانشمندی)، موعظتِ حسنہ (اچھی نصیحت) اور مجادلہ بَطریقۂ اَحسن (بہترین طریقے سے گفتگو)۔ ان اصولوں میں اخلاص، نرمی، اور مخاطب کی نفسیات کے مطابق بات کرنا شامل ہے، تاکہ دین کی سچی دعوت بغیر کسی سختی کے دلوں میں اتر جائے۔

قرآن کریم کے دعوتِ دین کے اہم اصول:

- **حکمت :(Hikmah)** دعوت میں دانش مندی اور بصیرت کا استعمال کریں، یعنی حالات اور مخاطب کے مطابق بات کریں۔
- **موعظتِ حسنہ :(Maw'izah Hasanah)** اچھی، نرم اور نصیحت آمیز گفتگو کریں جو دلوں کو متاثر کرے۔
- **مجادلہ بَطریقۂ اَحسن :(Best Argument)** بحث ومباحثہ اگر ضروری ہو تو بہترین اور مہذب طریقے سے کریں، نہ کہ جھگڑے کے انداز میں۔
- **اخلاص :(Sincerity)** دعوت خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو، ذاتی مفاد یا شہرت کے لیے نہیں۔
- **نرمی اور تلطف :** مخاطب کے ساتھ نرمی کا رویہ اپنائیں تاکہ وہ آپ کی بات سننے کے لیے تیار ہو۔

یہ اصول مبلغ کو دشمنانِ دین کے سامنے کمزور دلائل یا سخت رویے سے بچاتے ہیں اور دعوت کو موثر بناتے ہیں۔

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ (42) اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (43) فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (44)﴾ (سورة طٰہٰ:42-44)

"تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں کوتاہی نہ کرو۔ فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ سو اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے"۔

مذکورہ آیات مبارکہ میں اللہ سبحان وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی فرعون کی طرف تشکیل کرتے ہوئے انھیں فرعون سے نرمی سے بات کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی فرعون جیسے شخص سے بھی نرمی سے بات کرتے ہوئے اسے دین کی دعوت دی جائے۔ تو آج یہ اصول تو ہر داعی کے لئے بنیادی اصول ہونا چاہیے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:67)

اے رسول! جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اترا ہے اسے پہنچا دے، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا، اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا، بے شک اللہ کافروں کی قوم کو راستہ نہیں دکھاتا۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے کہ وہ دین کے احکامات اور قرآن کی آیات تمام لوگوں تک پہنچا دیں۔ ورنہ اس کا حق ادا نہیں ہوگا۔ تو یہ اُصول تمام اُمت اجابت پر بھی لاگو ہوگا کہ وہ دین کو امت دعوت تک پہنچا دیں۔ تاکہ نبی کریم ﷺ کے امتی ہونے کا حق ادا ہو سکے۔

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (سورۃ القصص:56)

بے شک تو ہدایت نہیں کر سکتا جسے تو چاہے لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے، اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے۔

سورۃ القصص کی ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ ان کا کام صرف دعوت دینا ہے۔ اور دین کو تمام لوگوں تک پہنچانا ہے۔ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔ اس لئے ہدایت اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر صرف اپنے حصے کا کام کرتے جائیں.

﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ لَا نَبْتَغِى الْجَاهِلِيْنَ﴾ (سورۃ القصص:55)

اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلام ہو، ہم بے سمجھوں کو نہیں چاہتے۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ سبحان و تعالیٰ نے بلاوجہ کی بحث مباحثہ سے منع فرمایا ہے۔ یعنی اگر دین کی دعوت میں کوئی بدتمیزی کرے یا بحث کرے تو اسے ان الفاظ میں جواب دے دیجیئے۔ "ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمھارے لئے تمھارے اعمال السلام علیکم"۔

یعنی بحث مباحثہ اور جھگڑے سے گریز کریں۔

اس کے علاوہ پورے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مرتبہ انبیاء کرام کا ذکر فرمایا کہ کس طرح انھوں نے برداشت سے کام لیا اور تکالیف اور مصائب کے باوجود ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کر کے صرف 80 افراد کو مسلمان کیا تو یہ ان کی ناکامی نہیں تھی بلکہ انھوں نے اس نبوت کا حق ادا کر دیا۔ کہ ساڑھے نو سو سال تک بھی ان پر محنت کرتے رہے۔ اور برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آیا تو پھر انھوں نے طوفان کے لئے دعا فرمائی۔

آج ہر داعی کو حضرت نوح علیہ السلام کے جیسی برداشت اور ہمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

چونکہ انسان مختلف الطبع ہے، کوئی ترغیب سے متوجہ ہوتا ہے کوئی ترہیب سے مان لیتا ہے تو عوارض کے پیش نظر خالق نے اپنے مرسلین کو یہ بھی سکھا دیا تھا کہ تم معاشرے کے لوگوں کی طبعیتوں کو بھانپ کر اس کے مطابق اپنا رویہ رکھنا۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے معلم حقیقی کے امر پر لبیک کہا

اور عین فرمان خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ان کے حقیقی مقصد اور صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتے گئے۔ اس حوالے سے سب سے بنیادی آیت یہ ہے۔

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (سورة النحل:125)

" اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے"۔

ان آیات مبارکہ سے دعوت الی اللہ کے درجہ ذیل اصول اخذ ہوتے ہیں۔

1۔ دعوت الی اللہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے۔ مخاطبوں کے احوال وظروف پر غور کیا جائے، ہر بار کی دعوت کی مقدار کا لحاظ رکھا جائے تاکہ کسی کو دعوت شاق نہ گذرے۔ اور بوجھل معلوم نہ ہو۔ پہلے نفوس کو احکام و تکالیف کی برداشت کے لئے تیار کیا جائے پھر ان پر احکام کا بوجھ رکھا جائے۔ جب ضرورت کا تقاضا ہو تو طریقہ میں تبدیلی کی جائے۔ دعوت میں بہادری، دفاع اور غیرت کے عناصر کو صرف حسب ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔

2۔ دعوت میں موعظہ حسنہ کو اختیار کیا جائے تاکہ وہ آہستہ سے مخاطبوں کے دلوں میں داخل ہو جائیں اور غیر محسوس طور پر احساس وشعور کی گہرائی میں اتر جائیں۔ ضرورت کے بغیر ڈانٹ، ڈپٹ اور سختی کو کام میں نہ لیا جائیں لوگوں کی ان خطاؤں کو فاش نہ کیا جائیں جو ممکن ہے غفلت ونسیان کا نتیجہ ہوں یا نادانی سے سرزد ہوئی ہوں۔ واعظ ونصیحت میں نرمی عموماً متنفر دلوں کو راہ پر لے آتی ہے۔ جدا جدا قلوب کو جوڑ دیتی ہے، زجر وتوبیخ وسختی سے یہ فائدے حاصل نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

3۔ بہتر اور احسن طریقے کے ساتھ جدال کیا جائے، مخالف پر بوجھ نہ ڈالا جائے، اور نہ اسے ذلیل کیا جائے اسی طرح مخاطب مخالف بن کر سامنے نہیں آئے گا اور اس کے دل میں داعی کی محبت پیدا ہو گی۔ وہ سمجھے گا کہ داعی مجھ پر غلبہ پانے کا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ میری اصلاح چاہتا ہے، مخاطب کو مطمئن کیا جائے اور اسے حق تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ انسانی نفس میں بڑائی اور عناد کے جذبات بھی ہوتے ہیں، وہ نرمی کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترک کر دیتا ہے مگر شدت اسے جاہلیت کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو شکست خوردہ محسوس کرے تو ضد پر اڑ جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اس کا دل صداقت کے لئے مفتوح ہو جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ داعی کا اس معاملے میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہے اور نہ وہ مجھے ذلیل کرنا چاہتا ہے، یہ بات اس کے دل میں حق کی محبت پیدا کر دیتی ہے اور وہ ضد و عناد سے باز آجاتا ہے۔ چونکہ دعوت حق میں داعی کی اپنا کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ داعی کو سمجھانے کے لئے فرماتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے اس کی راہ سے گمراہ کون ہے اور وہ ہی ہدایت یافتہ کو بھی جانتا ہے پس داعی کو ذاتی انا کا مسئلہ بنانا درست نہیں وہ دعوت پیش کرے اور پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔"

اسی آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ صاحب الازہری ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں "ایک نادان وغیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لئے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے اگر اس کے پیش کردہ دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کی تبلیغ اخلاص وللٰہیت کے نور سے

محروم ہو گی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا۔ کیوں کہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے اور اس کو قبول کرنے کے لئے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ اور وخوف وہراس ہو، اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جارہاہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی سے تبلیغ کرے اور اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لئے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، یہ سب کچھ مشیت الٰہی پر موقوف ہے، وہ جسے چاہتاہے قبول حق کی توفیق ارزانی فرماتاہے اور جس کو چاہتاہے محروم ونامراد کر دیتاہے۔

اعلم انہ تعالیٰ لما امر محمدا صلی اللہ علیہ وسلم باتباع ابراہیم علیہ السلام بین الشیء الذی امرہ بمتابعتہ فیہ فقال ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ واعلم انہ تعالیٰ امر رسولہ ان یدعو الناس باحد ھٰذہ الطرق الثلاثۃ وھی الحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ والمجادلۃ للطریق الاحسن وقد ذکراللہ تعالیٰ ھٰذاالجدل فی آیات الاخریٰ فقال وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ولما ذکر اللہ تعالیٰ ھٰذا الطرق الثلاثۃ وعطف بعضھا علیٰ بعض وجب ان تکون طرقا متغیرۃ متباینۃ ۔اعلم ان الدعوۃ الی المذہب والمقالۃ لا بد ان تکون مبینۃ علیٰ حجۃ و بینۃ والمقصود من ذکر الحجۃ اما تقریر ذالک المذھب وذالک الاعتقاد فی قلوب المستمعین واما ان یکون المقصود الزام الخصم وافحامہ ۔امام فخر الدین الرازی، تفسیر کبیر الجزء تاسع عشر (بیروت: دار احیاء التراب عربی، 1405ھ۔1985ء)ص، 138

"اور جاننا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے کا، اس چیز کے ساتھ کہ جو اس امر کے مطابق ہے۔ فرمایا(لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلواؤ۔)اور یہ بات بھی علم میں ہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو دعوت دیں، حکمت اور نیک نصیحت اور اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرنا اور اللہ تعالیٰ اس مناظرہ کا ذکر ایک اور آیت میں فرماتاہے اس کا ترجمہ یہ ہے اور فرمایا کہ اہل کتاب سے جھگڑانہ کرو مگر ایسے طریقے سے کہ نہایت اچھا ہو۔)اور جب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اس تیسرے طریقے کا تو ایک کو دوسرے سے ہٹا دیا جو واجب ہے اور جو مختلف طریقہ تھا۔ اور وہ جو مفسرین کی نظر میں خالص مضبوط کلام ہے اور جاننا چاہیے کہ جب مذہب کو دعوت یا مقالہ کے ذریعے دیں تو ضروری نہیں کہ وہ صحت و وضاحت پر مبنی ہو، اور صحت کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ جب اس مذہب کی وضاحت کا بیان سننے والوں کی دلوں میں اس کا اعتماد ہو جائے اور وہ جو اس کے مخالف کو قبول کرے اسی کو لاجواب کر دینا مقصود ہے۔

اسی آیت کے تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں دعوت و تبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول اور آداب کی پوری تفسیر چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔ دعوت کی لفظی معنی بلانے کی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے پھر تمام تعلیمات نبوت ورسالت اسی دعوت کی تشریحات ہیں۔"

قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت

﴿وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾(سورۃ الاحزاب:46)

اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چراغ روشن بنایا ہے۔

يَا قَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (سورۃ الاحقاف:31)

اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کو مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا لے گا۔

اُمتِ محمدیہ پر بھی آپ ﷺ کے نقش قدم پر دعوت الی اللہ کو فرض کیا گیا ہے۔

﴿وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:104)

اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے، اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کی کچھ اصطلاحات پر غور لازمی ہے جو دعوت اللہ کی بنیادیں قرار پاتی ہیں۔

"الیٰ سبیل ربک" اس میں اللہ جل شانہ کی خاص صفت رب اور پھر اس کی نبی کریم ﷺ کی اضافت میں اشارہ ہے کہ دعوت کا کام صفت ربوبیت اور تربیت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تربیت فرمائی اور آپ کو بھی تربیت کے انداز سے دعوت دینی چاہیے۔ جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت کر کے وہ طرز اختیار کیا جائے کہ مخاطب پر بار نہ ہو اور اس کی تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو خود لفظ دعوت بھی اس مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ پیغمبر کا کام صرف اللہ کے کام پہنچا دینا اور سنا دینا نہیں، بلکہ لوگوں کو ان کی تعمیل کی طرف دعوت دینا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو دعوت دینے والا اس کے ساتھ ایسا خطاب نہیں کیا کرتا جس سے مخاطب کو وحشت یا نفرت ہو یا جس میں اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا گیا ہو۔

"بالحکمۃ" لفظ حکمت قرآن کریم میں مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس جگہ میں حکمت سے مراد قرآن کریم لیا گیا ہے۔ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعے انسان مقتضیات احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے۔ وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو۔ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے۔ اور جہاں یہ سمجھے کہ صراحتاً کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی تو وہاں اشارات سے کلام کرے۔ یا کوئی ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو نہ شرمندگی ہو نہ اس کے دل میں اپنے خیال پر جمنے کا تعصب پیدا ہو۔

"الموعظۃ" موعظۃ اور وعظ کی لغوی معنیہ ہے کہ کسی خیر خواہی کی بات کو اسی طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے۔ الحسنۃ کی معنی یہ ہے کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو اس کے شکوک و شبہات دور ہوں۔ اور مخاطب یہ محسوس کرلے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔

"وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" لفظ جادل مجادلہ سے مشتق ہے اس جگہ مجادلہ سے مراد بحث و مناظرہ ہے اور بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سے مراد یہ ہے کہ اگر دعوت میں کہیں بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آئے تو مباحثہ بھی اچھے طریقے سے ہونا چاہیے۔ دلائل ایسے پیش کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے۔ دلیل میں وہ مقدمات پیش کئے جائیں جو مشہور و معروف ہوں تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور وہ ہٹ دھرمی کے راستہ نہ پڑ جائے۔

قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر شاہد ہیں کہ یہ احسان فی المجادلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اہل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ قرآن کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۖ وَقُوْلُوٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورۃ العنکبوت:46)

اور اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر ایسے طریقے سے جو عمدہ ہو، مگر جو ان میں بے انصاف ہیں، اور کہہ دو ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہونے والے ہیں۔

دعوت کے اصول وآداب

آیت مذکورہ میں دعوت کے لئے تین چیزوں کا ذکر ہے ① حکمت، ② موعظۃ حسنہ، ③ مجادلۃ باللتی ھی احسن

بعض حضرات مفسرین نے یہ تین چیزیں مخاطبین کے تین قسموں کی بناء پر کی ہیں،

① دعوت بالحکمۃ: اہل علم وفہم کے لئے،

② دعوت بالموعظۃ: عوام کے لئے۔

③ مجادلہ ان لوگوں کے لئے، جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

ظاہر یہ کہ یہ آداب دعوت ہر ایک کے لئے استعمال کرنے ہیں، دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے پھر اس کلام میں خیر خواہی وہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد ودلائل سامنے لانا ہے جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے اور طرز بیان وکلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں.

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے اور امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت میں استعمال کرتے ہیں تو یہ لازم ہے کہ اس کے آداب وطریقہ بھی انہی سے سیکھیں، جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے اور دعوت کے بجائے عداوت وجنگ وجدال کا موجب ہو جاتی ہے۔ دعوت پیغمبران کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کے لئے نقل کی گئی ہے۔

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی﴾ (سورۃ طٰہٰ:44)

سو اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔ (یعنی فرعون سے نرم بات کرو شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے)۔

یہ ہر داعی حق کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الٰہی میں کفر ہی پر ہونے والی تھی، اس کی طرف بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتار کی ہدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں۔ آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں اور ہم میں سے کوئی موسیٰ وہارون علیہما السلام کے برابر ہادی وداعی نہیں۔ تو جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، اس پر فکر کسیں، اس کی توہین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا، قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے، اس میں کہیں نظر نہیں آتا کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہو۔ اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ (سورۃالأعراف 59:)

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا پس اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ اولی العزم پیغمبر ہیں جو طویل عمر دنیا میں مشہور ہیں، ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کی دعوت و تبلیغ اصلاح وارشاد میں دن رات مشغول رہے۔ مگر اس بدبخت قوم میں سے محدود چند کے علاوہ کسی نے ان کی بات نہ مانی۔ اور تو اور خود ان کا ایک لڑکا اور بیوی کافروں کے ساتھ لگے رہے۔ ان کی جگہ آج کا کوئی مدعی دعوت و اصلاح ہوتا اس قوم کے ساتھ اس کا لب ولہجہ کیسا ہوتا؟ اندازہ لگایئے پھر دیکھئے ان کی تمام ہمدردی و خیر خواہی کی دعوت کے جواب میں قوم نے کیا کہا؟

﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ (سورۃالاعراف:60)

اس کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

ان کے بعد اللہ تعالیٰ کے آنے والے رسول حضرت ھود علیہ السلام کو ان کی قوم نے معجزات دیکھنے کے باوجود ازراہ عناد کہا کہ آپ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اور ہم آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں (بتوں) کو چھوڑنے والے نہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے معبودوں کی شان میں بے ادبی کی ہے اس کی وجہ سے تم جنون میں مبتلا ہوگئے ہو۔ حضرت ھود علیہ السلام نے یہ سن کر جواب دیا۔

﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (سورہ ھود:54)

"ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھے ہمارے کسی معبود نے بری طرح جھپٹ لیا ہے، کہا بے شک میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کے سوا شریک کرتے ہو"۔

اور سورۃ اعراف میں ان کی قوم نے اس کو اس طرح کہا کہ:

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (سورہ الأعراف:66)

اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ ہم تو تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور ہم تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾(سورۃالاعراف:67)

کہا اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں بلکہ میں پروردگار عالم کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اور ان کی قوم میں جو بڑا عیب ناپ تول میں کمی کرنے کا تھا اس سے باز آنے کی ہدایت فرمائی۔ اور ان کی قوم نے ان سے مذاق کیا۔ اور توہین آمیز خطاب کیا۔

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰۗؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾ (سورۃ ھود:87)

"انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی خواہش کے مطابق معاملہ نہ کریں، بے شک تو البتہ بردبار نیک چلن ہے"۔

انہوں نے ایک تو طعنہ دیا۔ جو تم نماز پڑھتے ہو یہی تمہیں بے وقوفی کے کام سکھاتی ہے دوسرے یہ کہ مال ہمارے ہیں ان کی خرید و فروخت کے معاملات میں تمہارا یا خدا کا کیا دخل ہے؟ ہم جس طرح چاہیں ان میں تصرف کا حق رکھتے ہیں۔ تیسرا جملہ تمسخر و استحزاء کا ہے، یہ کہا کہ آپ ہی بڑے عقلمند بہت، دین پر چلنے والے ہیں۔ اس ظالم قوم کی اس گفتگو کے بعد اللہ کے رسول کا کتنا ہی خوبصورت جواب ہے۔

﴿قَالَ يَا قَوْمِ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ۚ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ (سورہ ھود:88)

کہا اے میری قوم! دیکھو تو سہی اگر مجھے اپنے رب کی طرف سے سمجھ آ گئی ہے اور اس نے مجھے عمدہ روزی دی ہے، اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تجھے منع کروں میں اس کے خلاف کروں، میں تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح ہی چاہتا ہوں، اور مجھے تو صرف اللہ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کے وقت جو نرم گفتار من جانب اللہ دی گئی تھی اس کی پوری تعمیل کرنے کے باوجود فرعون کا خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھا۔

﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۞ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورۃ الشعراء:18-19)

(فرعون نے) کہا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تو نے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال گزارے۔ اور تو اپنا وہ کرتوت کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔

اس میں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بڑا احسان بھی جتلایا کہ بچپن میں ہم نے تجھے پالا ہے، پھر یہ بھی احسان جتلایا کہ بڑے ہونے کے بعد بھی کافی مدتوں تم ہمارے پاس رہے، پھر یہ عتاب ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی بغیر ارادہ قتل کے مارا گیا تھا اس پر غصہ اور ناراضگی کا اظہار کر کے یہ بھی کہا کہ تم کافروں میں سے ہو گئے۔ یا کافروں میں سے ہونے کی لغوی معنی بھی ہو سکتی ہے یعنی ناشکری کرنے والا۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے تم پر احسانات کیے اور تم نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا جو احسان کی ناشکری تھی۔

اور اصطلاحی معنی بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ فرعون خود خدائی کا دعوے دار تھا تو جو اس کی خدائی کا منکر ہو وہ کافر ہوتا۔ اب اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سننے کے قابل ہے اور پیغمبرانہ آداب، دعوت الی اللہ اور پیغمبرانہ اخلاق کا شاہکار ہے۔ کہ اس نے سب سے پہلے تو اس کمزوری کا اعتراف کر لیا۔ جو ان سے سرزد ہوئی۔ یعنی اسرائیلی آدمی سے لڑنے والے آدمی قبطی کو ہٹانے کے لئے ایک مکا اس کے مارا تھا، جس سے وہ مر گیا۔ تو گویا یہ قتل عمداً ارادتاً نہیں تھا بلکہ شریعت موسوی کے لحاظ سے بھی وہ شخص قتل کا مستحق نہیں تھا۔

اس لئے آپ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ (سورۃ الشعراء:20)

کہا جب میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جب میں نے وہ کام کیا میں بے خبر تھا، کہ کیا ایک گھونسنے سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ و واعظ نصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔ صحابہ کرام جیسے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ کی بات سننے سے اکتاء جائیں گے، ان کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہی تھی۔ کہ واعظ و نصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتے کے بعض دنوں میں فرماتے تھے۔ تا کہ لوگوں کی طبیعت پہ بار نہ ہو۔

حدیث مبارکہ ہے۔

"حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا."

"ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے ابو التیاح نے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آسانی پیدا کرو، تنگی نہ پیدا کرو، لوگوں کو تسلی اور تشفی دو نفرت نہ دلاؤ۔ "(صحیح البخاري/کتاب الأدب/حدیث:6125)

دعوت کے کام میں ہمارے لئے رہنماء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ جنھوں نے دنیا کے کونے کونے میں دین کو پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تبت کے صحراؤں سے لے کر افریقہ کے جنگلات تک اور برصغیر میں بھی صحابہ کرام کی قبریں موجود ہیں۔ حدیث مبارکہ میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے 73 فرقوں کا ذکر فرمایا وہاں یہ بھی بتا دیا کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے طریقے پر چلے گا وہی فلاح پائے گا۔

سنن ترمذی کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

"عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانيةً لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملةً، كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: «ما أنا عليه وأصحابي".«

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر بھی وہی حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر آئے، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں سے اعلانیہ بدکاری کی ہو گی تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو یہ کام کرے، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، سب جہنم میں ہوں گے سوائے ایک جماعت کے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں (اس کے مطابق چلنے والی جماعت)۔ (سنن الترمذي، باب افتراق الأمة، (4/323) برقم (2641)، ط/ دار الغرب الإسلامي–بيروت)

"حدّثنا أحمد بنُ عمر، قالَ: نا عَبْدُ بنُ أحمدَ، ثنا عليُّ بنُ عمرَ، ثنا القاضِيْ أحمدُ بنُ كاملٍ، ثنا عبدُ اللهِ بنُ رَوْحٍ، ثنا سلّام بنُ سُليمٍ، ثنا الحارث بنُ غصين عنِ الأعمشِ عنْ أبِيْ سُفيانَ عنْ جابرٍ -رضي الله عنه- قالَ: قالَ رسولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم-: "أَصحابِيْ كَالنُّجومِ، بِأيِّهم اقتديتُم اهتديتُم ."(جامع بيان العلم وفضله، باب ذكر الدليل من أقاويل السلف، 2/925، رقم:1760، ط: دار ابن الجوزي–المملكة العربية السعودية)

"(حضرت) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (پس تم اُن کی پیروی کرو)، تم اُن میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے"۔

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، یعنی جس طرح گھپ اندھیری رات میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے مسافروں کو دریا وجنگل کے راستوں کا نشان بتاتے ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم کی آیت: "وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ "(ترجمہ: اور ستاروں کے ذریعے وہ راستہ پاتے ہیں) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سچائی کے راستے کو ظاہر کرنے اور برائی کے اندھیروں کو دور کرنے والے ہیں کہ اُن کے نورانی وجود، اخلاق وکردار اور روایات وتعلیمات کی روشنی میں راہِ حق نمودار ہوتی ہے اور بدی کا اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ اس کے ہم معنی ایک دوسری روایت میں": ولِكُلٍّ نُورٌ "(نور ان حضرات میں سے ہر ایک میں ہے) کے الفاظ بھی آئے ہیں، جس سے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر صحابی اپنے اپنے مرتبہ واستعداد کے مطابق علم وفقہ کا نورِ ہدایت ضرور رکھتا ہے اور اس اعتبار سے کوئی بھی صحابی دین وشریعت کے علم سے خالی نہیں ہے، اس لیے جو بھی صحابی اپنے مرتبہ واستعداد کے مطابق دین وشریعت کی جو بھی بات بیان کرتا ہے اُس کی پیروی ہدایت کی ضامن ہوگی۔ (ماخوذ از مظاہر حق، جلدِ پنجم، ص:۵۹۹۔۶۰۰، ط: دار الاشاعت کراچی)

خلاصہ کلام

مبلغ اور داعی کو تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں مخاطب کے مطابق ہم کلام ہونا ہے، اور اس کو اپنی بات سمجھانے اور متاثر کرنے کے لئے اپنے اندر جامعیت پیدا کرنی ہے تاکہ دوسرے لوگ اس کو دیکھ کر اس کی بات پر توجہ دیں، اور اس پر عمل کریں، اور معاشرے میں بہتری لائی جاسکے۔ قرآن نے تنفیر اور تکفیر کے ذریعے دعوت کی نفی کرتے ہوئے ایسی دعوت دینے کا حکم دیا جس میں انسیت اور جاذبیت کے عناصر موجود ہوں۔ زبان میں شیرنی ونرمی ہو اور کلام میں شائستگی اور برجستگی ہو۔ دعوت الی اللہ کی تشہیر وکامیابی کا راز قرآن مجید کے فلسفہ دعوت پر موقوف ہے جو اسلوب دعوت ہمیں کلام مقدس نے مختلف طرق سے بتائے ہیں، ہر مبلغ اسلام اسی قرآنی اسالیب دعوت کو اختیار کرکے ایک معتبر اور موثر مبلغ اسلام بن سکتا ہے ۔

ایمان کی دعوت کیسے دی جائے؟

غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا ایک حساس اور حکمت والا کام ہے۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ دعوت نرمی، علم اور احترام کے ساتھ دی جائے۔

چند اہم طریقے یہ ہیں:

① حکمت اور اچھے اخلاق کے ساتھ دعوت

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾(سورۃ النحل:125)

"اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے"۔

یعنی گفتگو میں سختی یا جھگڑا نہ ہو بلکہ نرمی اور دلیل ہو۔

② مشترک باتوں سے آغاز کریں۔

جیسے ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یہودی اور عیسائی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کو مانتے ہیں۔ لہٰذا دعوت دیتے وقت یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام انہی انبیاء کی اصل تعلیمات کی تکمیل ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی سلسلے کے آخری نبی ہیں۔

③ قرآن کی تعلیمات بیان کریں

انہیں بتائیں کہ قرآن کریم پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور توحید (ایک خدا کی عبادت) کی دعوت دیتا ہے۔

④ دلائل اور سوالات کا احترام

اگر وہ سوال کریں تو غصہ یا بحث کے بجائے علم اور دلیل سے جواب دیں۔ اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو تحقیق کے بعد جواب دیں۔

⑤ اپنے عمل سے دعوت

اکثر لوگ کردار سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ سچائی، امانت داری اور اچھا اخلاق دیکھ کر لوگ اسلام کے قریب آتے ہیں۔

⑥ دعا بھی کریں

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی کرتے رہیں۔

خلاصہ:

- نرمی اور حکمت
- مشترک عقائد سے بات شروع کرنا
- قرآن کی تعلیمات بیان کرنا
- اچھے اخلاق اور کردار

مذاہب عالم


CHRISTIANITY
ISLAM
HINDUISM
INDIGENOUS SPIRITUALITY
BUDDHISM
TAOISM
JAINISM
BAHÁ'Í FAITH
ZOROASTRIANISM
SIKHISM
SHINTO
JUDAISM

مذاہب عالم

مذہب عقائد، عبادات، اخلاقی اصولوں اور رسومات کے ایک ایسے منظم مجموعے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا کسی مافوق الفطرت قوت، خدا یا مقدس ہستی سے تعلق قائم کرتا ہے۔ یہ زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے جو روحانی ضروریات پوری کرتا ہے اور انسان کے کائنات کو سمجھنے کے انداز کی نمائندگی کرتا ہے۔

مذہب کی تعریف اور اس کے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

- **لغوی معنی :** مذہب کا لفظی مطلب "راستہ" یا "طریقہ" ہے۔
- **بنیادی عناصر :** مذہب میں ایمان، معبود کی عبادت، متبرک رسومات، اور اخلاقی ضابطے شامل ہیں۔
- **مافوق الفطرت پر یقین :** یہ عقیدہ کہ کوئی بالاتر ہستی یا دیوتا موجود ہے۔
- **زندگی کا ضابطہ :** یہ انسان کو زندگی اور موت کے بعد کی قسمت کے بارے میں حتمی خدشات سے نمٹنے میں مدد کرتا ہے۔
- **دین اور مذہب میں فرق :** دین کو عام طور پر ایک مکمل ضابطہ حیات اور نظام کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جبکہ مذہب اکثر مخصوص عقائد یا فقہی مکاتب فکر (جیسے چار فقہی مذاہب) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مختصراً، مذہب انسان کا اس ذات سے تعلق ہے جسے وہ مقدس سمجھتا ہے، اور یہ تعلق مخصوص عبادات و نظریات کے ذریعے عملی جامہ پہناتا ہے۔

مذاہب کی تاریخ

میثاقِ اَلَسْتُ

انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے تمام اَرواح کو جمع کر کے ان سے عہد لیا تھا جو کہ عہدِ اَلستُ کہلاتا ہے۔

عہدِ اَلستُ (یا میثاقِ اَلستُ) سے مراد وہ عظیم الشان عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم علیہ السلام کے وقت عالمِ ارواح میں تمام انسانوں کی روحوں سے لیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا" أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟"(کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟)، تو تمام ارواح نے" بَلَى "(کیوں نہیں! آپ ہی ہمارے رب ہیں) کہہ کر اس کی وحدانیت کا اقرار کیا۔

مذکورہ واقعہ اور عہد، قرآن کریم کی سورۃ الاعراف میں مذکور ہے۔ اس کو عالمِ ارواح کا میثاق بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ.﴾(سورۃ الأعراف:172)

ترجمہ:"اور (یاد کیجیے!) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا): کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔"

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی یہ واقعہ موجود ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں اس سے متعلق ایک صحیح حدیث نقل فرماتے ہیں:

"عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أخذ الله الميثاق من ظهر آدم بنعمان يعني عرفة، فأخرج من صلبه كل ذرية ذرأها فنثرهم بين يديه كالذر، ثم كلمهم قبلا قال: ألست بربكم قالوا: بلى شهدنا"...

ترجمہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے (ان کی اولاد کو نکال کر ان سے) نعمان یعنی (میدان) عرفات کے مقام پر عہد لیا (اور وہ اس طرح کہ) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی صلب سے (ان کی) تمام اولاد کو جن کو (اللہ) نے پیدا (کرنے کا ارادہ) کیا تھا انکی صلب سے باہر نکالا پھر ان کو اپنے سامنے چیونٹیوں کی مانند پھیلا دیا پھر ان سے بالمشافہ بات کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا! کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں ان سب نے کہا کیوں نہیں، ہم گواہی دیتے ہیں (کہ تو ہی ہمارا ربّ ہے)۔" (مسند أحمد، مسند عبد اللہ بن العباس رضی اللہ عنہ، ج:1، ص:2550، رقم الحدیث:2494، ط:جمعیۃ المکنز الإسلامي)

اس مضمون کی دیگر روایات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "موطا" میں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مستدرک" میں ذکر کی ہیں۔

عہدِ الست کے اہم پہلو:

- **قرآنی ثبوت:** اس واقعے کا ذکر قرآن پاک کی سورہ الاعراف (آیت 172) میں ہے، جہاں اللہ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکال کر اپنی ربوبیت پر گواہ بنایا۔
- **بنیادی مقصد:** اس عہد کا مقصد انسان کو یاد دلانا ہے کہ وہ خالق کو تسلیم کر کے دنیا میں آیا ہے، اور یہ اسلام کے روحانی استحکام کی بنیاد ہے۔

- **میثاقِ الست کی حقیقت:** اس سے مراد توحید کا اقرار اور شرک کی نفی ہے، جو ہر انسانی روح سے لیا گیا۔
- **فلسفہ :** یہ عہد بندے کا اللہ کے ساتھ تعلق (حقوق اللہ) کو مضبوط کرتا ہے اور انسان کو زمین پر فساد سے روکتا ہے۔ یہ ایک ایسا پختہ وعدہ ہے جس نے انسان کو پیدائشی طور پر فطرتِ اسلام پر پیدا کیا ہے۔

"عہد الست" ہر نفس کا یہ اقرار تھا کہ "اللہ میرا رب ہے" اور یہ اقرار ہر نفس میں "By default" فکس کر کے اسے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی یادداشت کے لیے "قابل گرفت نہ ہونے" کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔ یہ کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ ایک وجود اپنے سے خارج کسی بات کو یاد کر کے معلوم کر لے، بلکہ یہ تو عین انسانی وجود" (being) جس حال میں وہ تخلیق کیا گیا اور موجود ہے" کا بیان ہے۔ یعنی یہ بات کہ "میں کسی کی مخلوق ہوں"، یہ انسان کا "دائمی حال" ہے، نہ کہ اس سے باہر کوئی واقعہ۔

①۔ عہدِ الست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے باب میں کوئی عذر بروزِ قیامت قبول نہیں ہوگا۔

②۔ اس عہد کی یاددہانی کے لیے مزید اہتمام کے طور پر اور نیز دنیوی زندگی میں اس عہد کے عملی تقاضے پورے کرنے کے لیے تفصیلی رہنمائی کے لیے رسولوں کی بعثت ہوتی ہے۔ (جن اہلِ علم نے اس سیاق تذکیر کو رسول کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے ان کا مطلب مقصدِ بعثت کو تذکیر تک محدود رکھنا نہیں تھا۔)

③۔ جن لوگوں تک رسول کی دعوت پہنچی ان کی ذمہ داری مزید بڑھ گئی اور ان کے محاسبے میں مزید سوالات کا اضافہ بھی ہوا۔ البتہ جن تک رسول کی دعوت نہیں پہنچی ان کا محاسبہ بنیادی سوال تک ہی محدود رہے گا۔ اس بحث کو ایک خاص پہلو سے فقہائے کرام یوں ذکر کرتے ہیں کہ کیا کفار شرائع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

④۔ جو لوگ اللہ کی توحید کے قائل ہیں لیکن اس عقیدے کی تفصیلات یا مقتضیات میں ان سے غلطی ہوئی ہو تو ان کی غلطی کے اسباب اور اس غلطی سے نکلنے کے مواقع کے جائزے اور ان کو صفائی کا موقع دے چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور رحمت کے تقاضوں کے مطابق ایسا فیصلہ کرے گا جس کے بارے میں ہر کوئی کہہ اٹھے گا کہ یہی قضاء بالقسط اور قضاء بالحق ہے۔ تاہم جنھوں نے عہدِ الست کے باوجود شرک کو بطور دین قبول کیا، یا سرے سے اللہ کے وجود کے منکر ہو گئے، تو ان کے متعلق اللہ پہلے ہی اعلان کر چکا ہے کہ عہدِ الست سے غفلت کے متعلق ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

⑤۔ بہ الفاظِ دیگر، توحید کے اقرار کے بعد شرک بالتاویل کے باب میں تو عذر پیش کیے جانے کا امکان ہے لیکن شرک بطور عقیدہ قبول کرنے، یا اللہ کے وجود سے یکسر انکار کرنے، کے بعد اسی حالت میں مرنے پر کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ مشرکانہ معاشرے میں، یہاں تک کہ عرب جاہلیت میں بھی، ایسے کئی لوگ تھے جنھوں نے شرک چھوڑ کر توحید کا عقیدہ اپنا لیا تھا لیکن تفصیلات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے سرگرداں رہتے تھے۔

انبیاء کرام کی ضرورت

اس میثاقِ اَلستُ کی یاددہانی کے لئے اللہ سبحان و تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اس مقدس فریضہ کی ابتداء اَبو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ اور اختتام نبی کریم خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ ان تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے دینِ حنیف یعنی اسلام پر ہی مبعوث فرمایا۔ تمام انبیاء کرام کی تعلیم کی بنیاد توحید یعنی عہد الست کی یاددہانی تھی۔

دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ 24 ہزار انبیاء کرام تشریف لائے، جن میں رسولوں کی تعداد تقریباً315 تھی، لیکن ان تمام رسولوں پر کتاب کا نازل ہونا ضروری نہیں ہے، بعض رسولوں پر کتاب نازل ہوئی، بعض پر صحائف نازل ہوئے۔ ان میں سے کچھ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے وقت اور علاقے کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت اور الہامی کتب اور صحیفے عطا فرمائے۔



جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید عطا فرمایا۔

اسلامی روایات کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے کل **100(سو) صحیفے** نازل فرمائے۔ یہ صحیفے مختلف انبیاء کرام پر نازل ہوئے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

- **حضرت آدم علیہ السلام:** 10 صحیفے
- **حضرت شیث علیہ السلام:** 50 صحیفے
- **حضرت ادریس علیہ السلام:** 30 صحیفے
- **حضرت ابراہیم علیہ السلام:** 10 صحیفے
- **حضرت موسیٰ علیہ السلام:** تورات سے قبل 10 صحیفے

ان 100 صحیفوں کے علاوہ 4 مشہور آسمانی کتابیں (تورات، زبور، انجیل، قرآن) نازل ہوئیں، جنہیں ملا کر کل 104 (ایک سو چار) آسمانی صحائف وکتب بنتے ہیں۔

آجری نے ابوذر سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ، صُحفِ اِبرَاہیم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا، وہ سب امثال تھیں اے بادشاہ جس نے تسلط جمایا ہوا ہے آزمائش میں مبتلا ہے اور دھوکا میں ڈالا گیا ہے میں نے تجھے اس لیے دنیا میں نہیں بھیجا کہ تو دنیا کو ایک دوسرے کے اوپر جمع کرے بلکہ میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تو مظلوم کی دعا کی مجھ سے لوٹائے میں اس کی دعا کو نہیں لوٹاؤں گا اگرچہ وہ کافر کے منہ سے نکلے اس سے مراد امثال تھیں عقل مند پر لازم ہے کہ اس کی تین گھڑیاں ہوں، ایک گری میں وہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے، ایک ساعت ایسی ہو جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے جس میں وہ اللہ تعال کی صفت میں غور و فکر کرے ایک ساعت ایسی ہو جس میں وہ اپنے کھانے پینے کا اہتمام کرے، دانش مند پر لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کے سوا کسی کے لیے سفر نہ کرے آخرت کے لیے زاد راہ، زندگی کو بہتر بنانے کے لیے حلال چیز میں لذت پانے کے لیے، دانش مند پر یہ بھی لازم ہے وہ اپنے زمانہ پر نظر رکھتا ہو اپنی حالت کی طرف متوجہ ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو، جو آدمی زبان

کو بھی اپنے اعمال میں شمار کرتا ہے تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے مگر جو اس کے لیے معاون ہو۔ عبد بن حمید و ابن مردویہ و ابن عساکر نے ابو ذر غفاری سے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل فرمائیں؟ فرمایا ایک سو چار کتابیں اللہ تعالیٰ نے شیث (علیہ السلام) پر پچاس صحیح اور ادریس (علیہ السلام) پر تیس صحیفے اور ابراہیم (علیہ السلام) پر دس صحیفے نازل فرمائے اور موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل فرمائے اور یہ چار کتابیں تورات، انجیل زبور اور فرقان نازل فرمائیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفے کیا تھے فرمایا ان تمام میں اس طرح ہے اے جابر۔ غالب آزمائش میں مبتلا رہنے والے اور مغرور بادشاہ! میں نے تجھے نہیں بھیجا کہ تو دنیا کو ایک دوسرے پر جمع کرتا رہے لیکن تجھ کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ تو مجھ سے مظلوم کی دعا کو واپس لوٹا دے۔ کیونکہ اسے رد نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ کافر کی طرف سے ہو اور عقل پر لازم ہے جب تک اس کی عقل مغلوب نہ ہو جائے۔ اس کے لیے تین گھڑیاں ہوں۔ یعنی اس کا وقت تین حصوں میں منقسم ہو۔ کہ ایک گھڑی میں وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہو اور ایک گھڑی میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہو۔ اور اس میں غور و فکر کرتا ہو جو کچھ اس نے عمل کیا۔ اور ایک گھڑی اس کی حلال حاجات کے لیے خالی کیونکہ یہ گھڑی ان پہلی گھڑیوں کی مددگار ہوگی دلوں کو اطمینان پہنچائے گی۔ اور ان کو غفلت سے خالی خالی اور فارغ رکھے گی۔ اور عاقل پر لازم ہے کہ وہ آنے والے وقت میں پیش آنے والے کاموں پر نظر رکھے اور اپنی زبان کی حفاظت رکھے کیونکہ جو اپنے عمل سے اپنی کلام کا محاسبہ کرتا ہے اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے سوائے ایسے کاموں کے جو بامقصد اور نفع مند ہوتے ہیں۔ اور عاقل پر لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کی تلاش کرے۔ ذریعہ معاش کو توشہ آخرت کو اور غیر حرام چیزوں میں لذت کو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر کوئی چیز ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں سے نازل ہوئی۔ فرمایا اے ابو ذر! ہاں وہ یہ ہے آیت

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (14) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (15) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (16) وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (17) اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى (18) صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى (19) ﴾ (سورة الاعلیٰ : 14-19)

بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہو گیا۔ اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔ بے شک یہی پہلے صحیفوں میں ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

> صحف، صحیفہ کی جمع ہے۔ کے لفظی معنی عربی میں پھیلی ہوئی چیز میں لکھا ہوا کاغذ، ورق، کتاب، رسالہ، چھوٹی کتاب کے ہیں۔ اس کا زیادہ تر استعمال الہامی کتاب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی رسول پر اتاری گئی پر ہوتا ہے۔

لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ صحائف گم ہو گئے یا ان آسمانی کتابوں میں (سوائے قرآن کریم) لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق تحریفات کر دیں۔ اور وہ اپنے اصلی شکل کھو بیٹھیں۔ اسی طرح انبیاء کرام کی تعلیمات اور ارشادات کو بھی بُھلا دیا جاتا رہا۔ حضرت شیث علیہ السلام کے وصال کے بعد بت پرستی کا آغاز ہوا۔ تو انبیاء کرام کی ضرورت اور اہمیت مزید بڑھ گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو اس بت پرستی

اور شرک سے روکنے کی جدوجہد کی لیکن سوائے ۸۰ افراد کے کوئی ایمان نہ لایا یہاں تک کہ طوفان نوح میں ان تمام مشرکین کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور دنیا ایک مرتبہ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین پر قائم ہو گئی۔



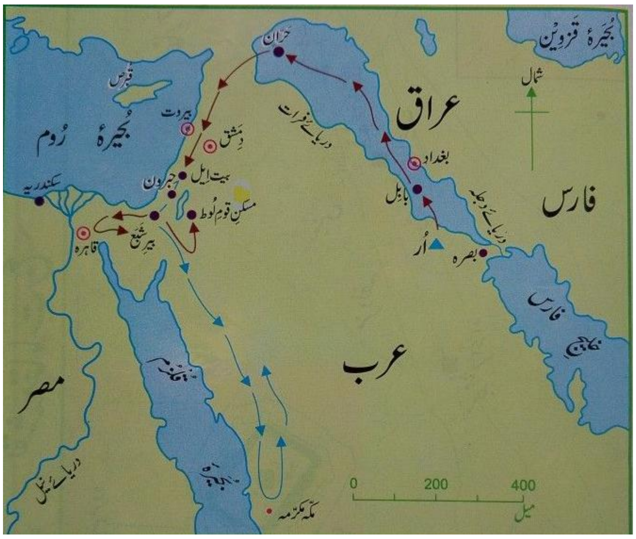
لیکن پھر جیسے جیسے حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے صاحبزادے سام، حام اور یافث دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے۔ تو دیگر مذاہب نے جنم لیا۔ حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کے ان چاروں صاحبزادوں کی تفصیل یوں ہے۔

- **سام :(Shem)** سب سے بڑے بیٹے، جن کی نسل سے بنی اسرائیل، عرب، اور دیگر اقوام وجود میں آئیں۔
- **حام :(Ham)** دوسرے بیٹے، جن کی نسل نے افریقہ اور دیگر علاقوں میں سکونت اختیار کی۔
- **یافث :(Japheth)** تیسرے بیٹے، جن کی نسل سے یورپ، وسطی ایشیا، اور دیگر اقوام (جیسے یاجوج ماجوج) چلیں۔
- **کنعان :(Canaan/Yam)** یہ نافرمان بیٹا تھا، جو طوفان میں ڈوب گیا، اس لیے اس کی نسل نہیں چلی۔

ان تینوں صاحبزادوں کے ذریعے دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں نے جنم لیا۔ جن میں دریائے سندھ کی تہذیب، بابل یعنی دجلہ و فرات (Mesopotamia) کی تہذیب، دریائے نیل (مصر کی تہذیب) شامل ہیں۔ اور ان تہذیبوں میں نئے نئے مذاہب نے بھی جنم لیا بالخصوص وادی سندھ کی تہذیب جس میں ہڑپہ اور موہنجو دڑو اور ٹیکسلا کے علاقے شامل ہیں اور ہندوستان اور سری لنکا وغیرہ میں نئے نئے مذاہب جیسے ہندو مت، بدھ مت، جین مت اور دیگر مذاہب پیدا ہو گئے۔

اس وقت دنیا میں دو قسم کے مذاہب ہیں۔ ایک سامی مذاہب جنہیں الہامی مذاہب بھی کہتے ہیں اور دوسرے غیر سامی مذاہب ہیں۔، سامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں جبکہ غیر سامی مذاہب میں بدھ مت، ہندو مت اور زرتشت مت اور سکھ مت، تاؤازم، کنفوشس ازم وغیرہ شامل ہیں۔ یعنی دنیا میں موجود ہر شخص کسی نہ کسی مذہب سے متاثر چلا آرہا ہے چاہے وہ سامی مذاہب ہوں یا غیر سامی مذاہب چونکہ مذہب زندگی کے ہر معاملے میں انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے اس لئے اس کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکا۔

اسی طرح بابل کی تہذیب میں بت پرستی عام ہوگئی جس کو روکنے کے لئے اللہ سبحان وتعالیٰ نے اَبو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں مبعوث فرمایا۔



اور وہاں (اُر) سے وہ ہجرت کر کے جیرون (بیت الخلیل) میں تشریف لائے۔ جہاں سے ان کے ایک صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکۃ المکرمہ اور دوسرے صاحبزادے حضرت اِسحاق علیہ السلام نے بیت المقدس کو اپنا مرکز بنایا۔

پھر حضرت اِسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام اور پوتے حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے یہ دین فلسطین سے مصر تک جا پہنچا۔

یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحق علیہ السلام پیدا ہوئے ان کی اولاد سے آگے تین مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام معرض وجود میں آئے۔ سامی مذاہب میں سب سے پہلا اور قدیم مذہب اسلام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ

﴿مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:67)

"ابراھیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی لیکن سیدھے راستے والے مسلمان تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

یہ قرآنی آیت (سورہ آل عمران:67) واضح کرتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی نہیں تھے، کیونکہ یہ مذاہب ان کے بہت بعد میں آئے۔ وہ خالصتاً اللہ کے فرمانبردار، یکسو (حنیف) مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ وہ ہر باطل سے جدا، اللہ تعالیٰ کے سچے اطاعت گزار بندے تھے۔

سامی مذاہب سے کیا مراد ہے؟

سامی مذاہب سے متعلق یہ سوال اکثر ذہن میں اُبھرتا ہے کہ سامی کا مطلب کیا ہے؟ اسکی چند تعریفات درج ذیل ہیں:

"سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں میں سے پہلے بیٹے تھے جنھیں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنا جانشین مقرر کیا اور خاص فرائض اس کے سپرد کیے ان کی یہ افضلیت اُن کے اخلاق میں بھی شامل ہوئی، انھی کی اولاد حسن و وجاہت کے معاملے میں بھی ممتاز ہے عربوں کو ہمیشہ سام کی اولاد بتایا جاتا ہے۔ "(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 3791، 01:916-816)

اسی طرح سے بائیبل میں درج ہے۔

"نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سِم (سام)، حام اور یافت تھے اور حام کنعان کا بیٹا تھا۔ یہی تینوں نوح کے بیٹے تھے اور ان ہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی۔" (کتاب پیدائش)

سام کی اولاد سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بائیبل میں حضرت ابراہیم کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

"ابرام بن تارح بن نحور بن سروج بن رعو بن فلج بن عبر بن سلح بن ارفکسد بن سام۔' (کتاب پیدائش، 11:92-21)

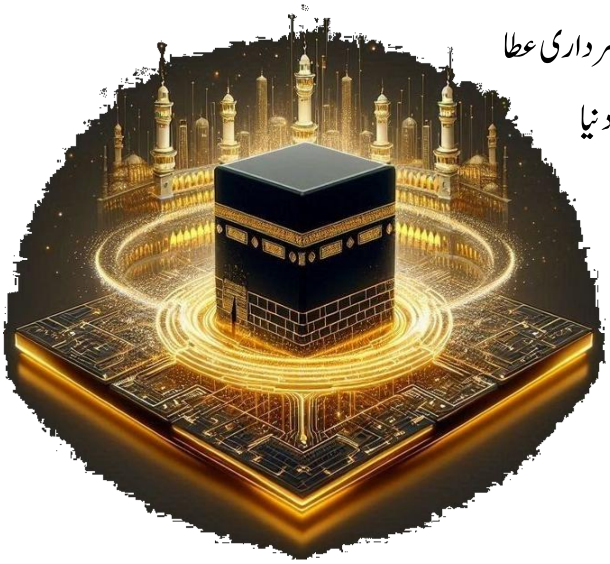
اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو شرقِ اردن کے علاقے سدوم کی بستی کی طرف بھیجا گیا۔ جو کہ آج بھی بحیرہ مردار کے کنارے عبرت کا نشان بنی ہوئی ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے حضرت یوسف علیہ السلام بھی نبی بنے اور ان کو مصر میں مبعوث فرمایا گیا۔ اس طرح دین ابراہیمی افریقہ میں بھی پھیلنا شروع ہوا۔ وہیں سے حضرت شعیب علیہ السلام کو مدین میں مبعوث کیا گیا۔ جہاں مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے زیر تربیت رکھ کر دوبارہ مصر میں فرعون کی طرف بھیجا گیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ اور یہودی مذہب نے جنم لیا۔

بنی اسرائیل چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکتے رہے۔ اور پھر واپس فلسطین آ گئے۔

یہاں حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ اور پھر حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ کی بھانجی بی بی مریمؑ کے گھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جس کی پاداش میں وہ ان کے دشمن ہو گئے۔ اور بالآخر انھیں آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا۔ یہیں ان کے حواریوں نے عیسائی مذہب کی بنیاد رکھی۔ اور پھر یہ مذہب دنیا کے ایک بڑے حصہ تک پہنچ گیا۔



دوسری جانب اللہ سبحان و تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو عرب میں سب سے معزز قبیلے قریش کی سرداری عطا فرمائی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں مکہ کو پوری دنیا کا مرکز بنا دیا۔ جہاں پوری دنیا سے لوگ حج کے لئے آنے لگے۔

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (سورة البقرة: 126)

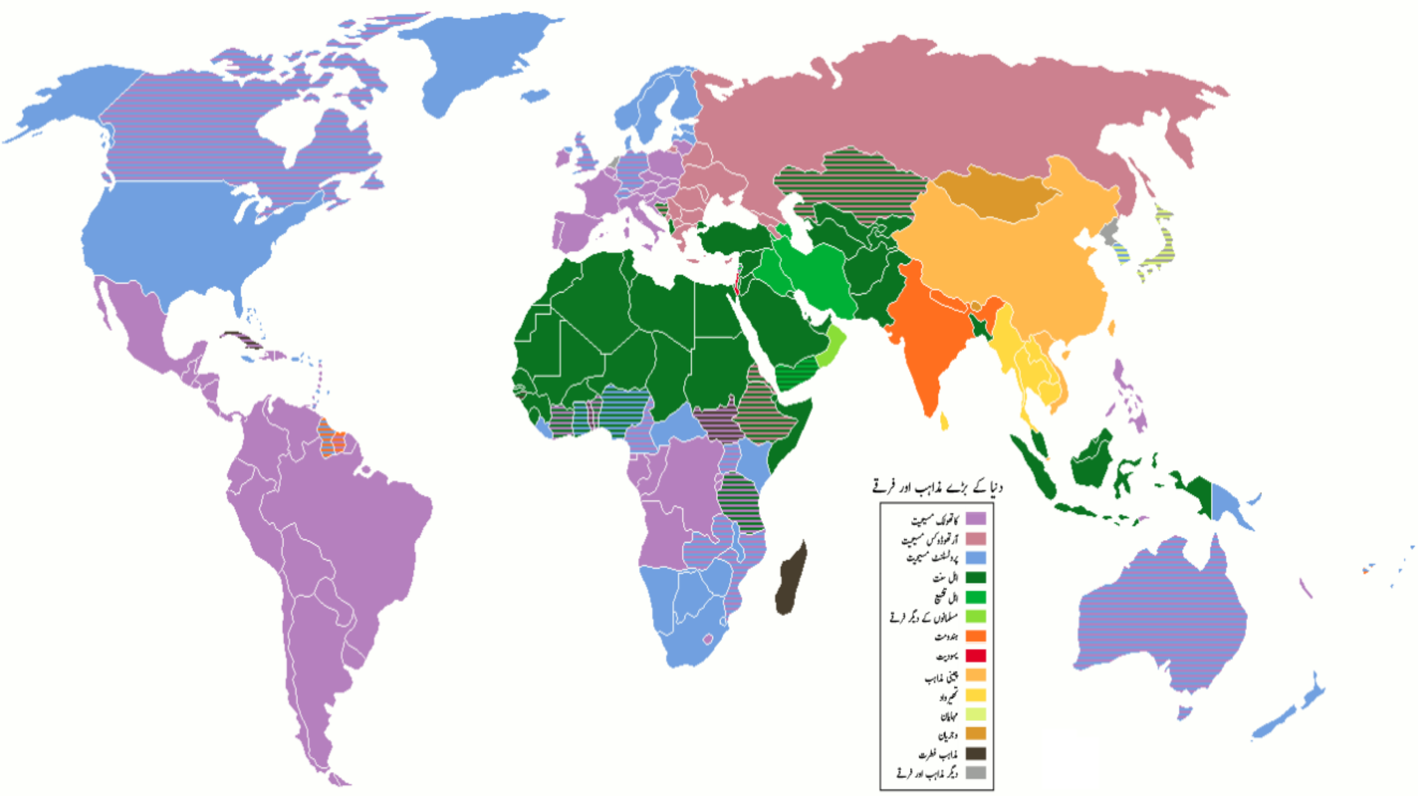
"اور جب ابراھیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے"۔

اور پھر آپ علیہ السلام کی ایک اور دعا قبول فرمائی۔

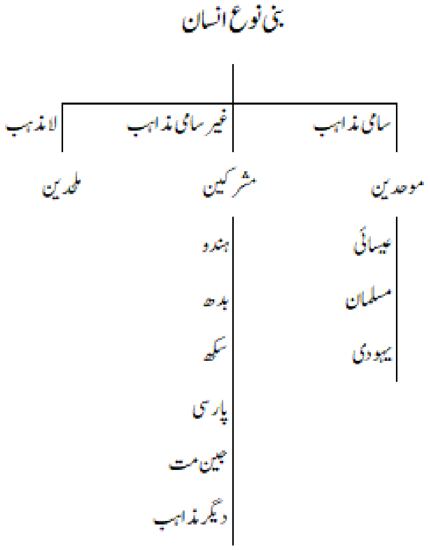
﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِـمْ رَسُوْلًا مِّنْهُـمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِـمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُـمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِـمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(سورة البقرة: 129)

"اے ہمارے رب! اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے"۔

اس کے نتیجے میں بنی اسماعیل میں نبی آخر الزمان خاتم الانبیاء سید الکونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں مبعوث فرمادیا گیا۔ اور اسلام کا دوبارہ آغاز ہوا جو کہ دین ابراہیمی کا تسلسل تھا۔ اور اسی میثاق الستُ کی یاد دہانی کہ انسان یہاں بلا مقصد نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِيكَ لَہٗ کی اطاعت اور بندگی اس کا مقصد تھا۔



عقائد اور نظریاتی تقسیم

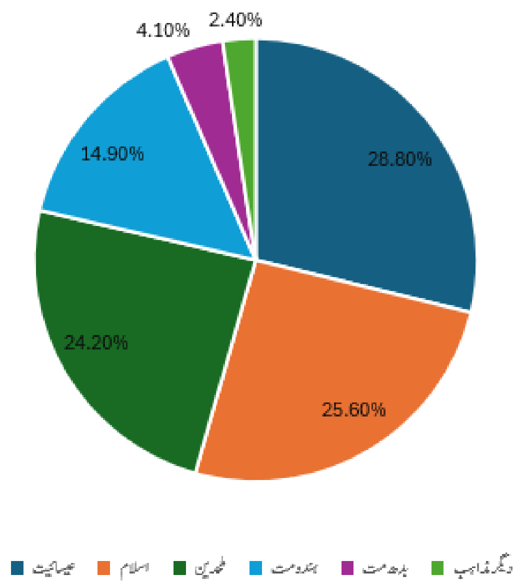


عقائد اور نظریات کے اعتبار سے تمام دنیا کے انسانوں کو تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ وہ جو کسی مذہب یا عقیدے کے ماننے والے ہیں۔ اور کسی ایک خدا کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے افراد موحد کہلاتے ہیں۔

2۔ مشرکین: جو کسی مذہب یا عقیدے کے ماننے والے تو ہیں لیکن ایک سے زیادہ خداؤں کے ماننے والے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شریک سمجھتے ہیں۔

3۔ اور دوسرا وہ گروہ ہے۔ جو خود کو ان پابندیوں سے آزاد سمجھتا ہے۔ اور کسی خدا کی موجودگی کو تسلیم نہیں کرتا اور کسی مذہب کو نہیں مانتا۔ ایسے افراد ملحد کہلاتے ہیں۔



دنیا میں عقائد اور شناخت کے لحاظ سے چھ بڑی تہذیبیں ہیں، جن میں سے تین عالم گیر اور تین مقامی یا علاقائی اہمیت کی حامل ہیں۔ تین عالم گیر تہذیبیں مل کر پوری دنیا کی آٹھ ارب آبادی کے ۸۷.۶ فی صد انسانوں پر مشتمل ہیں۔ یہ تینوں عددی ترتیب کے لحاظ سے عیسائیت ۲۸.۸ فی صد، اسلام ۲۵.۶ فی صد اور لادینیت ۲۴.۲ فی صد ہیں۔ یہ تینوں تہذیبیں مختلف براعظموں میں مرتکز ہونے کے باوجود بین البراعظمی ہیں۔ اسی بنا پر ہم انھیں 'عالم گیر' کہہ رہے ہیں۔ بقیہ ۲۲ فی صد میں سے ۱۴.۹ فی صد کا تعلق تین دیگر بڑی تہذیبوں سے ہے، ہندومت ۱۴.۹ فی صد، بودھ مت ۴.۱ فی صد اور مقامی متفرق تہذیبیں ۲.۴ فی صد۔ ان چھ تہذیبوں کے علاوہ دُنیا میں ایسے مذاہب اور تہذیبیں پائی جاتی ہیں، جو اپنی سطح پر بہت اہم اور بعض صورتوں میں عالم گیر ہیں۔ تاہم، ان کے پیروکاروں کی تعداد انتہائی محدود ہے، مثلاً یہودی، سکھ، پارسی و دیگر۔ یہ تمام مل کر دُنیا کی آبادی کا ۳فی صد بنتے ہیں۔

دُنیا کے 10 بڑے مذاہب اور اُن کا تعارف*

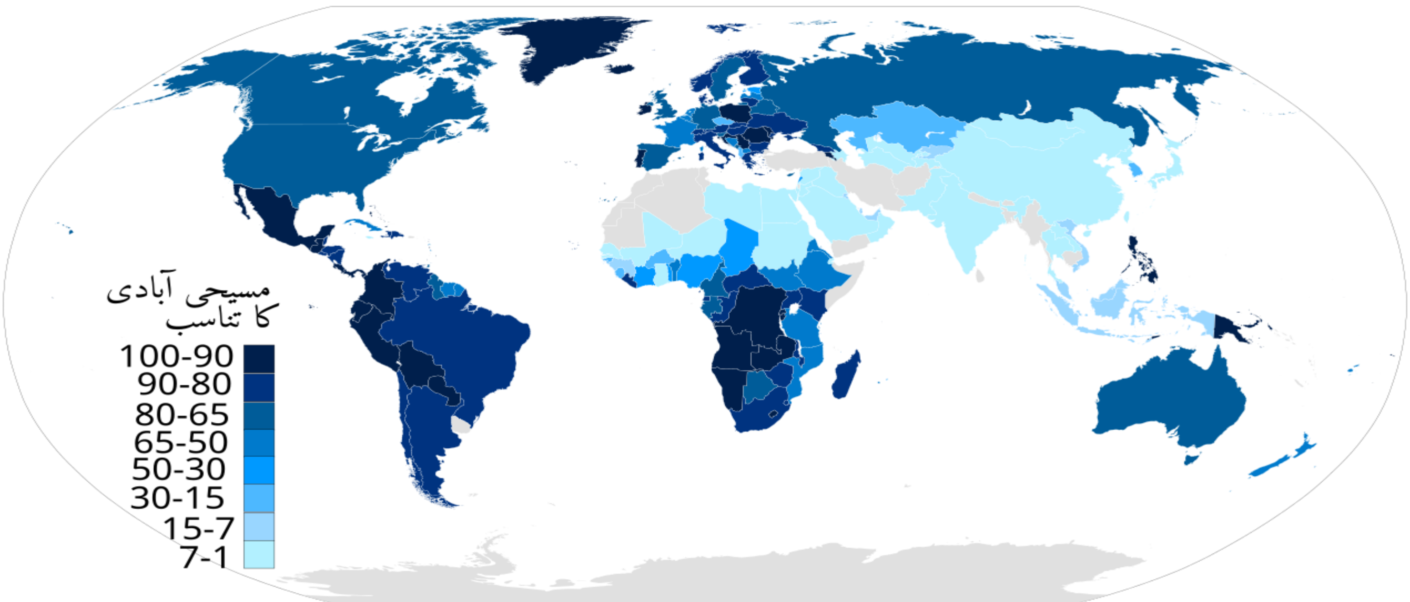


کائنات کا خالق کون ہے اس بات پر دُنیا کے تمام انسانوں میں کبھی اتفاق نہیں ہُوا اس بنا پر دُنیا میں مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں جو اپنے اپنے شعور کے مطابق کائنات کے خالق کا تعین کرتے ہیں اور اپنے اپنے انداز سے اُس کی عبادت کرتے ہیں، اس آرٹیکل میں دُنیا میں موجود چند بڑے مذاہب اور دُنیا میں اُن کی تعداد کا ذکر کیا جائے گا۔

① *عیسائیت(Christianity)*



آبادی کے لحاظ سے یہ دُنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد 2.4 بلین کے لگ بھگ ہے یعنی دُنیا کی آبادی کا 33.4 فیصد حصہ کرسچئین ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے ایک خُدا پر یقین رکھتے ہیں اور کائنات کا خالق اُسی کو سمجھتے ہیں۔ کرسچینز کا کہنا ہے کے عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور اس عقیدے پر قائم ہیں کہ وہ دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے اور انسانیت کو بچائیں گے۔



مسیحیت بلحاظ ممالک

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم (بنی اسرائیل) کی سرکشی بڑھی اور بغاوت حد سے تجاوز کر گئی تو موسیٰ علیہ السلام کے رب نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اس قوم کی طرف بھیجا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کم و بیش 33 برس ان میں گزارے اور ان کے رشد و ہدایت کا سامان کرتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اولوالعزم نبی اور رسول ہیں، جو بغیر باپ کے حضرت مریمؑ کے بطن سے معجزانہ طور پر پیدا ہوئے۔ آپ علیہ السلام بنی اسرائیل میں بھیجے گئے آخری نبی تھے۔ قرآن مجید کے مطابق، آپ کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا کی اور آپ بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے آئے۔ آپ نہ قتل ہوئے نہ سولی چڑھے، بلکہ اللہ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا اور وہ قربِ قیامت میں دوبارہ نازل ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تقریباً چھے سو سال تک کوئی نبی نہیں آیا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خاتم الانبیاء، حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خُوش خبری دی۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِالْبَیِّنَاتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ﴾(سورۃ الصف:6)

"اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا تمہاری طرف رسول ہوں (اور) تورات جو مجھ سے پہلے ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا، پس جب وہ واضح دلیلیں لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی گئی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَقَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرَاۃِ ۠ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرَاۃِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:46)

"اور ہم نے ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا، اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا تھا اور وہ راہ بتانے والی تھی اور ڈرنے والوں کے لیے نصیحت تھی"۔

ابنِ جریر نے تحریر کیا ہے کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جب انجیل نازل ہوئی، تو آپ علیہ السلام کی عُمر مبارک تیس سال تھی اور نبوّت کے تین سال بعد، یعنی تینتیس برس کی عُمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا" (ابنِ کثیر)۔

قرآنِ مجید میں تذکرہ

قرآنِ کریم کی تیرہ سورتوں میں مختلف ناموں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ موجود ہے۔ 26 مقامات پر عیسیٰ علیہ السلام، 23 مقامات پر ابنِ مریمؑ، 11 جگہوں پر مسیحؑ اور ایک مقام پر عبداللہ کہا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی انیسویں سورہ "سورۂ مریم" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدۂ محترمہ کے نام پر ہے، جس میں حضرت مریمؑ بنتِ عمران اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

اس کے علاوہ، قرآنِ کریم کی تیسری سورہ، سورۂ آلِ عمران، حضرت مریمؑ کے والد ماجد کے نام سے منسوب ہے، جس میں حضرت مریمؑ کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی پانچویں سورہ، سورۃ المائدہ میں اُس کھانے کا ذکر ہے، جس کی فرمائش حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حواریوں نے کی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں دُعا کی، جس پر آسمان سے مائدہ یعنی کھانے کے خوان کا نزول ہوا۔

بیٹے کی بشارت

سورۂ مریم کی آیات 16 سے 35 کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضرت مریمؑ بیتُ المقدِس سے متصل حجرے میں قیام پذیر تھیں۔

﴿وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا ۞فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِھِمْ حِجَابًا ۠ فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ۞قَالَتْ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْکَ اِنْ کُنْتَ تَقِیًّا ۞قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۖ لِاَھَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا ۞ قَالَتْ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا ۞ قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَہٗٓ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ۚ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ۞فَحَمَلَتْہُ فَانْتَبَذَتْ بِہٖ مَکَانًا قَصِیًّا ۞﴾(سورۃ مریم:16-22)

"اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کر جب کہ وہ اپنے لوگوں سے علیحدہ ہو کر مشرقی مقام میں جا بیٹھی۔ پھر لوگوں کے سامنے سے پردہ ڈال لیا، پھر ہم نے اس کے پاس اپنے فرشتے کو بھیجا پھر وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہا بے شک میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیز گار ہے۔ کہا میں تو بس تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تا کہ تجھے پاکیزہ لڑکا دوں۔ کہا میرے لیے لڑکا کہاں سے ہو گا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ کہا ایسا ہی ہو گا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے، اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں، اور یہ بات طے ہو چکی ہے۔ پھر اس (بچہ کے ساتھ) حاملہ ہوئی پھر اسے لے کر کسی دور جگہ میں چلی گئی"۔

ایک دن وہ مسجد کے مشرقی کونے میں عبادت یا کسی اور مقصد سے تشریف لے گئیں اور پردہ کر لیا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ حسبِ عادت یک سوئی کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونے کے لیے حجرے کے مشرقی جانب کسی گوشے میں تشریف لے گئیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نصاریٰ نے جو مشرق کی جانب اپنا قبلہ بنایا اور اُس جانب کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، اُس کی یہی وجہ ہے۔

حضرت مریمؑ اُس گوشے میں تنہا تھیں کہ اچانک حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی شکل میں تشریف لائے۔ حضرت مریمؑ نے ایک اجنبی شخص کو یوں اپنے قریب دیکھا، تو گھبرا گئیں اور کہنے لگیں "مَیں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تُو اللہ سے ڈرتا ہے، تو یہاں سے چلا جا۔" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا "تم مجھ سے ڈرو نہیں۔ مَیں تو پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا دینے کی خُوش خبری لے کر آیا ہوں۔" حضرت مریمؑ نہایت حیران اور پریشان ہوئیں اور تعجّب سے فرمایا "بھلا میرے ہاں بچّہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا اور نہ ہی مَیں بدکار ہوں۔"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا "ہاں! بات تو یہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم اسے اپنی قدرتِ تخلیق کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔

اس سے قبل ہم نے تمہارے باپ، آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت کے بغیر اور تمہاری ماں، حوّا کو صرف مرد سے پیدا کیا اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر کے چوتھی شکل میں بھی پیدا کرنے پر اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے، صرف بغیر مرد کے پیدا کرنا۔" دراصل، اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہیں، وہ جب جہاں اور جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ بے جان چیز سے جان دار کو پیدا کر سکتے ہیں اور جان دار سے بے جان۔


بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی جائے ولادت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

بیٹے کی بشارت کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؑ پر پھونک ماری اور وہاں سے چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت مریمؑ کو بچّے کی پیدائش کے آثار محسوس ہونے لگے۔

جیسے جیسے پیدائش کے دن قریب آتے جا رہے تھے، آپؑ کی پریشانی میں بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جب پیدائش کا وقت

قریب آیا، تو آپؑ لوگوں کے خوف سے بیتُ المقدِس سے تقریباً 9 میل دُور جنگل کی جانب ایک پہاڑی ''کوہِ سراۃ'' کی جانب چلی گئیں۔ یہی وہ جگہ ہے، جو بعد میں ''بیت اللحم'' کہلائی۔ جب دردِ زہ شروع ہوا، تو آپؑ ایک کھجور کے درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ زچگی کی تکلیف کی شدّت اور دُنیا والوں کے خوف نے آب دیدہ کر دیا۔

کہنے لگیں ''کاش! مَیں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔''

﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يَا لَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۞ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۞ وَهُزِّیٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۞ فَكُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۞﴾(سورۃ مریم:26-23)

"پھر اسے دردِ زہ ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا، کہا اے افسوس میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی اور میں بھولی بھلائی ہوتی۔ پھر اسے اس کے نیچے سے پکارا کہ غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ پیدا کر دیا۔ اور تو کھجور کے تنہ کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر پکی تازہ کھجوریں گریں گی۔ پس کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی کر، پھر اگر تو کوئی آدمی دیکھے تو کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزہ کی نذر مانی ہے سو آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی"۔

علماء فرماتے ہیں کہ اُنھوں نے موت کی آرزو اس لیے کی کہ وہ عزیز و اقارب، خاندان، برادری اور لوگوں کو کس طرح مطمئن کر سکیں گی، جب کہ کوئی اُن کی صداقت کی تصدیق کرنے والا بھی نہیں۔ اُن کی شہرت ایک نیک، پارسا اور زاہدہ کے طور پر تھی۔ لہٰذا، اُن کے لیے یہ تصوّر ہی بڑا رُوح فرسا اور تکلیف دہ تھا کہ لوگ اُنہیں بدکار سمجھیں۔

آغوشِ مادر میں کلام

﴿ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۚ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۞ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۞ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۖ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِيًّا ۞ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۖ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا ۞ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۞ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ يَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۞ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۞ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۞﴾(سورۃ مریم:27-34)

"اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: آج میں نے خدائے رحمن کے لیے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لیے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ ۞ پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں وہ کہنے لگے کہ: مریم تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔ ۞ اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی۔ ۞ اس پر مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟ ۞ (اس پر) بچہ بول اٹھا کہ: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے۔ ۞ اور جہاں بھی میں رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ ۞ اور مجھے اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔ ۞ اور (اللہ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ۞ یہ ہیں عیسیٰ بن مریم! ان (کی حقیقت) کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ ۞"

اُس وقت کی شریعت میں روزے میں کھانے پینے کے ساتھ بولنا بھی منع تھا۔ حضرت جبرائیلؑ کے اس پیغام سے حضرت مریمؑ کو اطمینان اور تسلّی ہو گئی کہ اب میرا ربّ مجھے بدنامی اور رُسوائی سے بچا لے گا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ولادت کے چالیس روز بعد جب طہارت ہو چکی، تو حضرت مریمؑ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آئیں۔

لوگ نومولود بچّے کو گود میں دیکھ کر حیران رہ گئے اور بدگمان ہو کر بولے ''اے مریمؑ! یہ تو، تُونے بڑے گناہ کا کام کیا، نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔'' حضرت مریمؑ نے جبرائیل امین علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق بچّے کی طرف اشارہ کر دیا۔ روایت میں ہے کہ جب خاندان نے حضرت مریمؑ کو ملامت کرنا شروع کیا، تو اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُودھ پی رہے تھے۔ جب اُنہوں نے لوگوں کی ملامت بھری باتیں سُنیں، تو دُودھ پینا چھوڑ دیا اور اپنی بائیں کروٹ پر سہارا لے کر اُن کی جانب متوجّہ ہوئے اور انگشتِ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''انّی عبد اللہ'' یعنی ''مَیں اللہ کا بندہ ہوں'' اور پھر اللہ کی طرف سے نبوّت اور کتاب ملنے کی خبر دی۔

اُس کے بعد فرمایا'' اللہ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا پابند بنایا اور جب تک مَیں زندہ ہوں، مجھے اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور اللہ کی سلامتی ہے مجھ پر، جب مَیں پیدا ہوا، جب مَیں مروں گا اور جب دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا جاؤں گا'' (سورۂ مریم)۔ لوگوں نے جب نومولود بچّے کے منہ سے یہ الفاظ سُنے، تو حیرت زدہ رہ گئے اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ بی بی مریمؑ پاک دامن ہیں اور یہ بچّہ، اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اس واقعے کے بعد خاندان اور بنی اسرائیل کے سمجھ دار لوگ دونوں کی بڑی عزّت کرنے لگے اور اُنہیں خیر و برکت کا باعث سمجھنے لگے۔

حضرت مریمؑ کی پاک دامنی پر یہود آج بھی بہتان باندھتے ہیں اور عیسائی حضرات نے اس واقعے میں ان کی صفائی دینے کے لئے ان کی شادی کا تذکرہ شامل کر دیا ہے۔ کہ رسوائی سے بچنے کے لئے یوسف نجار نامی شخص کے ساتھ ان کی شادی کر دی گئی۔ لیکن قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا مقام

جودیہ کے پہاڑوں میں واقع ''بیتُ اللحم''، فلسطین کا ایک بہت بڑا گاؤں ہے، جو سطحِ سمندر سے 800 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ بیتُ اللحم کے جنوب میں چند میل کی مسافت پر کوہِ سراۃ (کوہِ ساعیر) کے دامن میں وہ تاریخی مقام ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس غار سے متصل کونے میں ایک پتھر نصب ہے، جس میں ایک گول سوراخ ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس جگہ کھجور کا وہ درخت تھا، جس کے متعلق قرآنِ مجید میں ذکر ہے کہ '' اے مریمؑ! اسے ہلاؤ، تو کھجوریں گریں گی'' (نشاناتِ ارضِ قرآن ص 211)۔

مِصر کی جانب ہجرت

حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریمؑ گود میں بات چیت کے بعد کلام کرنے سے رُک گئے تھے، پھر جب لڑکپن کو چُھونے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی زبان پر حکمت اور دانائی کی باتیں جاری کر دیں۔ جب آپؑ سات سال کے ہوئے، تو حضرت مریمؑ نے آپ علیہ السلام کو معلّم کے پاس درس گاہ میں بھیجنا شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی میں اللہ کی طرف سے الہام کردہ عجائبات کا نظارہ کرتے تھے۔

یہ بات یہودیوں میں پھیل گئی، تو اُنہوں نے آپ علیہ السلام کے خلاف منصوبے بنانے شروع کر دیئے، حالاں کہ آپ علیہ السلام کے خاندان کے لوگ آپ علیہ السلام کی اور حضرت مریمؑ کی بہت عزّت کرتے تھے۔ یہود نے آپ علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق طرح طرح کے اعتراضات شروع کر دیئے۔

یہ وہ وقت تھا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے، لیکن یہود اپنی سابقہ روایات اور عاداتِ خبیثہ کے باعث حضرت زکریا علیہ السلام کی نافرمانی اور اُن کی تکذیب کرتے تھے۔ اُن لوگوں نے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر مشرکانہ طور طریقے اختیار کر لیے تھے، یہاں تک کہ اپنی خواہشات کے مطابق تورات میں بھی بہت زیادہ ردّوبدل کر لیا تھا۔

اُن کے عقائد و اعمال دن بدن بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ جب بیتُ المقدِس کے حالات خراب ہونے لگے، تو حضرت مریمؑ آپ علیہ السلام کو لے کر اپنے عزیزوں کے پاس مِصر چلی گئیں۔ تیرہ سال بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مِصر سے واپس ہوئیں۔ پھر اللہ نے آپ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی اور تورات کی تعلیم دی۔ اس کے علاوہ، مُردوں کو زندہ کرنا، کوڑھیوں کو صحیح کرنا اور دُوسرے معجزات سے نوازا۔

معجزات، انعامات اور فضیلتیں

﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۞﴾

(سورۃ آل عمران:49-50)

"اور اسے بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجے گا (جو لوگوں سے یہ کہے گا) کہ: میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں وہ سب بتا دیتا ہوں۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لیے (کافی) نشانی ہے۔ ۞ اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لیے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لیے حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ ۞"

اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر نبی کو اُس کے زمانے کے حالات و مشاہدات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اُن کی صداقت، افضلیت اور برتری نمایاں رہے۔ اسی طرح، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معجزے اور فضیلتیں عطا فرمائیں۔ سب سے پہلا معجزہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر والد کے پیدا ہونا تھا۔ آغوشِ مادر میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاکیزگی اور صداقت کی گواہی دی۔ مٹّی کا پرندہ بناتے، اُس پر پھونک مارتے، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا۔ پیدائشی نابینا کی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے، تو اُس کی بینائی ایسے آجاتی، جیسے کبھی نابینا نہ ہوا ہو۔ برص، جذام اور کوڑھ کے مریضوں کو اللہ کے حکم سے صحت یاب کرتے۔ مُردوں کو زندہ کر دیتے۔ لوگ جو کچھ گھروں سے کھا کر آتے اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے، اُس کی تفصیل بتا دیتے۔ اللہ نے یہود و نصاریٰ کی پھانسی سے بچا کر زندہ سلامت آسمانوں پر اُٹھا لیا۔

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَاللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞﴾(سورۃ آل عمران:55-54)

"اور ان کافروں نے (عیسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔۞(اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ: اے عیسیٰ میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا، اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کر دوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔۞"

آپ علیہ السلام قیامت کے قریب دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے اور لوگوں سے کلام کریں گے، جس کا اشارہ سورۂ آلِ عمران میں ہے کہ "ماں کی گود میں بھی اور اُدھیڑ عُمر میں بھی کلام کریں گے۔"

﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾(سورۃ آل عمران:46)

"اور جب کہ وہ ماں کی گود میں ہو گا تو لوگوں سے باتیں کرے گا اور جبکہ وہ ادھیڑ عمر کا ہو گا اور نیکوں میں سے ہو گا۔"

جب آپ علیہ السلام کو دُنیا میں دوبارہ بھیجا جائے گا، تو آپ علیہ السلام اُمّتِ محمّدیہ ﷺ کی قیادت کے لیے بہ حیثیت خلیفۃ الرسول ﷺ اور اُمتی کے تشریف لائیں گے۔ آپ علیہ السلام مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ دجّال اور خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ ڈالیں گے۔ زمین میں اَمن و برکت ہو گی اور دُنیا میں صرف اسلام رہ جائے گا۔

رفع الی السماء و نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام

مسیحی عقیدہ کے مطابق مسیح علیہ السلام کو، جنہیں یسوع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہود کے اصرار پر رومی حکمرانوں نے صلیب پر کھینچوا کر قتل کر دیا تھا۔ رومی گورنر پیلاطوس کے سامنے جب مسیح علیہ السلام کو بطور باغی پیش کیا گیا تو اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسیح کو کسی طور چھوڑ دیا جائے۔ لیکن یہود ان کو قرار واقعی سزا دلوانے پر مصر رہے۔ آخر پیلاطوس نے یہود کے اصرار پر مسیح کو صلیب پر سزائے موت دینے کے احکامات صادر کر دیے۔

جمعہ کے روز دن چڑھ آنے پر مسیح کو پہلے کوڑوں کی سزا دی گئی اور پھر مروجہ طریق کے مطابق انھیں اپنی صلیب خود ہی اٹھا کر شہر کی فصیل سے باہر مقرر مقام تک لے جانا پڑی۔ اس راستہ کو دکھوں کا راستہ کہا جاتا ہے اور بعض مسیحی حضرت مسیح علیہ السلام کی یاد میں آج بھی اس راستہ پر صلیب اٹھا کر چلتے ہیں۔ گولگوتھا کے مقام پر پہنچ کر صبح تیسرے پہر (قریباً 9 بجے) مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ اس کے لیے ان کے دونوں ہاتھوں کی کلائیوں میں لوہے کے کیل ٹھونکے گئے جس کے بعد ان کے دونوں پاؤں بھی ایک ہی کیل کے ذریعہ صلیب سے ٹھونک دیے گئے۔ مصلوب کو اس طرح کئی کئی دن صلیب پر لٹکنا پڑتا تھا اور رفتہ رفتہ کمزوری اور خون بہنے کے باعث سسکتے رہتے تھے۔ مسیح علیہ السلام کے ساتھ دو ڈاکو بھی صلیب دیے گئے۔ یہودی عقیدہ کی روشنی میں یہ ضروری تھا کہ سبت کے شروع ہونے سے پہلے پہلے مصلوب شخص کو صلیب سے اتار لیا جائے۔ ادھر چھٹے پہر سورج گرہن یا آندھی کی وجہ سے اندھیرا چھا گیا۔ ایسی صورت میں صلیبی موت کے عمل کو تیز کرنے کے لیے مصلوبین کی ٹانگوں کی ہڈیاں توڑ دی جاتی تھیں تاکہ وہ اپنا وزن نہ اٹھا سکیں اور اس طرح سارا وزن کلائیوں پر پڑنے کی باعث جلد ہی موت واقع ہو جائے۔ چنانچہ اناجیل کے بیان کے

مطابق اس روز بھی سبت کے شروع ہونے کے خوف سے مسیح اور ان کے ساتھ مصلیب دیے گئے دونوں مجرموں کی ٹانگیں توڑنے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن اس کام پر مامور رومی سپاہی نے باقی دونوں مجرموں کی تو ٹانگیں توڑ دیں جبکہ مسیح کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ اس قت وہ دونوں ڈاکو زندہ تھے۔ نویں پہر (قریباً 3 بجے بعد دوپہر)۔ مسیح نے صلیب پر دعا کی کہ خدا کی مرضی پوری ہو اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اسی لیے جب رومی سپاہی نے ان کی پسلی میں نیزہ بھونکا تو انھوں نے کوئی رد عمل نہ دکھایا۔

ازاں بعد آرمتیہ کے یوسف نے پیلاطوس سے مسیح کی لاش حاصل کر لی۔ مسیح علیہ السلام کو ان کے ساتھیوں نے ایک کمرہ نما قبر میں رکھا۔ جہاں وہ اتوار کو دوبارہ زندہ ہو گئے۔ چنانچہ اس کے بعد ایک عرصہ تک وہ مختلف جگہوں پر اپنے حواریوں کو نظر آتے رہے یہاں تک کہ آخر کار آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ اور اس وقت خدا کے پاس موجود ہیں۔

مسیح کی صلیب پر موت یہودی شریعت کے مطابق ایک لعنتی موت تھی۔ مسیحی عقیدہ کے مطابق بھی اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ مسیحی عقیدہ میں مسیح کی صلیب پر لعنتی موت بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے ضروری تھی۔ اس طرح گویا مسیح نے خود سخت تکلیف اٹھا کر اور موت کا جام پی کر تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا۔ ان کا یہ اقدام خدا تعالیٰ کی انسانوں سے بے پایاں محبت کا مظہر ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو انسانوں کی خاطر قربان کر دیا۔ چنانچہ مسیحیت کی مذہبی بنیاد میں مسیح کا ابن اللہ ہونا، ان کی صلیب پر موت اور پھر مردوں میں سے دوبارہ جی اٹھنے کی کلیدی حیثیت ہے۔

اسلامی عقائد کے مطابق:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حیات ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں یہودیوں سے محفوظ کر کے یقینی طور پر اپنے پاس اٹھالیا، اور آخر زمانے میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحفاظت آسمانوں پر اٹھایا جانا اور ان کی حیات اور دوبارہ دنیا میں آنا قرآنِ مجید اور صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا (157) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (158) وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (159)﴾ (سورة النساء : 157-159)

"اور ان کے یہ کہنے پر کہ ہم نے مریم کے بیٹے مسیح عیسیٰ کو قتل کیا جو اللہ کا رسول تھا حالانکہ انہوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا، اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس بھی اس معاملہ میں کوئی یقین نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے، انہوں نے یقیناً مسیح کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہو گا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے گا، اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہو گا۔"

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ "معارف القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:

"سورہ آل عمران کی آیت ﴿يعيسى اني متوفيك ورافعك إلي...﴾ الآیۃ [۳:۵۵] میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دشمن یہود کے عزائم کو ناکام بنانے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی دسترس سے بچانے کے سلسلہ میں پانچ وعدے فرمائے تھے جن کی تفصیل اور مکمل تشریح و تفسیر سورۃ

آل عمران کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے، ان وعدوں میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ یہود کو آپ کے قتل پر قدرت نہیں دی جائے گی، بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھالیں گے، اس آیت میں یہود کی شرارتوں اور جھوٹے دعوؤں کے بیان میں اس وعدۂ الٰہیہ کی تکمیل اور یہود کے مغالطہ کا مفصل بیان اور یہود کے اس قول کی مکمل تردید ہے کہ انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا ہے۔ ان آیات میں واضح کیا گیا کہ ﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ﴾ یعنی ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورتِ حال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا؟ : ﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں امام تفسیر حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح (علیہ السلام) کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت مسیح (علیہ السلام) بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کے لیے تیار کھڑا تھا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا پتا دیا اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے حوارئین سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لیے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو؟ ان میں سے ایک آدمی نے اس غرض کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا، اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اٹھا لیا گیا۔ (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلانوس کو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ تو مکان میں نہ ملے، اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا تھا اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا، یہود یہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ ہے اور انہوں نے اپنے ہی آدمی کو لے جا کر قتل کر دیا۔ (مظہری)

ان میں سے جو بھی صورتِ حال پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے، قرآنِ کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا، اس لیے حقیقتِ حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآنِ کریم کے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدرِ مشترک ضرور نکلتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا اور اپنے اپنے گمان و قیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کیے اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے، اسی حقیت کی طرف قرآنِ کریم کے ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًا﴾ (سورۃ النساء:157)

کہ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے، جن جن لوگوں نے حضرت مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کیے ہیں، یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں ہیں، صحیح صورتِ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح (علیہ السلام) کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبیہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا ہے؛ اس لیے کہ یہ مقتول چہرے میں تو حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں اور یہ کہ اگر یہ مقتول مسیح (علیہ السلام) ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح (علیہ السلام) کہاں ہیں؟

﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ اللہ جل شانہ زبردست قدرت و غلبہ والا ہے، یہود لاکھ دفعہ قتل کے منصوبے بناتے، لیکن جب اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا ذمہ لیا تو اس کی قدرت و غلبہ کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے، وہ قدرت والا ہے، صرف مادہ کے پرستار انسان اگر رفعِ عیسیٰ (علیہ السلام) کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تو یہ ان کی اپنی کم زوری ہے، وہ حکمت والا ہے، اس کا ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

آخر میں اسی مضمون کے تتمہ کے لیے فرمایا کہ﴿وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ یہ لوگ اس وقت اگرچہ بغض و حسد کی وجہ سے حقیقت کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق باطل خیالات رکھتے ہیں، نیز حضرت محمد مصطفے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا بھی انکار کر رہے ہیں، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب کہ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جو کچھ ہمارا خیال تھا وہ سب باطل تھا۔

اس آیت کی ایک تفسیر تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں گزری ہے کہ "موتہ" کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع کی جائے اور آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ یہ یہود اپنی موت سے چند لمحے پیش تر جب عالمِ برزخ کو دیکھیں گے تو عیسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے، اگرچہ اس وقت کا ایمان ان کے حق میں نافع نہیں ہو گا، جس طرح کہ فرعون کو اس کے اس ایمان نے فائدہ نہیں دیا تھا جو وہ غرق ہونے کے وقت لایا تھا۔

دوسری تفسیر جس کو صحابہ تابعین کی بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے اور حدیثِ صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یہ ہے کہ "موتہ" کی ضمیر حضرت مسیح (علیہ السلام) کی طرف راجع ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب اگرچہ اس وقت عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہیں لاتے، یہود تو انہیں نبی ہی تسلیم نہیں کرتے، بلکہ انہیں العیاذ باللہ مفتری اور کاذب قرار دیتے ہیں اور نصاریٰ اگرچہ ان پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر بعض تو ان میں اپنی جہالت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ یہود ہی کی طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے مقتول اور مصلوب ہونے کے قائل ہو گئے اور بعض اعتقاد کے غلو میں اس حد تک آگے نکل گئے کہ انہیں خدا اور خدا کا بیٹا سمجھ لیا، قرآنِ کریم کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت پر صحیح ایمان نہیں رکھتے، لیکن جب وہ قیامت کے قریب اس زمین پر پھر نازل ہوں گے تو یہ سب اہلِ کتاب ان پر صحیح ایمان لے آئیں گے، نصاریٰ تو سب کے سب صحیح اعتقاد کے ساتھ مسلمان ہو جائیں گے، یہود میں جو مخالفت کریں گے قتل کر دیے جائیں گے، باقی مسلمان ہو جائیں گے، اس وقت کفر اپنی تمام قسموں کے ساتھ دنیا سے فنا کر دیا جائے گا اور اس زمین پر صرف اسلام ہی کی حکم رانی ہو گی۔

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے ایک روایت منقول ہے:

"آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم ایک عادل حکم ران بن کر ضرور نازل ہوں گے، وہ دجال اور خنزیز کو قتل کر دیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور اس وقت عبادت صرف پروردگار عالم کی ہو گی۔

اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو قرآنِ کریم کی یہ آیت بھی پڑھ لو جس میں اسی حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا آپ نے فرمایا: عیسیٰ (علیہ السلام) کی موت سے پہلے اور تین بار ان الفاظ کو دہرایا۔"

آیتِ مذکورہ کی یہ تفسیر ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بروایتِ صحیحہ ثابت ہے، جس میں "قبل موتِہ" سے مراد "قبل موت عیسیٰ" (علیہ السلام) قرار دیا ہے جس نے آیت کا مفہوم واضح طور پر متعین کر دیا کہ یہ آیت قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نازل ہونے کے متعلق ہے۔

اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت ناطق ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی وفات ابھی نہیں ہوئی، بلکہ قیامت کے قریب جب وہ آسمان سے نازل ہوں گے اور ان کے نزول سے اللہ جل شانہ کی جو حکمتیں وابستہ ہیں وہ حکمتیں پوری ہو جائیں گی، تب اس زمین پر ہی ان کی وفات ہو گی۔

اس کی تائید سورۂ زخرف کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿وانه لعلم للساعة فلاتمترن بها واتبعون﴾ (۶۱:۴۳)

یعنی "عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہیں، پس تم قیامت کے آنے میں شک مت کرو اور میرا کہا مانو"۔

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں پر لکھا ہے کہ "اِنّہ" کی ضمیر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف راجع ہے، اور معنی یہ ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) قیامت کی ایک علامت ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کے نزول کی خبر دی گئی ہے کہ وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور ان کا آنا قیامت کی علامات میں سے ہو گا۔

اس آیت میں ایک دوسری قراءت "عَلَم" بھی منقول ہے اس سے یہ معنی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ "عَلَم" بفتح اللام کے معنی علامت کے ہیں، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر بھی اسی کی موید ہے:

"عن ابن عباس (رضي الله عنهما) في قوله تعالى: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ قال: خروج عيسىٰ (عليه السلام) قبل يوم القيامة"

حضرت ابن عباس سے ﴿وانہ لعلم للساعۃ﴾ کے بارے میں منقول ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مراد ہیں جو قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔ (ابن کثیر)

خلاصہ یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ "قبل موتِہ" کے ساتھ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ صحیح کے ساتھ تفسیر کو شامل کیا جائے تو اس سے واضح طور پر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا زندہ ہونا اور پھر قربِ قیامت میں نازل ہو کر یہود پر مکمل غلبہ پانا ثابت ہو جاتا ہے، اسی طرح آیت ﴿وانه لعلم للساعة﴾ سے بھی حسبِ تفسیر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما یہ مضمون یقینی ہو جاتا ہے۔

امام تفسیر ابن کثیر نے آیت ﴿ وانه لعلم للساعة﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے:

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں کہ آپ نے قیامت سے پہلے عیسیٰ (علیہ السلام) کے دنیا میں نازل ہونے کی خبر دی ہے۔"

ان روایاتِ متواترہ کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع فرمایا، جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے، اس مجموعے کو بزبانِ عربی مرتب کیا گیا، حضرت نے اس کا نام "التصریح بما تواتر في نزول المسیح" تجویز فرمایا، جو اسی زمانے میں شائع ہو چکا تھا، حال میں حلب شام کے ایک بڑے عالم علامہ عبدالفتاح ابو غدہ نے مزید شرح و حواشی کا اضافہ کر کے بیروت میں اعلیٰ کتابت کے ساتھ شائع کرایا ہے۔

آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے نزول کا عقیدہ قطعی اور اجماعی ہے، جس کا منکر کافر ہے:

یہ مضمون آیاتِ مذکورہ سے بھی واضح ہو چکا ہے اور اس کی پوری تفصیل سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ اس میں ان شبہات کا بھی جواب مذکور ہے جو اس زمانے کے بعض ملحدین کی طرف سے اس عقیدہ کو مشکوک بنانے کے لیے پیش کیے گئے ہیں" .واللہ ولي الھدایۃ !"(معارف القرآن، سورہ نساء، آیت نمبر:157 تا159)

مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

1 -علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ " عقیدۃ الإسلام في حیاۃ عیسی علیہ السلام."

2 -علامہ سیوطی کا رسالہ " : کتاب الإعلام بحکم عیسی علیہ السلام."

3 -حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحب کی کتاب "حیات عیسیٰ علیہ السلام".(ادارہ اسلامیات)

حواری کون تھے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی گھر تھا اور نہ ہی بیوی بچّے۔ آپ علیہ السلام شہر شہر، قریہ قریہ دینِ حق کی تبلیغ فرماتے اور لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے۔ حسبِ ضرورت اپنے معجزات سے اُن کی مدد بھی فرماتے، لیکن ان سب کے باوجود یہودیوں کی اکثریت آپ علیہ السلام کو اذیّت دینے اور تکذیب کرنے سے باز نہ آتی۔ دراصل، بنی اسرائیل آپ علیہ السلام کی نبوّت کے منکر رہے۔ البتہ اُن میں سے کچھ لوگ ایسے ضرور تھے، جو آپ علیہ السلام کے پیروکار اور ہم درد و غم خوار تھے۔ وہ آپ علیہ السلام کے ساتھ دین کے کام میں مشغول رہتے۔ قرآنِ کریم نے اُنہیں "حواری" کے نام سے یاد کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (52)
رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:52-53)

"جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر معلوم کیا تو کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں، ہم اللہ پر یقین لائے، اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہونے والے ہیں۔ اے رب ہمارے! ہم اُس چیز پر ایمان لائے جو تو نے نازل کی اور ہم رسول کے تابعدار ہوئے سو تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے"۔

لفظ "حواری" حور سے ماخوذ ہے، جس کے لغوی معنیٰ "سفیدی" کے ہیں۔ اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں کو یہ لقب دیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو صحابی کے لقب سے نوازا گیا۔

مفسّرین نے بہت ہی قریبی حواریینّ کی تعداد بارہ بتلائی ہے۔ حواریّین، حواری کی جمع ہے اور اس کے معنیٰ "انصار"یعنی مددگار کے ہیں۔ جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "ہر نبی کا کوئی حواری یعنی مددگار ہوتا ہے، میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں"(صحیح بخاری، کتاب الجہاد)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہم نکات:

- **معجزات:** بچپن میں گہوارے میں کلام کرنا، اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا، اور مردوں کو زندہ کرنا آپ کے نمایاں معجزات ہیں۔

- **القابات :** آپ کو قرآن میں مسیح، کلمۃ اللہ، اور روح اللہ کے القابات سے یاد کیا گیا ہے۔
- **عقیدہ رفع ونزول :** اسلامی عقیدے کے مطابق، یہود نے آپ کو قتل کرنا چاہا لیکن اللہ نے آپ کو آسمان پر زندہ اٹھالیا اور آپ قیامت کے قریب دوبارہ زمین پر آئیں گے
- **دوبارہ آمد کا مقصد :** آپ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے، اسلام کی نشرو اشاعت کریں گے اور دنیا میں امن قائم کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے اور ان پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سن ایک عیسوی اور بعض روایات کے مطابق 4 قبل مسیح میں بیت اللحم میں بغیر باپ کے معجزانہ طور پر پیدا ہوئے۔ جس کا تفصیلی ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ مریم میں فرمایا ہے۔

بائبل کا تعارف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا۔ تاکہ انھیں ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جاسکے۔ اور اس مقصد کے لئے انھیں انجیل مقدس عطا کی گئی۔ لیکن یہ انجیل یہودیوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اور اس کے نسخوں کو تلاش کرکے جلا دیا گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے حواریوں اور شاگردوں نے محض اپنی معلومات کی روشنی میں مختلف نسخے مرتب کئے۔

اناجیل ابتدائی مسیحیت کی ایک خاص صنف کا نام ہے، جو یسوع مسیح کی زندگی بیان کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں یا خدا کی فطرت کے پہلوؤں کو ظاہر کرنے کا۔ اسلام میں انجیل سے جو مراد ہے، مسیحیت میں اس سے وہ مراد نہیں لیا جاتا۔ بلکہ انھیں معلوم اور بعض نامعلوم شاگردوں (حواریوں اور پیروکاروں) سے منسوب کیا جاتا ہے۔ عہد نامہ جدید میں موجود 4 انجیلوں کو، جنھیں اناجیل متوافقہ کہا جاتا ہے، صرف ان کو ہی مستند اناجیل مانا جاتا ہے اور صرف انھیں ہی حواریوں سے منسوب کیا جاتا ہے، لیکن بہت سے دیگر مسیحی موجود ہیں جو، ان دیگر اناجیل کو مستند مانتے ہیں، عام مسیحی دیگر اناجیل کو اپوکریفا کتب یا جھوٹی کتب کہتے ہیں اور ان کے ماننے والے مسیحیوں کو بدعتی اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔

اناجیلِ اربعہ (چار انجیلیں) مسیحی عہد نامہ جدید کی وہ چار کتب ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی، تعلیمات، وفات اور قیامت کا ذکر ہے۔ یہ متفقہ طور پر **انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا** اور **انجیل یوحنا** پر مشتمل ہیں۔ متی، مرقس اور لوقا کو متوافقہ اناجیل (Synoptic Gospels) کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا مواد ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔

اناجیلِ اربعہ کی تفصیل:

- **انجیل متی :** مسیح کو بادشاہ اور عہنامہ قدیم کی پیشگوئیوں کے پورا کرنے والے کے طور پر پیش کرتی ہے۔
- **انجیل مرقس :** سب سے مختصر انجیل، جو عیسیٰ علیہ السلام کو ایک متحرک خادم اور خدا کے بیٹے کے طور پر دکھاتی ہے۔
- **انجیل لوقا :** مسیح کی انسانیت اور عالمگیر نجات دہندہ کے پہلو کو اجاگر کرتی ہے۔
- **انجیل یوحنا :** دیگر تین سے مختلف، یہ یسوع کی الوہیت اور ان کے روحانی کلام پر زیادہ توجہ دیتی ہے۔

یہ چاروں اناجیل مسیحی عقیدے کی بنیاد ہیں۔

ان اناجیل کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

عہد نامہ قدیم(old testament) اور عہد نامہ جدید(New testament)

عہد نامہ قدیم (old testament):

موجودہ بائیبل کا پہلا حصہ جو کہ 39 کتابوں(Chapters) پر مشتمل ہے۔ اس میں پانچ ابواب یا کتابیں جو کہ خمسہ موسوی کہلاتی ہیں۔ اس کا تعلق تورات (Torah) سے ہے۔ ان کتابوں کو اپو کریقہ (Apocoypha) یعنی تخفیہ تحریریں کہتے ہیں۔ رومن کیتھولک کے ہاں یہی نسخہ مقبول ہے۔ جبکہ پروٹسٹنٹ (Protestent) مکتب فکر کے عیسائیوں کا مقبول نسخہ ساٹھ سے زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔

یہاں اس امر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عہد نامہ قدیم اگرچہ یہود اور عیسائی دونوں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے لیکن اس کی کتابوں کی تعداد میں بڑا واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہود کے ایک گروہ کے نزدیک خمسہ موسوی کے علاوہ اس میں صرف 34 کتابیں شامل ہیں جو کل 39 کتب ہوئیں۔

عہد نامہ قدیم کے تین حصے: عہد نامہ قدیم کو آسانی کے ساتھ ان تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ تورات۔

2۔انبیاء کی کتابیں(The Prophts nebak)

3۔ متفرق کتابیں۔

تورات مقدس

تقسیم تورات: تورات کو (The Law) یعنی شریعت اور قانون بھی کہتے ہیں۔ تورات میں مندرجہ ذیل پانچ کتابیں شامل ہیں:

① کتاب پیدائش(Genesis)

② کتاب خروج(Exodus)

③ کتاب احبار(Leviticos)

④ کتاب گنتی(Numbers)

⑤ کتاب استثناء(Deuteronomy)

بعض لوگوں نے یشوع کی کتابوں کو بھی تورات میں شامل کیا ہے، لیکن معروف ومقبول تقسیم کے دور سے یہی پانچ کتابیں ہی تورات کہلاتی ہیں۔

کتاب پیدائش:

تورات پانچ کتب پر مشتمل ہے۔ ان پانچ کتابوں میں پہلی کتاب پیدائش ہے جسے حضرامتکوبن اور انگلش میں " Genesis کہتے ہیں۔ قدیم ترین مسودات کی ورق گردانی کے بعد علماء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی قبل مسیح میں تحریری شکل میں آئی۔ یہ اس میں ابتدائی تاریخ، اسرائیلیوں کی روایات اور کہانیاں مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ تخلیق کائنات تخلیق آدم، انبیاء کے حالات کے ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام،

حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، ان کے بھائیوں کا قصہ اور ان کی مصر میں وفات تک تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

کتاب الخروج:

دوسری کتاب کا نام کتاب خروج یا سفر الخروج ("Exodus ") ہے۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی باہر نکلنے کے ہیں۔ اس سے مراد اجتماعی خروج ہے۔ اس کتاب کا نام اس کے مشتمل مضمون کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ اس میں درج ہے کہ بنی اسرائیل کس طرح مصر سے روانہ ہوئے اور اس کے بعد صحرائے سینا میں دشت نوردی کرتے رہے۔ اس کتاب میں صحرائے سینا میں شریعت کے عطا کئے جانے کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ پہلے اٹھارہ ابواب میں صحرائے سینا میں قانون موسوی کے عطاء کئے جانے اس میں یہود کے خدا یہوداہ کا ارتقائی ذکر بھی موجود ہے۔

کتاب الاخبار:

تیسری کتاب کا نام کتاب الاخبار یا سفر الادیون ہے۔ حضرت یعقوب کے ایک بیٹے کا نام لادی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق بھی بنو لاوی سے تھا۔ دینی کتب کا پڑھنا پڑھانا اور مذہبی فرائض کی ادائیگی انہی کے ذمہ تھی۔ یہ کتاب ان کے فقہی احکامات کا مجموعہ ہے۔ اس میں تاریخ کا بیان نہیں بلکہ قانون اور احکامات کی تشریح ہے۔ معاشرتی مسائل کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

گناہوں کے کفارے، کھانے پینے، صفائی، طہارت اور روزمرہ زندگی میں مختلف مواقع پر جن احکامات کو ملحوظ رکھنا چاہئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔ قربانی سے متعلق قوانین اور ضوابط کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔ چونکہ پوری کتاب میں پر ہی قوانین کو بیان کیا گیا ہے اس لئے اس مناسبت سے اس کا نام سترلادیون رکھا گیا۔

کتاب گنتی:

چوتھی کتاب گنتی یا سفر العدد ہے۔ جسے انگریزی میں "Numbers " کہتے ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے خاندان کے شجرہ ہائے نسب بیان کئے گئے ہیں۔ تاریخ اور حالات کا تذکرہ بھی ہے لیکن بنی اسرائیل کے اعداد و شمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس لئے اس کو سفر العدد کا نام دیا گیا ہے۔ تاریخی حالات کے ضمن میں اس موضوع پر تبصرے موجود ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے صحرائے سینا سے نکل کر اردن اور ماورائے اردن کا علاقہ فتح کیا۔

کتاب استثناء:

پانچویں کتاب استثناء یا سفر التشریفہ ہے۔ اس کا مفہوم ہے: کسی چیز کو دہرانا یا اس کا اعادہ کرتا۔"

اس کتاب میں دوسری اور تیسری کتاب کے قوانین کی دہرائی یا وضاحت موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ بھی دوبارہ بیان کئے گئے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خطبات بھی شامل ہیں۔ کتاب کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔ ان پانچوں کتب کو "Pentateuch" یعنی اسفار موسیٰ یا کتب خمسہ کہا جاتا ہے۔

انبیاء کی کتب

دو اقسام: یہ کتب انبیاء کی تاریخ اور ابتدائی تاریخی کتابوں پر مشتمل ہے۔ انہیں دو طرح تقسیم کیا گیا ہے۔

❶ انبیائے متقدمین کی کتب ❷ انبیائے متاخرین کی کتب۔

انبیائے متقدمین کی کتب: انبیاء متقدمین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

① کتاب یشوع ② کتاب قضاۃ ③ کتاب سموئیل اول ودوم ④ کتاب سلاطین اول ⑤ کتاب سلاطین ثانی

انبیائے متاخرین کی کتب: انبیاء متاخرین کی کتب میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

کتاب یسعیہ (یسعیاہ) کتاب یرمیاہ کتاب حزقیال کتاب ہوشیعہ (ہوسیع)۔ کتاب یوایل۔ کتاب عموس

کتاب عبدیاہ کتاب میکاہ نحوم کتاب حبقوق کتاب حجی۔ کتاب ہیہ کون۔ کتاب زکریاہ۔

کتاب ملاکی۔

متفرق کتابیں

متفرق کتب کی اقسام: متفرق کتب کی دو اقسام ہیں:

❶ عظیم کتب (مقدس صحائف): ❷ پانچ مجلات

عظیم کتب کی تقسیم:

عظیم کتب میں تین کتابیں شامل ہیں:

❶ زبور ❷ امثال ❸ ایوب مزامیر (Proverbs Psalms)

مجلات کی تقسیم:

پانچ مجلات اس میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں:

❶ غزل الغزلات (Song of Songs) ❷ روت ❸ ہرمیہ کو نوحہ ❹ الجماعۃ ❺ آستر (Esther)

کتب:

❶ دانیال، ❷ لحمیاہ ❸ تواریخ الاول ❺ تورایخ الثانی

عیسائیت اور بائبل کے تضادات

حضرت مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور انہوں نے کبھی غیر اسرائیلیوں کو تبلیغ نہیں کی بلکہ ایک کنعانی عورت ان کی خدمت میں استفادہ کرنے کے لیے آئی تو وہ خاموش ہو گئے اور بہت اصرار کے بعد گویا ہوئے :

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے لیے نہیں بھیجا گیا" (متی ۱۵:۲۴-۲۶)

مزید یہ کہ حضرت مسیح نے جب اپنے حواریوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو انہیں اس بات کا پابند کیا کہ "غیر قوموں کی طرف نہ جانا"۔ (متی ۱۰:۶)

”عیسائیت کا پس منظر (مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ)“ کا بڑا حصہ حضرت مسیح کے حواریوں کے کردار اور حضرات صحابہ کرامؓ کے خصائص کے موازنہ پر مشتمل ہے۔ بائبل حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھیوں اور حواریوں کی جو تصویر دکھاتی ہے۔ اس کے مطابق :

۱۔ (حواری ایمان و عمل دونوں میں کمزور تھے اور روزے تک نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی والدہ اور بھائی (مسیحی نقطہ نظر کے مطابق) خداوند کی مرضی پر چلنے والے نہیں تھے۔

۳۔ پطرس حواری کو انہوں نے اپنے لیے ٹھوکر کا باعث قرار دیا کیوں کہ وہ خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا دھیان رکھتا تھا۔ (متی ۱۷:۲۳؛ مرقس ۸:۳۳)

۴۔ مسیح علیہ السلام کے ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی نے انہیں پکڑوانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ (متی ۲۶:۱۴۔۵۰؛ مرقس ۱۴:۴۴۔۴۵؛ لوقا ۲۲:۴۷۔۴۸)

اس کے برعکس صحابہ میں رسول اللہ ﷺ کی جاں نثاری کا جو فقید المثال جذبہ موجود تھا، اس کی مثال میں مولانا نے تاریخ اسلام کے اس درخشندہ دور سے سولہ واقعات) ۱۱ (پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے رضائے الٰہی کے لیے استقامت علی الدین اور آپ کی ذات گرامی کے لیے وہ قربانی اور ایسا ایثار کیا ہے جس کی نظیر دیگر انبیا اور بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں حتیٰ کہ بارہ قریبی حواریوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے جن برگزیدہ شخصیات کو لوگوں کے رشد و ہدایت اور اصلاح و تزکیہ کے لیے انتخاب فرمایا، انھیں رذائل اور آلایشوں سے بھی محفوظ رکھا، لیکن جب بائبل کا مطالعہ کرتے ہوئے انبیاے کرام کے بارے میں گندی اور فحش باتیں اور مکروہ و دل آزار افعال اور ایسے برے اور قبیح اعمال نظر آتے ہیں تو ان کو پڑھ کر حیا کے مارے آنکھیں زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں بجا طور پر ان واقعات کو رنگین مزاج مصنفین بائبل کی رنگ رلیوں اور عیش کوشیوں کا ثمرہ قرار دیا ہے۔ ان کا یہ موقف جدید تحقیقات کی روشنی میں حق پر مبنی ہے کہ ان خواہش کے اندھوں نے انبیاے کرام علیہم السلام اور ان کی نیک اولاد کی طرف بہت سی بے سروپا باتیں تحریر کر کے اپنے لیے تکمیل خواہش کا چور دروازہ تیار کر لیا ہے تاکہ ان پر کسی کو اعتراض کرنے کی جرات اور ہمت نہ ہو اور وہ دنیا کی ہر عورت سے جائز و ناجائز مباشرت کر کے آتش خواہش بجھاتے رہیں۔ بائبل کو جو شخص اس قسم کے مضمون سے پر دیکھتا ہے، تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ ہرگز ہرگز خدا کا کلام نہیں ہے۔ پھر اندرونی اور بیرونی قرائن و شواہد اس بات کو اہم ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

اس ضمن میں مولانا صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل دلائل و براہین پر مفصل گفتگو کی ہے :

۱۔ قرآن کی طرح تورات کی باقاعدہ تلاوت و حفظ کا کوئی حکم یا رواج نہیں تھا۔

۲۔ حضرت موسی علیہ السلام نے تورات کا صرف ایک ہی نسخہ تیار کرایا تھا۔ (استثناء ۳۱:۲۴۔۲۶)

۳۔ تورات صرف ساتویں سال کے بعد پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔ (استثناء ۲۱:۹۔۱۲)

۴۔ جو نگران اور محافظ تورات کی حفاظت پر مامور تھے، خود بائبل ان کی اخلاقی پستی کا رونا روتی ہے۔ (یرمیاہ ۲۳: ۱۰۔ ۱۱)

۵۔ بنی اسرائیل اپنی دینی غفلت، بدکاری اور بت پرستی کی وجہ سے تورات کی عبارت سمجھنے سے قاصر تھے۔ (عزرا ۱۱۱: ۷)

۶۔ حضرت یرمیاہ نے صرف صاف الفاظ میں بنی اسرائیل سے اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ

”تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔“ (یرمیاہ ۲۲: ۳۶)

۷۔ تغافل شعاری کی وجہ سے معدوم ہو جانے والے قدیم صحف و کتب کو سینکڑوں سالوں بعد تنہا عزرا نے از سر نو محض حافظہ کی بنیاد پر تحریر کیا۔

۸۔ تورات پر فاتح حکمرانوں کی جانب سے پابندی رہی۔

۹۔یہود نے بعض کتب کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا۔

عہد نامہ جدید کی تاریخ اور تحریف کے متعلق بھی انہوں نے ٹھوس اور صریح حوالہ جات کے ذریعہ اہم باتیں لکھی ہیں:

۱۔ ابتدائی ڈیڑھ سو سال میں اناجیل کو کوئی مستند حیثیت حاصل نہ تھی۔

۲۔ اناجیل کے قدیم نسخوں میں اختلاف عبارت میں زیادہ ہے۔

۳۔ڈاکٹر مل نے عہد جدید کے نسخوں کا تقابل کرنے کے بعد تیس ہزار اختلاف نکالے۔ اسی طرح گریسباخ نے ڈیڑھ لاکھ اختلاف عبارات کی نشاندہی کی ہے۔

۴۔ مصنفوں کے اصل نوشتے موجود نہیں ہیں۔

۵۔ محققین بائبل کے لیے اصلی یا خالص عبارت کو دروغ آمیز عبارت سے تمیز کرنا مشکل ہے۔

۶۔ مسیحیوں نے اپنی مقدس کتب میں دیدہ دانستہ فریب کارانہ انداز سے ردوبدل کیا ہے۔

۷۔ یہیں پر بس نہیں، بہت سارے فریب کاروں نے انجیل کے نام پر خود کتابیں لکھ ماریں۔

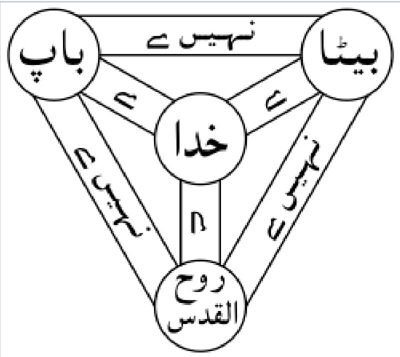
ان نکات پر تفصیلی گفتگو کے بعد مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ استفہامیہ صورت میں جو نتیجہ پیش کر رہے ہیں، وہ مسیحیت پر سخت چوٹ اور کاری ضرب سے کم نہیں ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

”اس انجیل مقدس اور کتاب مقدس پر جن مسائل کی بنیاد رکھی جائے گی وہ کہاں تک صحیح ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی صحت کو کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ اور ان کو مدارِ نجات کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے؟ عام اس سے کہ وہ مسئلہ تثلیث ہو یا مسئلہ ابنیت مسیح علیہ السلام یا کفارہ ہو؟ کسی مسئلہ کو بھی ہر گز صحیح نہیں کہا اور یقین کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ جن کتابوں میں یہ مسائل مندرج ہیں، وہ خدائی اور الہامی ہیں ہی نہیں بلکہ جعلسازوں اور فریب کاروں کی مکاری کا پلندہ ہیں۔“(۱۳)

غرض اس کتاب میں مختصر طور پر اسلام اور نبی پاک ﷺ کی خصوصیات، حواریوں اور صحابہ کے ایمان و کردار کا تقابل، توہین انبیاء، عہد نامہ قدیم وجدید میں تحریف، تثلیث، ابنیت مسیح اور مسئلہ کفارہ پر شاندار اور مدلل انداز سے بحث موجود ہے اور مولانا صفدرؒ نے مسیحیت کے بنیادی عقائد کا نقلی و عقلی دلائل سے خوب جائزہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی درجنوں مسائل کھل کر سامنے آگئے ہیں اور پادریوں کی بعض فرسودہ اور بے جا تاویلات کی حقیقت طشت از بام کر کے رکھ دی گئی ہے۔ (مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی کتاب "عیسائیت کا پس منظر)

عقیدہ تثلیث(Trinity)

عقیدہ تثلیث مسیحیت کا بنیادی نظریہ ہے، جس کے مطابق خدا ایک ہے لیکن وہ تین اقانیم (Persons/Personalities) یعنی باپ (خدا)، بیٹا (عیسیٰ مسیح) اور روح القدس پر مشتمل ہے۔ یہ تینوں الگ الگ شخصیات ہونے کے باوجود جوہر، فطرت اور طاقت میں ایک ہیں۔ اسے "ایک میں تین" یا "تین میں ایک" کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔



ایک گراف جو مسیحیوں کا بیان کردہ تثلیث ظاہر کرتا ہے

عقیدہ تثلیث کی تفصیل:

- بنیادی اجزاء: باپ، بیٹا اور روح القدس۔
- تصور: یہ عقیدہ کہ یہ تینوں ابدی، غیر تخلیق شدہ اور برابر ہیں۔
- بائبل میں ذکر: لفظ "تثلیث" بائبل میں موجود نہیں ہے، مگر مسیحی علما بائبل کی مختلف آیات (جیسے یسوع کے بپتسمہ کا واقعہ) سے اس کی دلیل دیتے ہیں۔
- اسلامی نقطہ نظر: اسلام میں یہ عقیدہ شرک قرار دیا گیا ہے، کیونکہ قرآن کے مطابق اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی بیٹا یا شریک نہیں۔

مترادفات:(Synonyms/Related Terms)

- مقدس تثلیث(The Holy Trinity)
- تین اقانیم
- عقیدہ توحیدِ تثلیثی (تین میں ایک)

مثالیں/استعمال:(Usage Examples)

- بپتسمہ": باپ، بیٹا اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دینا"۔
- عبادت: مسیحی عبادت میں باپ، بیٹا اور روح القدس کو یکساں خدا مانا جاتا ہے۔

مسیحیت کے مطابق، یہ عقیدہ انسانی ذہن کی گرفت سے بالاتر ایک "الٰہی بھید (Mystery) "ہے۔

نصاریٰ توحید کا دم تو بھرتے ہیں لیکن خداوند قدوس کا اظہار تین شکلوں میں مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو ایسا کہنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقَاهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (سورۃ النساء:171)

"اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور حق بات کے علاوہ اللہ کی شان میں کچھ نہ کہو، بے شک مریم کا بیٹا مسیح عیسیٰ اللہ کا رسول ہے اور اللہ کا ایک کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر، اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں، اس بات کو چھوڑ دو تو تمہارے لیے بہتر ہو گا، بے شک اللہ اکیلا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے اس کی اولاد ہو، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کارساز کافی ہے۔"

نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا بھی مانا ہے اور بعض خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو خدا کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو ایسا کہنے سے منع کیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق .... سبحانہ ان یکون لہ ولد" جس طرح سے یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کہنے سے منع کیا اسی طرح سے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کہنے سے منع کیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (30) اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (31)﴾ (سورۃ التوبہ:30-31)

"اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کی منہ کی باتیں ہیں، وہ کافروں کی سی باتیں بنانے لگے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا ہے اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی، حالانکہ انہیں حکم یہی ہوا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔"

یہاں ہم اسلام اور یہودی مذہب میں توحید وغیرہ کے عقیدے کو زیر بحث نہیں لا رہے ہیں بلکہ عیسائی مذہب میں ان کے زعم کے مطابق ان کا عقیدۂ توحید جس کا اظہار وہ تثلیث کی شکل میں کرتے ہیں اس کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عیسائیت کا خدا تعالیٰ کے متعلق خود عیسائی مذہب کی امہات الکتب کی روشنی میں عقیدۂ توحید ہی تھا اور یہ کہ عقیدۂ تثلیث محض انسانی عقل و دماغ کی تخلیق ہے جو نصاریٰ کے لاکھ دعوے کے باوجود کہ وہ توحید کی طرف مرکوز ہے اور ایک ہی خدا کی عبادت کی تعلیم دیتی ہے غلط ہے۔ بلکہ ان کی توحید کی تثلیث نما شکل یہ اظہار توحید کے بجائے شرک کی دعوت دیتی ہے جیسا کہ عملاً ہو بھی رہا ہے۔ مندرجہ ذیل بیان سے انشاء اللہ ثابت ہو جائے گا کہ عیسائیت میں توحید و تثلیث کی کشمکش کی تاریخ کتنے خونی مراحل سے گذری ہے اور کس طرح اہل تثلیث اہل توحید پر غالب آ گئے اور یہ کہ موجودہ زمانے میں یہ کشمکش کس منزل سے گذر رہی ہے۔ پس بیان شروع کرنے سے قبل یہ بتانا زیادہ مناسب ہے کہ نصاریٰ کے مطابق آخر تثلیث ہے کیا۔

تثلیث Trinity :

خدا ایک وقت ایک اکائی جوہر بھی ہے اور اسی آن اپنی ذات یا وجود میں تین مختلف اقانیم بھی رکھتا ہے، بہت سادہ الفاظ میں یہ ایک تین میں اور تین ایک میں کا عقیدہ ہے۔(One in three and three in one)

روایتاً نصاریٰ کے عقیدے کے مطابق ایک تین اقانیم مندرجہ ذیل ہے:

خدا-باپ خدا-بیٹا خدا-روح القدس

نصاریٰ کے عقیدہ کے مطابق جو خدا اپنے آپ کو صرف توحید کی شکل میں ظاہر کرتا رہا (کائنات کی ابتداء سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں پیدا ہونے سے قبل تک) اسی خدا نے اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کے بعد تین شکلوں (باپ، بیٹا، روح القدس) میں ظاہر کیا۔ نصاریٰ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ یہ تینوں اقانیم الٰہی عنصر سے بھرپور ہیں (All three are Divine) اور یہ کہ تینوں کا جوہر ایک ہے (All three are of the same substance) اور اس کے باوجود کہ یہ تینوں برابری کے ساتھ عبادت کے مستحق ہیں (Three worship equally) تینوں الگ خدا، یا دیوتا نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔

اب ہم سب سے پہلے یہودیت اور عیسائیت یعنی اہل کتاب کے یہاں متفق علیہ مقدس کتاب (اہل اسلام کے نزدیک محرف) بائبل میں ہی سب سے پہلے اس عقیدے کو تلاش کرنا چاہتے ہیں بائبل کے بڑے اور پہلے حصہ یعنی عہد نامہ قدیم میں کتاب تخلیق (Genesis) سے لے کر کتاب ملاکی (Malachi) تک ایک جگہ بھی عقیدہ تثلیث کا کوئی نام ونشان تک نہیں ملتا اور ویسے بھی یہود اپنے آپ کو ہمیشہ سے توحید کا علم بردار کہتے چلے آئے ہیں اور کیونکہ نصاریٰ یا کم سے کم عیسائیت کے اول دور کے نصاریٰ اور حوارین نسلاً یہود سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے یہ بات عقلاً اور قیاساً بھی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ بھی توحید ہی کے پرستار رہے ہونگے، اناجیل اربعہ کے مطالعے سے یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رفع الی السماء سے قبل کسی بھی ایک مقام پر توحید کے بجائے تثلیث کا اظہار کرتے ہوئے نظر نہیں آتے؛ بلکہ ہمیشہ توحید ہی کا اظہار کرتے ہیں اور اسی کی طرف بنی اسرائیل کو بلاتے ہیں۔ مثلاً انجیل متیؒ باب ۱۲ آیت ۲۹-۳۰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ اس طرح محفوظ ہیں:

"خدا تعالیٰ کے احکام میں سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل سنو! خداوند ہمارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے اور تم اپنے خداوند سے اپنے پورے دل اور اپنی پوری روح اور اپنی پوری جان اور دماغ سے پیار کرنا۔" اسی طرح انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۴۴ میں عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ اس طرح محفوظ ہیں: "عیسیٰ علیہ السلام نے زور سے چلا کر کہا کہ وہ شخص جو مجھ میں یقین رکھتا ہے وہ مجھ میں یقین نہیں رکھتا؛ بلکہ اس ذات میں یقین رکھتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے.... میں اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتا ہوں بلکہ اپنے آسمانی باپ (یعنی خدا کی طرف سے) بولتا ہوں جس نے مجھے بھیجا ہے۔" اسی انجیل یوحنا کے باب ۱۴ آیت ۲۹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: "باپ (خدا) میرے مقابلے میں بڑا ہے۔(Father is greater then me)

موجودہ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سب سے مشہور و معروف شخصیت سینٹ پال کی ہے (St. Paul) سینٹ پال جس کو نصاریٰ اپنے عقیدے تثلیث کا موجد یا علمبردار اول کہتے ہیں وہ بھی اپنے خطوط میں کہیں پر بھی واضح طور پر تثلیث کی دعوت نہیں دیتا؛ بلکہ کورنتھوں کے نام اپنے پہلے مکتوب میں یہ لکھتا ہے کہ (Three is name of three God but one) یعنی کوئی دوسرا خدا نہیں بلکہ صرف ایک ہی خدا ہے اور یہ کہ دوسروں کے لیے بہت سے آقا اور دیوی دیوتا ہو سکتے ہیں؛ لیکن ہمارے لئے صرف ایک خدا ہے (جو ہمارے لئے باپ کا درجہ رکھتا ہے) ساری مخلوق کا اسی سے صدور ہوتا ہے اور اسی کی طرف ہم سب کو جانا ہے" (سینٹ پال کا یہ آخری جملہ اس اسلامی عقیدے سے بہت کچھ مطابقت رکھتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کے پاس ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے، یعنی اناللہ وانّا الیہ راجعون) (البقرہ:۱۵۶)

افیسیوں کے نام خط میں سینٹ پال لکھتا ہے: One God and father of all who is over all and through all and in all. یعنی ایک خدا جو سب کا باپ ہے وہی سب کے اوپر ہے اور سب میں وہی دائر و سائر ہے۔ افیسیوں کے نام خط باب ۴ آیت ۶۔ اسی طرح ٹائم وتھی کے نام اپنے پہلے خط میں سینٹ پال لکھتا ہے: "کیونکہ خدا صرف ایک ہی ہے اور انسان اور خدا کے درمیان واسطہ بھی صرف ایک ہی ہے یعنی یہی مسیح جو بذات خود انسان ہے۔ (باب ۲ آیت ۴-۵)

مندرجہ بالا اقوالِ پال سے کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا کے علاوہ بھی اور خدا ہے یا عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں یا روح القدس بذات خود خدا ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان جملوں میں وہ صرف خدا اور بندوں کے درمیان ایک واسطہ قرار دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو ایک انسان یا بندہ مانتا ہے پس یہ ہے موقف توحید کے سلسلہ میں عیسائیت کے مسیح ثانی کا کہ صرف توحید ہی توحید کا وہ نام لیتا ہے تثلیث کا ذکر تک اس کی زبان پر نہیں آرہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد روح القدس کے نزول کے وقت (Perntecost) یعنی عید خمیس کے موقع پر سینٹ پیٹر نے مختلف مقامات سے آئے ہوئے بیت المقدس میں مجتمع یہودی زائرین کے سامنے جو تقریر کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر تم لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دیدی؛ لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو دوبارہ زندہ کر دیا اور موت کے دکھ درد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا۔ اور جو شخص بھی خدا کا نام لے گا وہ نجات پائے گا۔

سینٹ پیٹر کے الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو خدا تصور کئے گئے ہیں، نہ ہی خدا کا بیٹا اور نہ ہی روح القدس؛ بلکہ خدا کی ایک مخلوق یا بندہ جسے یہود نے قتل کر دیا تھا اور خدا تعالیٰ نے اسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ اسی طرح یہودی کونسل کے سامنے تقریر کرتے ہوئے سینٹ پیٹر نے فرمایا کہ ہمیں انسانوں کے بجائے خدا کی بات ماننی چاہئے، جو ہمارے باپ داداؤں کا خدا ہے اور جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر دیا، یعنی وہ مسیح جس کو تم نے اپنے زعم و ظن کے مطابق قتل کر دیا تھا۔ (رسولوں کے اعمال باب ۲ آیت ۱۳-۳۹)

یہاں پر بھی سینٹ پیٹر حضرت مسیح کو خدا کی خدائی میں شریک کرنے کے بجائے خدا کی ایک مخلوق اور ایک مظلوم انسان قرار دیتا ہے جسے خدا نے اپنے مخصوص معجزہ سے دوبارہ زندہ کر دیا۔

"موجودہ دور کے عیسائی اناجیل اربعہ میں سے انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ کو تثلیث کی بنیاد قرار دیتے ہیں جو الفاظ بقول متی کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رفع الیٰ السماء سے قبل بطور نصیحت کے اپنے حوارین سے کہے وہ الفاظ اس طرح سے ہیں: زمین و آسمان کا مکمل اختیار مجھے دیدیا گیا ہے اس لئے تم جاؤ اور تمام اقوام کو میرے شاگرد بناؤ اور ہر مقام پر لوگوں کو باپ بیٹے اور روح القدس (Father's and holy Spirit) کے نام پر بپتسمہ (Baptism) دلاؤ اور ان کو سکھلاؤ وہ سب کچھ جس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں اور تم مطمئن رہو اور بھروسہ رکھو میں ہمیشہ زمانے کے آخر تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔" (انجیل متی باب ۲۸ آیت ۱۸-۱۹-۲۰)

سینٹ پال کے عہد نامہ جدید میں شامل چودہ خطوط میں سے ایک خط یعنی کورنتھوں کی نام دوسرے خط میں سینٹ پال کے مندرجہ ذیل الفاظ کو بھی نصاریٰ تثلیث کی بنیاد قرار دیتے ہیں اس خط کے باب ۱۳ آیت ۱۴ میں سینٹ پال کہتا ہے کہ "ہمارے آقا عیسیٰ مسیح کا فضل اور خدا کا پیار اور روح القدس کی صحبت تم سب کے ساتھ ہمیشہ رہے۔"

نصاریٰ کی یہ دونوں کتابیں یعنی انجیل متی اور سینٹ پال کا کورنتھوں کے نام خط امہات الکتب میں شامل ہیں جن کی تقدیس ان کے یہاں مسلم ہے۔

اگر انجیل متی میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور کورنتھو کے نام منسوب سینٹ پال کے خط کے الفاظ کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان دونوں حضرات کے دوسرے اقوال اور ان اقوال میں واضح تضاد نظر آتا ہے اور کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجیل متی میں مذکور الفاظ مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کے وقت ہیں لہٰذا ان کی وہ حیثیت نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ کی ہے جو آپ اپنی اصلی دنیاوی زندگی میں اہل اسلام کے مطابق رفع الی السماء سے قبل اور نصاریٰ کے مطابق مصلوب ہونے سے قبل فرمایا ہے۔ جہاں تک سینٹ پال کے دعائیہ الفاظ کا تعلق ہے وہ بھی دعائیہ الفاظ ہی ہیں دعوے کی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ سینٹ پال کے ہی دوسرے الفاظ یہودی کونسل اور رومی حکام کے سامنے توحید سے بھرپور ہیں۔

عقیدہ تثلیث کے رائج ہونے (وجود میں آنے) کی اصل وجہ یا وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

نصاریٰ یا حوارین کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان پر جانے کے بعد جلد ہی واپس آئیں گے جیسا کہ اناجیل اور رسولوں کے اعمال (باب ا آیت ۱۱) میں مذکور عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے عقیدے سے ظاہر ہے اور انجیل متی کے باب ۲۸ کی آیت ۲۰ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں زمانہ کے اخیر تک تمہارے ساتھ رہوں گا اس لئے انھوں نے یا بعد میں آنے والے لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی خدا کے نام کے ساتھ جوڑ لیا کہ جیسے خدا تعالیٰ ہمیشہ انسانوں کے ساتھ رہتا ہے ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ (نصاریٰ) کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔

. " I am with you always until the end of time." - Lord Jesus Christ(Matthew 28:20)

رسولوں کے اعمال نامی کتاب کے پہلے باب میں اور دوسرے باب میں مذکور روح القدس کے نزول کے بعد عیسائی امت یا عیسائی کلیسا کا وجود ہوا (باب ا) میں مذکور روح القدس کے بیان سے یہ واضح ہے کہ روح القدس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حوارین سے بات کرنے کے لئے بطور

واسطے کے استعمال کیا ہے کیونکہ پہلے ہی مذکور متی کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ نصاریٰ کے ساتھ رہیں گے۔ تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ رہیں گے تو عیسائی امت کا رہبری کا ذریعہ بھی یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائی امت کے درمیان واسطہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا روح القدس کو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ساتھ خدا کے نام کے ساتھ شامل کر لیا گیا۔ یعنی نصاریٰ کی مدد یا رہبری ان کے زعم کے مطابق خدا۔ خدا، عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس کے ذریعہ ہو گی۔ اس لئے اقنوم ثلثہ بعد میں چل کر عقیدہ کی شکل اختیار کر گئے۔ حقیقت حال خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ (اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنا مصلوب یا قتل ہوئے آسمان پر اٹھالئے گئے تھے اور اب بھی آسمان میں زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے اور روح القدس عام اسلامی عقیدے کے مطابق کوئی اور نہیں بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہمیشہ من جانب اللہ مدد کرتے رہے، اور آج بھی خدا کے حکم سے کسی کی بھی مدد کر سکتے ہیں)

ایک دوسری وجہ عقیدہ تثلیث کے وجود میں آنے کی یہ بھی رہی ہے کہ سینٹ پال نے جب فلسطین کے باہر رومی سلطنت کے دل و جگر دینِ مسیحی کو مروج کرنا چاہا تو اس نے دیکھا کہ وہاں پر یونانی فلسفہ یعنی افلاطونیت غالب تھی اور دور دراز علاقے میں پھیلی رومی شہنشاہیت میں بہت سے علاقوں اور ملکوں میں سورج کے دیوتاؤں کا دور ان کی پرستش کا عام رواج تھا وہ دیوتا ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے تصور کئے جاتے تھے ان کا ایک باپ بھی تصور کیا جاتا تھا۔ رومی شہنشاہیت میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان تک اور مصر میں بھی تین خداؤں، باپ، ماں اور بیٹا وغیرہ کا عقیدہ بہت عام تھا مثلاً ہندوستان میں برہمہ، بشنو، شیو کا عقیدہ تھا۔ برہمہ کو خالق کائنات، وشنو کو مربی کائنات اور شیو کو مہلک کائنات تصور کیا جاتا تھا۔ مصر میں Horas, Isis, Osiris (باپ، ماں، بیٹا) کا عقیدہ مروج تھا۔

Altis نامی سورج دیوتا Nana نامی کنواری کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کا اکلوتا بیٹا اور نجات دہندہ تصور کیا جاتا تھا، چوبیس مارچ اس کی موت کا دن تصور کیا جاتا تھا اور مرنے کے بعد اس کا دوبارہ زندہ ہونا بھی تصور کیا جاتا تھا جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ واضح Dionysius کا عقیدہ ہے وہ جوپیٹر کا اکلوتا بیٹا کہلاتا ہے اس کے حکم سے ڈائنس کی پیدائش Demeter نامی کنواری کے بطن سے پچیس دسمبر کو ہونا بتاتی ہے اور جسے الفا اور ومیگا کہا جاتا ہے اس کے متعلق تمام تہواروں میں شراب ایک اہم مشروب مانی جاتی ہے اس کا قتل انسانوں کی نجات کے لئے تصور کیا جاتا ہے۔ اور قتل کے بعد اس کا دوزخ جانا اور پھر دوبارہ زندہ ہونا بھی یقین کیا جاتا ہے یعنی اس کے متعلق تثلیث یہ ہے: ❶ جوپیٹر Jupiter ❷ Dionysius ❸ Demeter یعنی باپ، ماں اور بیٹا۔

اس طرح یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ مسیحیت مغربی ایشیا کو چک کے ساتھ ساتھ جنوبی یوروپ اور شمالی افریقہ کی قبل از تاریخ مذہبی اور سماجی زندگی سے متاثر ہوئی ہے لیکن حضرت مسیح علیہ السلام توحید خالص کے علمبردار کی حیثیت سے اور قاطع بدعات کی شکل میں نمودار ہوئے اس لیے نصاریٰ کے شعوری اور غیر شعوری طور پر شرک و بدعات سے متاثر ہونے کے باوجود ایک طبقہ خوف و ہراس، طمع و لالچ سے بے نیاز ہو کر کسی نہ کسی شکل میں توحید کو زندہ رکھے ہوا ہے اور آج تک یوروپ اور امریکہ میں کم تعداد میں ہی سہی لیکن موجود ہے، حتیٰ کہ اس فرقے سے تعلق رکھنے

والے (Unitarian) تقریباً پانچ صدور امریکہ اب تک ہو چکے ہیں مسیحیت میں اہل توحید اور اہل تثلیث کی کشمکش کئی سو سالوں تک چلتی رہی جیسا کہ مندرجہ ذیل تاریخی اور بائبلی حقائق سے ثابت ہے۔

(۱) ۳۲/ میں اس وقت کی اناجیل میں عیسیٰ کا یہ بیان ہے "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کی طرف صعود کر رہا ہوں۔

(۲) ۵۷/ میں St. Poul نے اپنے خط میں لکھا تھا، ایک کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں ہے ہمارے لئے صرف ایک خدا ہے جو باپ بھی ہے اور بیٹا بھی ہے اور وہ عیسیٰ مسیح ہے"

(۳) ۹۴/ میں St. Dalimoof نے اس وقت لکھا تھا "مسیح خدا کی طرف سے مبعوث ہوا تھا اور حواریین مسیح کی طرف سے مبعوث ہوئے۔"

(۴) ۱۲۰/ میں اس زمانے کی کلیسا نے حواریین کا کلمہ ایمان یہ بیان کیا تھا میں خدا پر یقین کرتا ہوں جو سب سے بلند مرتبہ باپ ہے۔"

(۵) ۱۵۰/ میں جسٹس مارٹن نے یونانی فلسفے کو سیدھی سادھی عیسائیت میں داخل کرنا شروع کیا۔

(۶) ۱۷۰/ اس زمانے میں سب سے پہلے مسیحی ادب میں Trias کا لفظ داخل ہوا۔

(۷) ۲۰۰/ میں ٹرتولین نے Triritas کا لفظ استعمال کیا۔

(۸) ۲۳۰/ میں St. Origan نے خدا کے بجائے حضرت عیسیٰ سے دعائیں مانگنے کے خلاف لکھا۔

(۹) ۲۶۰/ میں St. Tsigaru نے لکھا تھا کہ باپ بیٹا اور روح القدس ایک ہی خدا کے تین نام ہیں۔

(۱۰) ۳۰۰/ اس زمانہ تک کلیسا میں تثلیث کی شکل میں کوئی دعا نہیں مانگی جاتی تھی اور نہ ہی کوئی عبادت تثلیث کے نام پر کی جاتی تھی۔

(۱۱) ۳۲۰/ اس زمانہ میں Uesebius لکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ کے سچے خدا ہونے کی تعلیم دیتے ہیں اور صرف اسی کی عبادت کے لئے اصرار کرتے ہیں۔

(۱۲) ۳۲۵/ اس زمانہ میں Niscan کی کونسل نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا خدا ("God of God, Light of Light, very God of very God" is a central phrase from the Nicene Creed (325 AD/381 AD) affirming the divinity of Jesus Christ.) (اسی خدا کا وہی خدا) پکارنے پر اتفاق کیا۔

(۱۳) ۳۵۰/ اس زمانہ میں عقیدہ تثلیث کے سلسلہ میں کلیسا میں بہت فساد ہوا۔

(۱۴) ۳۷۰/ اس زمانہ میں یہ بات لکھی گئی کہ حمد و جلال باپ کے لئے، بیٹے کے لئے، اور روح القدس کے لئے زیبا ہے اور اس فرمان پر بدعت کا الزام بھی لگایا گیا۔

(۱۵) ۳۸۱/ قسطنطنیہ کی کونسل نے اس زمانہ میں ایک خدا میں تین اقانیم کا عقیدہ وضع کیا۔

(۱۶)۳۸۳/ اس زمانہ میں تھیوڈوسیس Theodosius نامی قیصر روم نے ان تمام لوگوں کو جو تثلیث میں نہ تو یقین رکھتے تھے اور نہ ہی اس کی عبادت کرتے تھے سزا دینے کی دھمکی دی۔

تثلیث کی مذکورہ بالا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیت کے اوائل زمانہ میں توحید ہی کا بول بالا تھا۔ تثلیث تو کہیں کونے میں کھڑی ہوئی تھی جب یہود کے مقابلہ میں غیر یہودیوں کی تعداد مسیحیت میں بڑھ گئی تو عقیدہ توحید آہستہ آہستہ معدوم ہو کر تثلیث کی شکل میں ظاہر ہونے لگا حتیٰ کہ تقریباً پونے چار سو سال کے بعد رومی حکومت کے شہنشاہ اعظم نے بزور شمشیر توحید کو کالعدم قرار دلوادیا اور عقیدہ تثلیث کو شاہی عقیدہ قرار دلوا کر اسی کی عبادت رائج کرادی، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ واپس آنے پر انشاء اللہ خود نصاریٰ میں اہل توحید غالب ہو جائیں گے۔ اور حقیقی اسلام کی طرف رجوع کریں گے اور تثلیث جو شرک کی ایک شکل ہے شاید صرف تاریخ کے اوراق میں ہی سمٹ جائے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (سورۃ البقرۃ:20) "بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

﴿قُلْ یٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾(سورۃ آل عمران:64)

"کہہ اے اہلِ کتاب! ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور سوائے اللہ کے کوئی کسی کو رب نہ بنائے،"

عیسائی مذہب کے فرقے:

عیسائیت میں متعدد فرقے موجود ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

① **رومن کیتھولک(Roman Catholic):**

رومن کیتھولک فرقہ عیسائیت کا سب سے قدیم فرقہ ہے۔ اس کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری پطرس (پیٹر) نے رکھی۔ یہ دنیا بھر میں عیسائیت کا سب سے بڑا فرقہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ مغربی کلیسا بھی کہلاتا ہے۔ اس کا مرکز ویٹیکن سٹی ہے۔ جہاں مرکزی چرچ موجود ہے۔ اور اس کا سربراہ پوپ یا پاپائے روم کہلاتا ہے۔

② **آرتھوڈوکس (Eastern Orthodox):** یہ عیسائی مذہب کا دوسرا بڑا فرقہ ہے۔ جو مشرقی آرتھوڈوکس کہلاتا ہے۔ یہ گیارہویں صدی(1054ء) میں بعض عقائد کے اختلافات کی وجہ سے قائم ہوا۔ یہ خود مختار (Autocephalous) گرجاگھروں کا مجموعہ ہے، جس میں روسی، یونانی اور دیگر گرجاگھر شامل ہیں۔ کوئی ایک مرکزی پوپ نہیں ہوتا، لیکن قسطنطنیہ کے پیٹریارک (Patriarch) کو اعزازی طور پر پہلا مقام حاصل ہے۔

③ **پروٹیسٹنٹ(Protestent) :**

پروٹسٹنٹ مسیحیت(Protestantism) 16 ویں صدی میں رومن کیتھولک کلیسیا کی اصلاح (Reformation) کے نتیجے میں وجود میں آنے والا عیسائیت کا ایک بڑا فرقہ ہے۔ یہ عقیدہ بائبل کو ایمان کا واحد ماخذ، نجات کو صرف ایمان پر مبنی، اور پادریوں کے بجائے براہِ راست خدا سے

تعلق پر زور دیتا ہے، جو پوپ کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ تحریک 16 ویں صدی میں مارٹن لوتھر (Martin Luther) اور دیگر مصلحین نے کیتھولک کلیسیا کی روایات اور عقائد (جیسے کہ پوپ کی اتھارٹی) کے خلاف شروع کی تھی۔

اس میں مزید کئی فرقے موجود ہیں، جیسے بیپٹسٹ، میتھوڈسٹ، پریسبیٹیرین، اور لوتھرن۔

④ 7th Day Adventist:

سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ (Seventh-day Adventist) عیسائیت کا ایک فرقہ ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جلد دوبارہ آمد (Advent)۔ یہ فرقہ اتوار کے بجائے ہفتے (Saturday) کے دن کو پاک مانتا ہے اور اس دن عبادت کرتا ہے۔ ایلن جی وائٹ (Ellen G. White) کو اس فرقے میں نبی یا prophetic منصب کا حامل مانا جاتا ہے، جن کی تحریریں بائبل کی تشریح میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک جسم روح کا مندر ہے، اس لیے وہ گوشت (کچھ مخصوص اقسام) سے پرہیز، سبزی خوری، اور الکحل / تمباکو سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ 1844 سے آسمان پر ایک تحقیقاتی فیصلہ (Investigative Judgment) جاری ہے، جو قیامت سے قبل مسیحیوں کے اعمال کی جانچ کر رہا ہے۔ یہ فرقہ 19 ویں صدی کے وسط میں "عظیم مایوسی (Great Disappointment) " کے بعد قائم ہوا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تھی۔

⑤ بیپٹسٹ (Baptist):

بیپٹسٹ (Baptist) مسیحیوں کا ایک بڑا اور تاریخی فرقہ ہے، جو بالغوں کے ایمان لانے کے بعد مکمل طور پر پانی میں غوطہ دے کر بپتسمہ (Baptism) دینے کے اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ فرقہ بائبل کی بالادستی، کلیسیا کی خود مختاری، اور مذہبی آزادی پر زور دیتا ہے۔ ان کے نزدیک بپتسمہ صرف ان لوگوں کا ہونا چاہیے جو اپنے ایمان کا اقرار کر سکیں (بالغوں کا بپتسمہ)، نہ کہ شیر خوار بچوں کا۔ بیپٹسٹ عقائد اور عملی زندگی کے لیے بائبل کو واحد اور حتمی اختیار مانتے ہیں۔ ہر بیپٹسٹ چرچ اپنے معاملات (جیسے پادری کا انتخاب، مالیات) میں آزاد ہے اور کسی مرکزی تنظیم کے تابع نہیں ہوتا۔ بیپٹسٹ افراد ضمیر کی آزادی اور چرچ و ریاست کی علیحدگی کے زبردست حامی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ ہر مومن براہ راست خدا سے رابطہ کر سکتا ہے۔

اگرچہ بیپٹسٹ چرچ خود مختار ہوتے ہیں، لیکن وہ مشنری کاموں اور تعلیم کے لیے آپس میں اتحاد (Conventions/Associations) قائم کرتے ہیں، جیسے کہ سدرن بیپٹسٹ کنونشن (Southern Baptist Convention) یا بیپٹسٹ ورلڈ الائنس۔ یہ فرقہ دنیا بھر میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔

عیسائیت کو اسلام کی دعوت

موجودہ عیسائیت کبھی بھی تکمیل کا دعوی نہیں کر سکتی، کیونکہ عیسائیت کے پاس خالق کی جامع صفات سرے سے ہے ہی نہیں۔

میزان الحق کے صفحہ ۱۶۷-۱۲۶ پر فانڈر نے 15 صفات الٰہی لکھی ہیں جبکہ اسلام ۲۷ صفات بیان کرتا ہے اور ان میں کوئی بھی صفت خدا کی شان کے خلاف نہیں۔ جبکہ بائبل کے مطابق خدا آرام کرتا ہے۔ (خروج ۲۰:۱۱) پچھتاتا ہے غمگین ہوتا ہے، (پیدائش ۶:۵)

(برمیاہ ۱۸ اص ۸ تا ۱۰) لہٰذا یہ عقیدہ (عرفان حق ناقص ہے)۔

خدا کی مرضی واحکام شریعت کو کہتے ہیں کہ وہ تو پال نے منسوخ کر دی لہذا یہ شرط بھی عیسائیت پوری نہیں کرتی۔

اور انسان کی تخلیق کا مقصد بھی بائبل سے واضح نہیں ہوتا۔

فانڈر نے صفحہ ۱۹۰ تا ۲۱۹ پر حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب کو دنیا کے گناہوں کا کفارہ بیان کر کے اس پر ایمان لانا طریقہ نجات بیان کیا ہے، حالانکہ کفارہ کے متعلق آیات الحاقی ہیں یعنی (لوقا ۲۲ ص ۱۹ تا ۲۰۔ گڈ نیوز بائبل کا صفحہ ۱۱۱) پروٹسٹنٹوں کے مسائل خصوصا تقدیر، آزادانہ مرضی یا خود مختاری کے بارے میں ان کا یقین ہے کہ صرف ایمان ہی نجات پانے کے لیے ضروری ہے اور نیک اعمال نجات پانے کے لیے ضروری نہیں۔لوتھر کے پیروکاروں میں کوئی گناہ سے باز رہ سکتا ہے۔

خود لوتھر ہی یہ کہتا ہے کہ جتنا زیادہ ہم گناہ کرتے ہیں اتنا ہی زیادہ ہمیں خدا کا فضل حاصل ہوتا ہے۔" (کیتھولک کلیسا کی بحثی تعلیم حصہ دوئم، صفحہ ۳۶)

گویا عقیدہ کفارہ گناہ کرنے کا لائسنس ہے۔

جھوٹ بولنا خود یسوع سے انجیل میں ثابت ہے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ میں ابھی اس عید میں نہیں جاتا کیونکہ ابھی تک میرا وقت پورا نہیں ہوا مگر تھوڑی دیر کے بعد پوشیدہ طور پر عید منانے چلے گئے (یوحنا: ص ۸ تا ۱۰)

فریب دینے کا الزام خود خدا پر ان لوگوں نے لگایا۔ لکھا ہے "خداوند نے فرمایا کون اختیاب کو بہکائے گا۔ تب ایک روح نکلی، خداوند کے سامنے کھڑی ہوئی اور کہا میں اسے بہکاؤں گی۔ پوچھا کیسے؟ اس نے کہا میں جا کر اس کے سب نبیوں کے منہ میں جھوٹ بولنے والی بن جاؤں گی (ا۔سلاطین ۲۰:۲۲)

حضرت یعقوب علیہ السلام پر فریب سے برکت حاصل کرنے کا الزام ہے (پیدائش باب نمبر ۲۷) یروشلم کے لوگوں سے دغا کیا۔(یرمیاہ ۴:۱۰)

زنا کرنے والے خاندان (سموئیل پیدائش ۳۸ ص ۱۵ تا ۲۹، شیوع ۲:۱) میں خدا کے بذات خود اس دنیا میں آنے کا عقیدہ عیسائی لوگ رکھتے ہیں۔

چوری کرنے کا الزام یسوع پر لگایا جیسا کہ (متی ۲۱: صا تا ہے) میں درج ہے۔

خون ریزی کا اعلان خود یسوع نے کیا (متی ۱۰: ۳۴) یہ الگ بات کے ساتھی میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام نہ کر سکے۔

بائبل کے احکام جنگ صریح خون ریزی کا حکم دیتے ہیں۔(اشنا ۲۰: ۱۶، ۱۷ گنتی ۳۱: صا تا ۱۸۔ یشوع ۶: ۲۱)

اسی طرح بچھڑے کی پوجا کرنے والے تین ہزار مرد ایک ہی دن میں قتل کیے گئے۔(خروج ۳۲: ۲۸)

انصاف کا معیار بائبل میں یہ ہے کہ باپ دادا کے گناہوں کی سزا خدا کی طرف سے ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دی جاتی ہے۔(خروج: ۳۴)

اور لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے بے گناہ یسوع کو سولی پر چڑھا دیا۔(عیسائی عقیدہ)

بائبل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

اسلامی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالی نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ ان انبیاء نے نہ صرف اپنی قوم کی اصلاح کی بلکہ آنے والے نبیوں کی بھی بشارت دی۔ اسی سلسلہ میں آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی دی گئی۔ قرآن کریم اس حقیقت کو بیان کرتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ الأعراف:157)

"وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے جسے اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور ان کے لیے سب پاک چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں اتارتا ہے جو ان پر تھیں، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت کی اور اسے مدد دی اور اس کے نور کے تابع ہوئے جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے، یہی لوگ نجات پانے والے ہیں"۔

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾(سورۃ الصف :6)

"اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: اے بنو اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے"۔(سورۃ نمبر 61 الصف : آیت نمبر 6)

تفسیر:

"احمد" حضور اقدس ﷺ کا نام ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام سے آپ ﷺ کی بشارت دی تھی۔ اس قسم کی ایک بشارت آج بھی انجیل یوحنا میں تحریف شدہ حالت میں موجود ہے۔ انجیل یوحنا کی عبارت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" (یوحنا:16)۔ یہاں جس لفظ کا ترجمہ مددگار کیا گیا ہے۔ وہ اصل یونانی میں "فارقلیط" (Periclytos) تھا جس کے معنی ہیں "قابل تعریف شخص" اور یہ "احمد" کا لفظی ترجمہ ہے لیکن اس لفظ کو "Paracletus" سے بدل دیا گیا ہے، جس کا ترجمہ "مددگار" اور بعض تراجم میں "وکیل" یا "شفیع" کیا گیا ہے۔ اگر "فارقلیط" کا لفظ مدنظر رکھا جائے تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ "وہ تمہارے پاس اس قابل تعریف شخص (احمد) کو بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا"۔ اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کسی خاص زمانے کے لیے یا کسی خاص علاقے کے لیے نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کی نبوت قیامت تک آنے والے ہر زمانے کے لیے ہوگی۔ نیز برناباس کی انجیل میں کئی مقامات پر حضور اقدس ﷺ کا نام لے کر حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ عیسائی مذہب والے اس انجیل کو معتبر نہیں مانتے، لیکن ہمارے نزدیک وہ ان چاروں انجیلوں سے زیادہ مستند ہے جنہیں عیسائی مذہب میں معتبر مانا گیا ہے۔ اس کے مفصل دلائل میں نے اپنی کتاب "عیسائیت کیا ہے؟" میں بیان کیے ہیں۔ (آسان ترجمہ قرآن : شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات اور انجیل میں نبی کریم ﷺ کی بشارتیں موجود تھیں۔ ذیل میں بائبل کی چند اہم آیات پیش کی جاتی ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ کی آمد کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اگرچہ عیسائی علماء ان آیات کی مختلف تشریحات کرتے ہیں، لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے یہ مقامات خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

1۔ کتاب استثناء 18:18 — "تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی"

Book of Deuteronomy میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ الفاظ ملتے ہیں:

"اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سو ٹھیک کہتے ہیں، سب ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے تو میں ان کا حساب لوں گا۔ "(استثناء:18،19/18/18)

کتاب الاستثناء کی بشارت سو فیصد نبی کریم ﷺ پر ہی صادر آتی ہے، کیوں کہ مذکورہ فقرے میں موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہا: گیا کہ وہ نبی جو میں بھیجوں گا، آپ جیسا ہو گا۔

اور ہم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام میں کئی ایک مماثلتیں موجود ہیں، مثلاً:

1	موسیٰ علیہ السلام نے ہجرت کی۔	نبی کریم ﷺ نے بھی ہجرت کی۔
2	موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا۔	نبی کریم ﷺ نے بھی نکاح کیا۔
3	موسیٰ علیہ السلام کے ایک رفیق تھے۔	نبی کریم ﷺ کے بھی رفیق ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔
4	موسیٰ علیہ السلام پر جادو ہوا۔	نبی کریم ﷺ پر بھی جادو ہوا۔
5	موسیٰ علیہ السلام فطری پیدائش پر پیدا ہوئے۔	نبی کریم ﷺ بھی۔
6	موسیٰ علیہ السلام فطری طور پو انتقال فرما گئے۔	اور نبی کریم ﷺ کی وفات بھی فطری طور پر ہوئی۔
7	موسیٰ علیہ السلام نے حدود کو قائم کیا۔	اور نبی کریم ﷺ نے بھی حدود کو قائم کیا۔

الغرض نبی کریم ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام میں کئی مماثلت موجود ہیں، مگر یہ مماثلت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری نہیں ہوتیں، لہٰذا جن کے بارے میں پیشگوئی ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔ "تمہارے بھائیوں میں سے" سے مراد بنی اسماعیل لیے جاتے ہیں، کیونکہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں۔ "تمہاری مانند نبی" سے مراد ایسا نبی جو شریعت لے کر آئے، اور یہ وصف حضرت محمد ﷺ میں پایا جاتا ہے۔

2۔ کتاب یوحنا 14:16 — "فارقلیط" (Comforter)

Gospel of John میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔" (کتاب یوحنا:14/16)

فارقلیط یہ اسم مبارک یونانی زبان میں ہے، جس کا عربی ترجمہ "احمد" ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي

اسْمُهُ أَحْمَدُ ﴾(سورة الصف:61)

"اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے (میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی میں تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہے۔"

بائبل میں خاص طور پر "فارقلیط" کے نام سے نبی کرم ﷺ کی بشارت سنائی گئی ہے۔

علماء کرام کی رائے:

- یونانی لفظ **Paracleteفارقلیط**) کو بعض علماء اصل میں **Periclytos** سمجھتے ہیں، جس کا معنی "بہت زیادہ تعریف کیا گیا" ہے۔
- یہ معنی عربی نام **محمد** ﷺ کے معنی سے قریب ہے (یعنی "بہت تعریف کیا گیا")۔

3۔ کتاب یوحنا 16:12-13— "وہ حق کی راہ دکھائے گا"

Gospel of John میں ہے:

"جب وہ روحِ حق آئے گا تو تمہیں ساری سچائی کی طرف رہنمائی کرے گا، کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو سنے گا وہی کہے گا۔"

یہ الفاظ قرآن کی اس آیت سے مشابہ ہیں:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى (3) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى (4) ﴾ (سورة النجم 3-4)

"اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔"

4۔ کتاب غزل الغزلات 5:16—لفظ "محمدیم"

Song of Songs میں عبرانی لفظ "**مَحَمَّدِیم (Mahammadim)**" آیا ہے:

"اس کا منہ نہایت شیریں ہے، وہ سراپا محبوب ہے۔"

بعض مسلم علماء کہتے ہیں کہ **Mahammadim** لفظ **محمد** سے مشابہ ہے۔ عبرانی زبان میں "**im**" تعظیم یا جمع کے لیے آتا ہے، اس لیے اصل لفظ "**محمد**" بنتا ہے۔

اسی آیت میں ہے: "وہ سراپا محبوب ہے۔" یہ لفظ نبی کریم ﷺ کے نام کی طرف واضح اشارہ سمجھا جاتا ہے۔

5۔ ایک عظیم نبی کا ظہور

Gospel of John یوحنا کی انجیل (کتاب یوحنا 1:21) میں یہودیوں کا ایک سوال نقل ہوا ہے:

"اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا، اور انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا، پھر کون ہے؟ کیا ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا: میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔"

(کیا تو وہ نبی ہے؟) یہ الفاظ قابل غور ہیں۔۔۔

مذکورہ فقرے پر غور کیجئے، جب کاہن سے پوچھا گیا کہ تو کون ہے، کیا مسیح ہے، یا پھر ایلیاس تو اس نے نفی میں جواب دیا، مگر جب نبی کریم ﷺ کی طرف اشارہ کیا تو صرف اتنا کہا کہ کیا تو وہ نبی ہے؟ یعنی یہ لوگ نبی کریم ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے کہ بغیر نام لیے ہی ان کا تعارف تھا انہیں، کمال کی بات دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ بائبل کی مختلف لوگوں نے شروحات بھی لکھی ہیں، مگر اس فقرے کے اس حصہ کی شرح جس میں "کیا تو وہ نبی ہے؟" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، کسی نے بھی اس کی شرح نہیں کی کیونکہ اس کی شرح کرنے سے عیسائیوں اور یہودیوں کی سازش کا بھانڈا لوگوں میں پھوٹ جاتا ہے۔

"کیا تم وہ نبی ہو؟"

یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ بنی اسرائیل ایک ایسے عظیم نبی کے منتظر تھے جس کی خبر ان کی کتابوں میں موجود تھی۔

بائبل کے مختلف مقامات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک عظیم نبی کی آمد کی بشارت دی گئی تھی۔ علماء کرام کے مطابق یہ تمام بشارتیں حضرت محمد ﷺ کی طرف اشارہ کرتی ہیں، کیونکہ:

- آپ ﷺ بنی اسماعیل میں سے ہیں۔
- آپ ﷺ شریعت لانے والے آخری نبی ہیں۔
- آپ ﷺ نے دنیا کے لیے مکمل نظامِ زندگی پیش کیا۔

اسی لیے قرآن کریم نے آپ ﷺ کو **"رحمت للعالمین"** قرار دیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سورۃ الأنبیاء:107)

6۔ فاران میں اللہ کا ظہور

"Book of Deuteronomy" (کتاب استثناء 33:2)

نبی کریم ﷺ کے بارے میں بائبل میں مذکور دوسری بشارت:

"اور اس نے کہا: خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں میں سے آیا، اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔" (کتاب استثناء: 3،2،1/33)

خداوند سینا سے آیا، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کا ظہور ہے اور اس کی وحدانیت کا پرچار ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی اتاری اور جبل شعیر سے ارجنٹائن کا وہ پہاڑ مراد ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا دین ظاہر ہوا اور فاران سے مراد مکہ مکرمہ کا جبل نور ہے جس میں نبی کریم ﷺ پر نزول وحی کا آغاز ہوا، دس ہزار قدسیوں سے نبی کریم ﷺ کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں، جو کہ فتح مکہ کے دن دس ہزار کی تعداد میں تھے، یہ پیشن

گوئی ہو بہو نبی کریم ﷺ پر صادق آئی، مگر عیسائی علماء کو یہ بشارت ان کی سازش کھولنے کے لیے کافی تھی، لہٰذا انہوں نے بائبل میں تحریف کی اور دس ہزار کا جملہ ہٹا کر لاکھوں کر دیا جو کہ بائبل کے محرف ہونے پر کھلی دلیل ہے۔

7۔ فاران میں نبی کی بشارت

Book of Genesis

"اور اسماعیل فاران کے بیابان میں رہا۔" (پیدائش 21:21)

تشریح: فاران کا علاقہ مکہ سمجھا جاتا ہے جہاں نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔

8۔ تمام قوموں کے لیے نبی

Book of Isaiah

"وہ قوموں کے لیے شریعت جاری کرے گا۔" (کتاب اشعیاء 42:1)

یہ وصف نبی کریم ﷺ کے ساتھ پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔

9۔ قید سے رہائی دینے والا

Book of Isaiah

"وہ قیدیوں کو آزادی دے گا اور اندھیروں میں بیٹھنے والوں کو نکالے گا۔" (کتاب اشعیاء 42:7)

آپ ﷺ نے غزوات کے قیدیوں کو رہا فرمایا اور آپ ﷺ نے شرک اور ظلم سے انسانیت کو آزادی دی۔

10۔ قیدار کی سرزمین سے آواز

Book of Isaiah

"بیابان اور اس کی بستیاں آواز بلند کریں، قیدار کے باشندے خوشی منائیں۔" (کتاب اشعیاء 42:11)

قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے جس کی نسل عربوں میں پھیلی۔ اور یہ نبی کریم ﷺ کے اجداد میں سے تھے۔

11۔ نئی شریعت

Book of Isaiah

"جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔" (کتاب اشعیاء 42:4)

یہ نئی شریعت اسلام ہے۔ اور جزیرہ نما عرب اس کا منتظر تھا۔

12۔ دنیا کے لیے نور

Book of Isaiah

"میں تجھے قوموں کے لیے نور بناؤں گا۔" (کتاب اشعیاء 49:6)

13۔ ایک عظیم بادشاہ

Book of Psalms

"وہ سمندر سے سمندر تک حکومت کرے گا۔" (زبور 72:8)

اسلامی خلافت نے وسیع علاقوں تک حکومت قائم کی۔

14۔ سب قومیں اس کی اطاعت کریں گی

Book of Psalms

"تمام بادشاہ اس کے سامنے جھکیں گے۔" (زبور 72:11)

15۔ عرب کے لوگ تحفے لائیں گے

Book of Psalms

"سبا اور سبا کے بادشاہ ہدیے پیش کریں گے۔" (زبور 72:10)

16۔ بنی اسماعیل میں برکت

Book of Genesis

"میں اسماعیل کو بہت برکت دوں گا۔" (کتاب پیدائش 17:20)

17۔ ایک نئی کتاب

Book of Isaiah

"ایک کتاب اس کو دی جائے گی جو پڑھا لکھا نہیں۔" (کتاب اشعیاء 29:12)

اور دنیا جانتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اُمی نبی تھے جنھیں قرآن کریم عطا کیا گیا۔

18۔ عرب کے بیابان میں نور

Book of Isaiah

"بیابان میں خدا کی تمجید ہو گی۔" (کتاب اشعیاء 42:11)

19۔ آخری رسول کی بشارت

Gospel of John

"اگر میں نہ جاؤں تو مددگار (فارقلیط) نہ آئے گا۔" (کتاب یوحنا 16:7)

20۔ سچائی کی مکمل رہنمائی

Gospel of John

"وہ تمہیں تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔" (کتاب یوحنا 16:13)

21۔ دنیا کے لیے رحمت

Book of Isaiah

"وہ قوموں کے لیے عہد ہو گا۔" (کتاب اشعیاء 42:6)

22۔ تمام عالم کے باعث برکت

Book of Genesis

"زمین کی سب قومیں تیرے وسیلہ سے برکت پائیں گی۔" (کتاب پیدائش 12:3)

23۔ بنی اسماعیل کی عظمت

Book of Genesis

"اسماعیل کی نسل کو بھی بڑی قوم بناؤں گا۔" (کتاب پیدائش 21:13)

24۔Book of Isaiah

"میں تجھے قوموں کے لیے نور بناؤں گا"۔ (کتاب اشعیاء 49:6)"

25. Book of Isaiah

"قیدار کے ریوڑ تیرے پاس جمع ہوں گے۔" (کتاب اشعیاء 60:7)

26. Gospel of John یوحنا کی انجیل میں ہے:

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" (یوحنا 14، 12/16)

یہ بشارت بعین طور پر نبی کریم ﷺ پر صادر آتی ہے، اس فقرے میں نبی کریم ﷺ کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔

1. نبی کریم ﷺ کو روح حق کہا گیا۔
2. نبی کریم ﷺ سچائی کی راہ دکھلانے والے ہیں (صادق ہیں)۔
3. نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔
4. نبی کریم ﷺ آئندہ کی سچی خبریں دیتے ہیں۔

یہ تمام اوصاف نبی کریم ﷺ ہی میں موجود ہیں، نبی کریم ﷺ ہی حق کے روح ہیں، کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اگر کسی نے آسمانی صحیح اور سچی خبریں دیں تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، جیسا کہ فقرے کی ابتداء میں عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو راہ حق بتلائے گا، قرآن مجید میں واضح طور پر نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۃ الشوریٰ: 52)

" اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے قرآن کو ایسانور بنایا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں، اور بے شک آپ سیدھا راستہ بتاتے ہیں"۔

مذکورہ بائبل کے فقرے کی تائید قرآن مجید کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ راہ حق کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، فقرے کی تیسری بشارت کی طرف غور کیجئے کہ "وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، جو کچھ سنے گا وہی کہے گا" یہ فقرہ بھی نبی کریم ﷺ پر صادر آتا ہے، جس کی تائید قرآن مجید کی آیت بھی کرتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (3) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (4) عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (5)﴾ (سورۃ النجم:3-5)

" اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے۔ یہ تو وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔ بڑے طاقتور (جبرائیل) نے اسے سکھایا ہے"۔

لہٰذا نبی کریم صلی ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے تھے، جو جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے، نبی کریم ﷺ اسے اپنی امت تک پہنچا دیتے۔ استثناء کے فقرے کی چوتھی نشانی پر غور کیجئے کہ وہ نبی مستقبل کی خبریں دیں گے۔

بائبل اور قرآن کی پیشگوئیوں کا تحقیقی جدول

ذیل میں **بائبل اور قرآن کی پیشگوئیوں کا ایک تحقیقی تقابلی جدول** پیش کیا جارہا ہے۔ اس جدول کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ بائبل میں بیان کردہ بعض اوصاف یا بشارتیں قرآن میں کس طرح واضح طور پر بیان ہوئی ہیں۔ یہ جدول دعوتی اور تحقیقی دونوں مقاصد کے لیے مفید ہے۔

بائبل اور قرآن کی پیشگوئیوں کا تحقیقی تقابلی جدول

موضوع	قرآن کا بیان	بائبل کا بیان	بائبل کا حوالہ
آنے والے نبی کی بشارت	"وہ رسول نبی اُمی جسے وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں" (سورۃ الأعراف 7:15)	"میں ان کے بھائیوں میں سے تمہاری مانند ایک نبی برپا کروں گا"	Book of Deuteronomy استثناء 18:18
فارقلیط / مددگار	عیسیٰ علیہ السلام نے احمد نامی رسول کی بشارت دی۔ (سورۃ الصف:6)	"میں تمہارے لیے ایک اور مددگار بھیجوں گا"	Gospel of John یوحنا 14:16
حق کی رہنمائی	"وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وحی ہوتی ہے" (سورۃ النجم:3-4)	"وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو سنے گا وہی کہے گا"	Gospel of John یوحنا 16:13
فاران میں ظہور	مکہ اسماعیل علیہ السلام کی سرزمین ہے جہاں قرآن نازل ہوا	"خداوند فاران سے جلوہ گر ہوا"	Book of Deuteronomy استثناء 33:2
قیدار کی سرزمین میں نور	عرب میں اسلام کا ظہور	"قیدار کے باشندے خوشی منائیں گے"	Book of Isaiah اشعیاء 42:11

موضوع	قرآن کا بیان	بائبل کا بیان	بائبل کا حوالہ
نئی شریعت	" ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی "(سورۃ المائدہ:48)	"وہ قوموں کے لیے شریعت جاری کرے گا"	Book of Isaiah اشعیاء42:4
تمام قوموں کے لیے ہدایت	"ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا"(سورۃ الأنبیاء:107)	"میں تجھے قوموں کے لیے نور بناؤں گا"	Book of Isaiah اشعیاء49:6
عرب کے بادشاہوں کے تحفے	عرب قبائل اور بادشاہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور نجاشی نے تحائف بھیجے۔	"سبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے"	Book of Psalms زبور72:10
محمد نام کا اشارہ	"اور وہ محمد پر ایمان لائے"(سورۃ محمد:2)	Mahammadim	Song of Songs غزل الغزلات5:16
آخری نبی کی آمد	"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں"(سورۃ الأحزاب:40)	"اگر میں نہ جاؤں تو مددگار نہ آئے گا"	Gospel of John یوحنا16:7

تورات(Pentateuch)

اہم بشارتیں

کتاب پیدائش Book of Genesis

- پیدائش12:3—تمام قوموں کی برکت
- پیدائش17:20—اسماعیل کی نسل میں عظیم قوم
- پیدائش21:21—فاران میں اسماعیل کی سکونت

کتاب استثناء Book of Deuteronomy

- استثناء18:18—موسیٰ کی مانند نبی
- استثناء33:2—فاران سے نور کا ظہور

زبور(Book of Psalms)

- زبور45:3-5—حق اور انصاف کا بادشاہ
- زبور72:8—سمندر سے سمندر تک حکومت
- زبور72:10—سبا کے بادشاہ تحفے لائیں گے

- زبور 72:17 — تمام قومیں برکت پائیں گی

انبیاء کی کتابیں

اشعیاء (Book of Isaiah)

- اشعیا 42:1 — اللہ کا برگزیدہ بندہ
- اشعیا 42:4 — نئی شریعت
- اشعیا 42:6 — قوموں کے لیے نور
- اشعیا 42:11 — قیدار کے باشندے خوشی منائیں گے
- اشعیا 60:7 — قیدار کے ریوڑ

حبقوق Book of Habakkuk

- حبقوق 3:3 — تیمان اور فاران سے نور

غزل الغزلات Song of Songs

- غزل الغزلات 5:16 **Mahammadim** —

انجیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں

کتاب یوحنا Gospel of John

- یوحنا 14:16 — فارقلیط
- یوحنا 15:26 — حق کی گواہی دینے والا
- یوحنا 16:7 — آنے والا مددگار
- یوحنا 16:13 — جو سنے گا وہی کہے گا

2۔ عیسائی مبلغین کے اعتراضات اور جوابات

اعتراض 1: فارقلیط سے مراد روح القدس ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔

جواب: اگر یہ روح القدس ہوتا تو روح القدس پہلے سے موجود تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد آنے کی شرط نہیں ہوتی جبکہ انجیل میں کہا گیا:

"اگر میں نہ جاؤں تو مددگار نہ آئے گا" — Gospel of John یوحنا 16:7

یہ ایک **آنے والے شخص** کی طرف اشارہ ہے۔

اعتراض 2: استثناء 18:18 کا نبی حضرت عیسیٰؑ ہیں۔

جواب

آیت میں ہے: "ان کے بھائیوں میں سے اور بنی اسرائیل کے بھائی **بنی اسماعیل** ہیں۔ حضرت **محمد** ﷺ اسی نسل سے ہیں۔

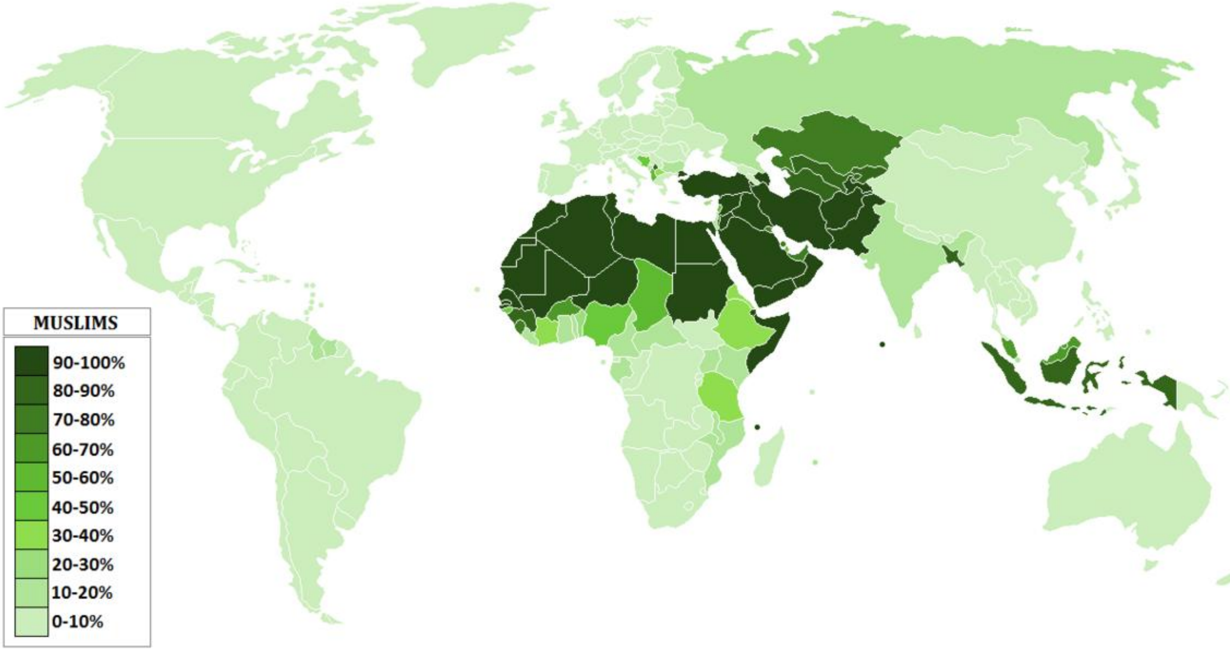
اعتراض 3: Mahammadim صرف **ایک صفت** ہے، نام نہیں۔

جواب: عبرانی میں **im**– تعظیم یا جمع کے لیے آتا ہے۔ اصل لفظ **Muhammad** سے مشابہ ہے۔

② * اسلام(Islam) *

اسلام دُنیا کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے جو کہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جس کے ماننے والوں کی تعداد 1.8 بلین سے زیادہ ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا تقریباً 24.1 فیصد ہے۔ ایک خُدا کے ماننے والے مُحمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مانتے ہیں اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی آخری کتاب مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نبوت کا جو سلسلہ اَبو البشر حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَام سے شروع فرمایا تھا اس سلسلہ کو نبی آخر الزمان محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر مکمل فرمادیا، آپ بنی اسماعیل میں آنے والے واحد نبی ہیں اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے نبوت کے سلسلہ کی تکمیل فرمائی۔ اور انھیں مکمل شریعت اور اپنی آخری الہامی کتاب "قرآن مجید" عطا فرمائی۔ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی تشریف آوری کی بشارت تمام الہامی کتابوں میں دی گئی اور ہر نبی نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ جو بھی نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا زمانہ پائے تو وہ ان کی اتباع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آج نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی اتباع کئے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔



نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا تعارف:

اسم: محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، احمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، عبرانی میں فارقلیط

والد کا نام: عبد اللہ

والدہ کا نام: آمنہ

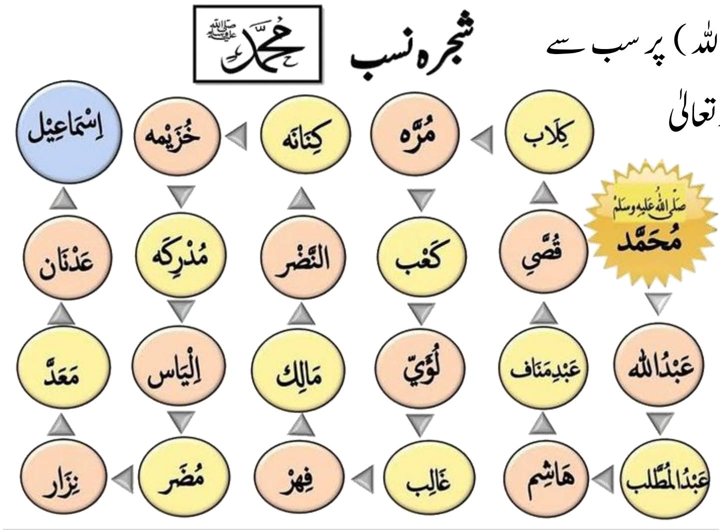
قبیلہ: قریش (بنو اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَام)

جائے ولادت: مکہ مکرمہ (وادئ فاران)

تاریخ پیدائش: 9 ربیع الاول عام الفیل (بروز پیر) بمطابق اپریل 570ء یا 571ء

وصال: 12 ربیع الاول 11 ہجری بمطابق 8 جون 632ء

آخری آرام گاہ: مدینہ منورہ



اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے سب سے پسندیدہ مقام (بیت اللہ) پر سب سے پسندیدہ خاندان (بنو اسماعیل) میں مبعوث فرمایا۔ اور یہ وہ وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے لوگوں کو وہ بھولا ہوا سبق دوبارہ یاد دلانا چاہا۔ نبی کریم ﷺ صرف عرب یا قریش کے لئے مبعوث نہیں فرمائے گئے۔ بلکہ تمام عالم کے لئے جن و انس اور تمام مخلوقات کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ چرند و پرند اور شجر و حجر بھی ان کو پہچانتے تھے۔ اور شجر و ہجر کو سجدہ ریز دیکھ کر تو بحیرہ راہب نے آپ ﷺ کو پہچان لیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وہی آخری نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں دی تھی۔

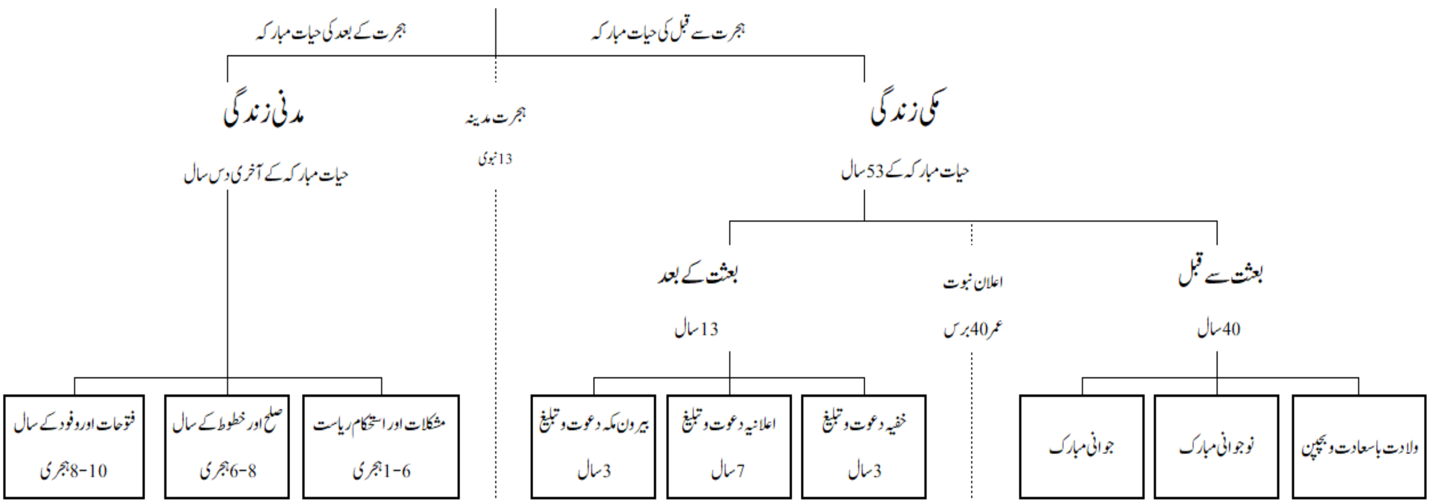
نبی کریم ﷺ کی دنیاوی حیات مبارکہ کے 63 سال کو ہم تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

1۔ اعلان نبوت سے قبل کے 40 سال

2۔ اعلان نبوت کے بعد کا مکی دور (13 سال)

3۔ ہجرت مدینہ اور عمر مبارک کے آخری 10 سال۔

نبی کریم ﷺ کی 63 سالہ حیات مبارکہ



ولادت باسعادت

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا آغاز عام الفیل (جس سال ابرہہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کیا اور ہاتھیوں کا لشکر اللہ کی فوج کے ہاتھوں نشان عبرت بنا) میں 9 ربیع الاول کو صبح فجر کے وقت آفتاب نبوت بھی دنیا کے اندھیروں کو مٹانے کے لئے طلوع ہوا۔ اس کی نشانیاں دنیا بھر میں پہچان لی گئیں جب

ایران کے کسریٰ کے محل کی کنگریاں گریں اور فارس کے آتش کدوں میں سینکڑوں سال سے روشن آگ بجھ گئی تو وہاں جان لیا گیا کہ آج دنیا کے اُفق پر وہ آفتاب طلوع ہوا ہے جسکی روشنی قیامت تک باقی رہے گی۔

آپ ﷺ کے والد (حضرت عبد اللہ) کا انتقال آپ ﷺ کی ولادت سے چند ماہ قبل ہو گیا تھا جب وہ شام کے سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ میں بیمار ہوئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ اور یہ نشانی تمام کتابوں میں درج تھی کہ آپ ﷺ پیدائش سے پہلے ہی یتیم ہو چکے ہوں گے۔

آپ ﷺ کو دیکھتے ہی آپ کے دادا جان عبد المطلب نے فرمایا تھا کہ اس کا نام محمد (بہت زیادہ تعریف کے قابل) رکھا جائے گا۔ جبکہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام احمد تجویز کیا۔



مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی جائے ولادت

آپ ﷺ کی رضاعت تین خواتین سے ثابت ہے۔

ا۔ بی بی آمنہ (والدہ محترمہ)

2۔ ثوبیہ (ابولہب کی لونڈی جسے اس نے نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا)

3۔ بی بی حلیمہ سعدیہ (بنو سعد کی معزز خاتون جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں)

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ابتدائی دور بنو سعد میں گزرا۔ جہاں آپ ﷺ نے کھلی فضا اور دیہی زندگی میں بولنا اور چلنا شروع کیا۔ آپ ﷺ نے کسی بھی قسم کی تعلیم نہیں حاصل نہیں کی لیکن آپ ﷺ کی فصاحت اور علم اللہ سبحان و تعالیٰ کی جانب سے عطا شدہ تھا۔ آپ ﷺ کے معجزات آپ ﷺ کی ولادت کے ساتھ ہی نظر آنے لگے تھے۔

آپ ﷺ کی والدہ محترمہ نے ایک نور دیکھا جو ان کے بطن سے نکل کر دنیا بھر میں پھیل گیا اور دنیا بھر کو روشن کر دیا۔


بنو سعد میں بی بی حلیمہ کے گھر کی جگہ

بی بی حلیمہ سعدیہ کی کمزور اونٹنی نبی کریم ﷺ کو لیکر اتنا تیز چلی کہ تمام قافلے والے پیچھے رہ گئے۔

بی بی حلیمہ کی کمزور بکریوں نے اتنا دودھ دیا کہ گھر کے تمام برتن دودھ سے بھر جاتے لیکن دودھ ختم نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ قبیلہ بنو سعد میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ بچہ انتہائی بابرکت ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ دورِ رضاعت ختم ہونے کے باوجود واپس مکہ نہ آسکے۔

یہاں تک کے پہلا شق صدر کا واقعہ پیش آیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے سینہ کو چاک کرکے آپ کے دل کی صفائی کر دی۔ اور پھر اس واقعے سے خوفزدہ ہو کر مجبوراً بی بی حلیمہ نے آپ ﷺ کو واپس مکہ مکرمہ لوٹانے کا فیصلہ کیا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے ایک بار یہودیوں کی جماعت گذری آپ ﷺ کے بارے میں تفصیلات معلوم کرکے انہوں نے آپکو قتل کرنے کا مشورہ کیا انہوں نے بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ "کیا یہ بچہ یتیم ہے؟"

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا انکا قتل کا مشورہ سن چکی تھیں لہذا انہوں نے جلدی سے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا کہ "نہیں! یہ رہے اس بچہ کے باپ"۔

تب انھوں نے کہا کہ اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو ہم ضرور اسے قتل کر دیتے (یہ اس لئے کہ پرانی کتب میں آخری نبی کی نشانیوں میں یہ بھی ہے کہ وہ یتیم ہونگے) چونکہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے کہہ دیا کہ یہ بچہ یتیم نہیں تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ وہ بچہ نہیں لہذا قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عکاظ کے میلے میں لے گئیں جاہلیت کے دور میں یہاں بڑا مشہور میلہ لگتا تھا عرب کے لوگ حج کرنے آتے تو شوال کا مہینہ اس میلے میں گزارتے کھیلتے کودتے اپنی بڑائیاں بیان کرتے۔ بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا آپکو لے کر اس میلہ میں گھوم رہی تھیں کہ ایک کاھن کی نظر آپ پر پڑی اسے آپ میں نبوت کی تمام نشانیاں نظر آ گئیں اس نے پکار کر کہا۔ "لوگو! اس بچہ کو مار ڈالو"۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اسکی بات سن کر گھبرا گئیں اور جلدی سے وہاں سے غائب ہو گئیں اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ لوگوں نے کاہن سے پوچھا کہ: "کس بچہ کی بات کر رہے ہو؟"

اس نے کہا: "معبودوں کی قسم میں نے ابھی ایک لڑکا دیکھا ہے وہ تمھارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا تمہارے بتوں کو توڑ دے گا اور تم سب پر غالب آئے گا"۔

لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں دوڑے مگر ناکام رہے۔

حضرت حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر جارہی تھیں کہ ذی الحجاز کے میلہ پر سے گزر ہوا اس میں ایک نجومی بیٹھا تھا جب نجومی کی نظر آپ پر پڑی تو اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت اور آنکھوں کی خاص سرخی نظر آگئی وہ چلا اٹھا۔

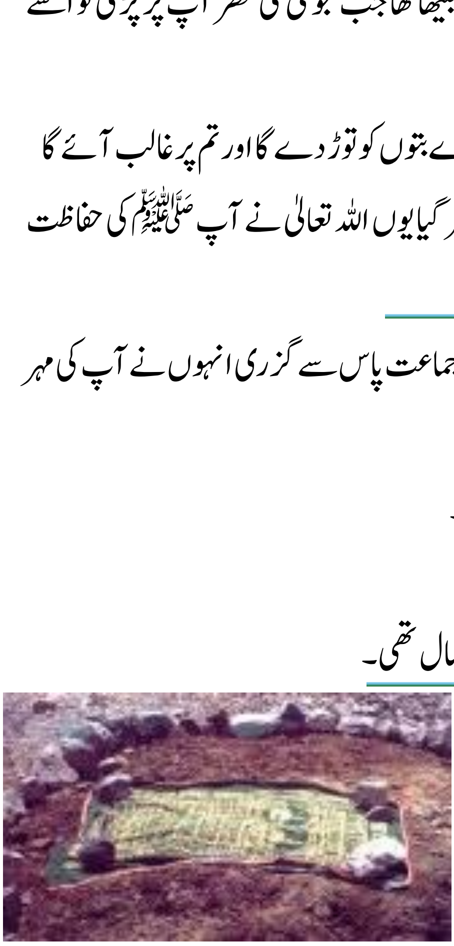
اے عرب کے لوگو اس لڑکے کو قتل کر دو یہ یقینا تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا تمہارے بتوں کو توڑ دے گا اور تم پر غالب آئے گا یہ کہتے ہوئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھپٹا لیکن اسی وقت پاگل ہو گیا اور اسی پاگل پن کی حالت میں مر گیا یوں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔

حضرت حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ کے حوالہ کرنے جارہی تھیں کہ حبشہ کے عیسائیوں کی ایک جماعت پاس سے گزری انہوں نے آپ کی مہر نبوت اور آنکھوں کی خاص سرخی کو دیکھا تو حضرت حلیمہ کو کہا

اس بچہ کو ہمارے حوالے کر دو ہم اسے اپنے ملک میں لے جائیں گے یہ بچہ پیغمبر اور بڑی شان والا ہے۔

حلیمہ سعدیہ یہ سنتے ہی وہاں سے دور چلی گئیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکی والدہ کے حوالہ کیا تو اس وقت آپکی عمر ۴ یا ۵ سال تھی۔


ابواء میں حضرت آمنہ کی قبر

والدہ کی وفات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ واپس لوٹے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے میکہ (مدینہ منورہ جو کہ اس وقت یثرب کہلاتا تھا) تشریف لائیں۔ یہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت

عبد اللہ کی قبر بھی موجود تھی۔ اُم ایمن رضی اللہ عنہا (حضرت عبد اللہ کی باندی) بھی ساتھ تھیں ایک دن مدینہ کے دو یہودی اُم ایمن کے پاس آئے اور کہا: "ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سامنے لاؤ ہم انھیں دیکھنا چاہتے ہیں"۔

انھوں نے اچھی طرح دیکھا پھر ایک اپنے ساتھی سے بولا کہ: "یہ اس اُمت کا نبی ہے اور یہ شہر انکی ہجرت گاہ ہے یہاں زبردست جنگ ہو گی"۔

جب آپکی والدہ کو معلوم ہوا تو ڈر گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر مکہ روانہ ہوئیں مگر راستہ ہی میں ابواء کے مقام پر وفات پا گئیں آپکو یہیں دفن کیا گیا پانچ دن بعد ام ایمن آپکو لیکر مکہ پہنچیں اور آپکے دادا عبد المطلب کے حوالہ کیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 6 سال تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا حضرت عبد المطلب کے زیر سایہ رہنے لگے۔

دادا عبد المطلب کی آغوش میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُتبہ کا یہ عالم تھا کہ خانہ کعبہ کے سائے میں حضرت عبد المطلب کی مسند پر اُن کو سوا کوئی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اس پر بیٹھتے اور ان کے دادا نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا بہت شان والا ہے۔ اسے کوئی نہ روکے۔

ایک روز بنو مدلج کے کچھ لوگ حضرت عبد المطلب کے پاس آئے یہ لوگ قیافہ شناس تھے آدمی کا چہرہ دیکھ کر اسکے مستقبل کا اندازہ لگاتے تھے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا: "اس بچہ کی حفاظت کرو اس لئے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام پر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان ہے اس بچہ کے پائوں کا نشان بالکل اس سے ملتا جلتا ہے اس قدر مشابہت ہم نے اور کسی کے پاؤں میں نہیں دیکھی ہمارا خیال ہے کہ یہ بچہ نرالی شان کا مالک ہو گا اس لئے اسکی حفاظت کریں"۔

ایک روز عبد المطلب حجر اسود کے پاس بیٹھے تھے کہ نجران کے عیسائی آگئے ان میں ایک بڑا پادری بھی تھا اس نے کہا ہماری کتابوں میں ایک ایسے نبی کی علامات ہیں جو بنو اسماعیل میں ہونا باقی ہے یہ شہر اسکی جائے پیدائش ہو گا اسکی یہ یہ نشانیاں ہیں۔

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر وہاں آپہنچا پادری کی نظر جو نہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی وہ چونک اٹھا آپکی آنکھوں کمر اور پیروں کو دیکھ کر چلا اٹھا کہ: "یہی وہ نبی ہیں یہ تمہارے کیا لگتے ہیں"

عبد المطلب نے کہا: "یہ میرے بیٹے ہیں"

اس پر پادری بولا: تب یہ وہ نہیں ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اسکے والد کا انتقال اسکی پیدائش سے پہلے ہو جائے گا۔"

اس پر عبد المطلب نے کہا: یہ دراصل میرا پوتا ہے اسکے والد کا انتقال اسکی پیدائش سے پہلے ہو گیا تھا۔"

تب پادری نے کہا: ہاں یہ ہوئی ناں بات۔۔۔ آپ اسکی پوری طرح حفاظت کیجئے گا۔"

دادا کی وفات

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال کے ہوئے تو آپکے دادا عبد المطلب وفات پا گئے عبد المطلب نے انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے سپرد کیا اُم ایمن کہتی ہیں کہ جس وقت عبد المطلب کا جنازہ اٹھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے۔

آخر یہ سعادت حضرت ابو طالب کے حصہ میں آئی۔

چچا کی سرپرستی میں

عبد المطلب کے بعد ابو طالب آپ ﷺ کے نگران ہوئے یہ مالی اعتبار سے کمزور تھے دو وقت سارے گھرانے کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا تھا لیکن جب نبی ﷺ انکے ساتھ کھاتے تو تھوڑا کھانا بھی سب کو کافی ہو جاتا سب کے سیر ہونے کے بعد بھی کھانا بچ جاتا۔

بارہ برس کی عمر میں آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ہمراہ شام کا سفر کیا جو کہ مال تجارت لے کر شام جا رہے تھے جب آپ بُصریٰ پہنچے۔ جو کہ شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دار الحکومت تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا جو بحیرا کے لقب سے معروف تھا، جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب خلاف معمول اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کے اوصاف کی بنا پر پہچان لیا اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: یہ سید العالمین ﷺ ہیں، اللہ انھیں رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجے گا۔ ابو طالب نے کہا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اسنے کہا" تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں"۔ پھر میں انھیں مہر نبوت سے



بصری میں بحیرہ راہب کی خانقاہ

پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انھیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔ اس کے بعد بحیرا راہب نے ابو طالب سے کہا انھیں واپس کر دو ملک شام نہ لیجاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ اس پر ابو طالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ ﷺ کو مکہ واپس بھیج دیا۔

رومی عہد میں اسقفیہ کبرا کی وجہ سے بصرہ میں ایک باسلیق (مخروطی دار القضاء) قائم تھا۔ اس کے قریب سینٹ سرجیئس کی خانقاہ تھی جس میں ایک بڑا گرجا بھی تھا جس کی دیواریں اور محراب ابھی تک باقی ہیں۔ یہیں بحیرا راہب کی اقامت گاہ تھی جس نے محمد ﷺ کی آیندہ رسالت کی اس وقت گواہی دی جب آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ بصرہ آئے تھے۔

نبی ﷺ چند سال اپنے دوسرے چچا زبیر کے ساتھ بھی رہے ایک بار انکے ساتھ قافلہ میں یمن تشریف لے گئے راستہ میں ایک وادی پر سے گزر ہوا جس میں ایک سرکش اونٹ رہتا تھا جو آنے جانے والوں کا راستہ روک لیتا تھا مگر جونہی آپ ﷺ کو دیکھا تو بیٹھ گیا اور چھاتی زمین سے رگڑنے لگا آپ اپنے اونٹ سے اتر کر اس پر سوار ہو گئے اور وہ اونٹ آپ ﷺ کو وادی کے پار لے گیا پھر آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔



غار حرا (جہاں پہلی وحی نازل ہوئی)

پہلی وحی کا نزول اور اعلان نبوت

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا سب سے اہم دور شروع ہوا، آپ ﷺ تنہائی پسند ہو گئے اور غار حرا میں کئی کئی دن تک تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں وقت گزارنے لگے۔ آخر ایک روز وہ لمحہ بھی آ پہنچا جس کا تمام عالم کو مدتوں سے انتظار تھا۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی حیات مبارکہ

کے سب سے زیادہ خوشگوار فریضہ کے لئے غارِ حرا میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور نبی کریم ﷺ کو وہ سبق پڑھایا جو کہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے نجات کا ذریعہ ثابت ہو گا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: "اقراء" (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ما انا بقاری" (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) جبرائیل امین نے آپ ﷺ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا "اقراء" (پڑھیے) آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر جبرائیل علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور پھر سورہ علق کی پہلی پانچ آیات پڑھیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ (1) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (2) اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ (3) اَلَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (5)﴾

"اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا۔ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم والا ہے۔ جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا"۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ بلکہ روز قیامت تک تمام انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا عظیم بار امانت تھا۔ جو آپ ﷺ پر ڈال دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اس کا بڑا اثر تھا۔ واپس آکر آپ ﷺ نے اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، جب کچھ سکون ہوا تو آپ ﷺ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا۔ وہ آپ ﷺ کے اطمینان کی خاطر آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جو نہایت عمر رسیدہ اور تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے حالات سن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لاتا تھا۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک کوئی وحی نہ آئی۔ اسے "فترۃ الوحی" کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد مسلسل قرآن مجید موقع اور محل کے مطابق تقریباً تیئس سال تک نازل ہوتا رہا۔ اس طرح نزول وحی کا کل زمانہ ۲۳ سال کے لگ بھگ ہے۔ عام طور پر تین تین، چار چار آیتیں ایک ساتھ اترتیں۔ بعض اوقات زیادہ آیتیں یا پوری سورۃ آپ ﷺ پر نازل ہو جاتی۔ آپ ﷺ کاتبان وحی کو بلا کر ہر وحی کو اس کی متعلقہ سورۃ میں لکھوا لیتے۔

حضرت ورقہ بن نوفل کی شہادت (گواہی)

پہلی وحی کا نزول کا واقعہ چونکہ انتہائی عظیم اور غیر معمولی تھا، اس لیے نبی ﷺ سخت گھبرا گئے۔

آپ ﷺ کپکپاتے ہوئے گھر تشریف لائے اور فرمایا: "زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي! " ("مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ"!)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو کمبل دیا، آپ ﷺ کو تسلی دی اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصیبت زدہ کا ساتھ دیتے ہیں"...

ورقہ بن نوفل کے پاس جانا:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ نصرانی (عیسائی) تھے، عبرانی زبان جانتے تھے، اور انجیل و تورات کے بڑے عالم تھے۔

جب نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں پورا واقعہ سنایا تو ورقہ بن نوفل بولے: "هذا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللهُ عَلَىٰ مُوسَىٰ"

"یہ وہی فرشتہ (جبریل) ہے جو اللہ نے موسیٰ پر نازل فرمایا تھا"۔

ورقہ کی پیشن گوئی:

ورقہ نے مزید فرمایا: " يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، أَكُونُ حَيًّا حِينَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ ! "

"کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، جب تمہاری قوم تمہیں نکال دے گی!"

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حیرت سے پوچھا: " أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟"

"کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟"

ورقہ نے کہا: "نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ"

"جی ہاں! جو بھی تمہاری طرح پیغام لے کر آیا، اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔"

"اگر میں اس وقت زندہ ہوا، تو میں تمہاری نصرت کروں گا۔"

ورقہ کی وفات:

ورقہ کا یہ کلام، نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے دل کو مضبوط کرنے والی پیشن گوئی تھی۔ مگر افسوس! ورقہ بن نوفل جلد ہی انتقال کر گئے۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعد میں فرمایا: " رَأَيْتُ وَرَقَةَ فِي الْجَنَّةِ، عَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيْضَاءُ"

"میں نے ورقہ کو جنت میں سفید لباس میں دیکھا ہے۔"

(صحیح بخاری، حدیث 3؛ مسند احمد: حدیث 15591؛ سیرت ابن ہشام، جلد 1، ص 238؛ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2)

مصائب اور آلام

دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے حق بات کہی ہو اور لوگوں کی مخالفت اور تکالیف کا سامنا نہ کیا ہو۔ بنی اسرائیل میں تو انبیاء کرام کو آرے سے کاٹ کر شہید تک کر دیا گیا۔ اسی طرح نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بھی قریش کے شدید مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ انھیں شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور کر دیا گیا۔ جہاں انھیں غذائی قلت اور شدید تکالیف کا سامنا تھا۔ یہ مقاطعہ محرم 7 نبوی سے محرم 10 نبوی تک تقریباً 3 سال تک جاری رہا۔ بالآخر یہ محصوری ختم ہوئی تو ان تکالیف کی وجہ سے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا شدید بیمار ہو گئیں اور چند دن کی علالت کے بعد انتقال فرما گئیں اس کے فوراً بعد ہی آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا ابو طالب بھی انتقال کر گئے۔ یوں دونوں محبوب ہستیاں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بچھڑ گئیں اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) کہا جاتا ہے۔ شفیق چچا کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد تو کفار مکہ بالکل بے لگام ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ستانا شروع کر دیا۔

سفر طائف

دین کی دعوت اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے مسلسل جدو جہد اور پیہم قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے، جب تک اس مہتم بالشان عمل کے لیے قربانی نہیں دی جائے گی، یہ عمل مطلوبہ حد تک نتیجہ خیز اور بار آور ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی اُمت کے لیے مشعلِ راہ ہے، آپ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم پہلو بلکہ آپ ﷺ کی زندگی کا بنیادی مقصد دین کی دعوت اور پیامِ حق کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا، آپ ﷺ نے اس عمل کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں؟ اور اس راہ میں کتنی مشقتیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں، اس کے لیے طائف کا دعوتی سفر ہمارے لیے انمول اور قابلِ تقلید ہے۔

نبوت کا دسواں سال جس کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے، اسی سال ہمارے پیارے نبی ﷺ کے مشفق چچا ابو طالب اور وفا شعار رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا، چچا ابو طالب کے انتقال پر آپ ﷺ بہت زیادہ مغموم ہوئے، کیونکہ ابو طالب کفارِ مکہ کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ کا دفاع کر رہے تھے، ایک تو ظاہری اسباب کے دائرہ میں چچا ابو طالب کی حمایت و مدد اُن کے انتقال کی وجہ سے ختم ہو چکی تھی ، دوسرے چچا ابو طالب کا انتقال کفر پر ہوا، اس کا بھی آپ ﷺ کو بہت قلق تھا، پھر تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو نہ صرف آپ ﷺ کی بیوی تھیں، بلکہ حق کی آواز، سب سے پہلے لبیک کہنے والی اور گلشنِ اسلام کی پہلی کلی تھیں، جب کبھی آپ ﷺ کفار و مشرکین کی ایذا رسانی سے ملولِ خاطر ہوتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی غمگسار ہوتیں اور آپ ﷺ کو تسلی دیتیں۔ ان دونوں شخصیات کی وفات کے ساتھ ہی کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کا بادل آپ a پر پیہم برسنے لگا، طاغوتی طاقتوں نے مکر و فریب کے ترکش خالی کرنا شروع کر دیئے، قریش کا یہ غیر انسانی اور بہیمانہ سلوک نہ صرف پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ تھا، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک روا رکھتے تھے، ان میں آپ ﷺ کا چچا ابو لہب اور اس کی بیوی اُم جمیل، حکم ابن ابی العاص، عقبہ ابن ابی معیط اور اس کے ساتھیوں نے دوسروں کے مقابلے بہت زیادہ ایذاء و تکلیف پہنچائی۔

ابو لہب آپ ﷺ کا حقیقی چچا تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ ہر لمحہ آپ ﷺ کو تکلیف دینے کے درپے رہتا، موسم حج ہو یا مکہ کا بازار جہاں بھی آپ ﷺ کو دین کی تبلیغ کرتے ہوئے پاتا آپ ﷺ کو پیچھے سے آواز لگاتا اور کہتا کہ: لوگو! یہ شخص بد دین اور جھوٹا ہے، اس کی باتوں میں مت آؤ، اور دوسروں کو آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، چنانچہ قریش آوارہ لڑکوں اور اپنے اوباش غلاموں کو آپ ﷺ کے راستے پر بٹھا دیتے اور جب آپ ﷺ اس راستے سے گزرتے تو سب آپ ﷺ کے پیچھے لگ جاتے، آپ ﷺ کا مذاق اُڑاتے، آپ ﷺ پر طعنے کستے، ان ہی حالات کی وجہ سے مکہ کی سرزمین آپ ﷺ پر تنگ ہو گئی، آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ نبوت کا بادل پیہم برس رہا ہے، لیکن مکہ کی سرزمین بنجر اور غیر صالح ثابت ہو رہی ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا جو آبادی اور خوشحالی کے اعتبار سے مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا، جیسے مکہ ہبل کی عبادت کا مرکز تھا تو طائف میں لات کی پوجا پاٹ ہوتی تھی۔

خاندانِ بنو ہاشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں، چند قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا ہے، مکہ کے اہلِ ثروت تجارت اور گرمیاں گزارنے طائف آیا کرتے تھے۔ زرخیز زمین، خوبصورت موسم اور باغات کی کثرت کی وجہ سے یہاں کے باشندے کافی خوش حال تھے، مگر رسول اللہ ﷺ نے یہ سفر نہ وہاں کے باشندوں کی خوش حالی اور زرخیزی سے متاثر ہو کر کیا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اپنے ننھیالی رشتہ داروں سے ملنے اور خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہونے آئے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے یہ سفر پیدل چلتے ہوئے خالص توحید کے پیام کو عام کرنے اور انسانیت

کو کفر و شرک کے ظلمات سے نکال کر ایمان و یقین کے روشنی سے منور کرنے کے لیے کیا تھا اور اس اُمید سے آئے تھے کہ یہاں کے لوگ پیامِ توحید قبول کر لیں اور آپ ﷺ کو محفوظ ٹھکانہ دے دیں، مگر طائف والوں نے آپ ﷺ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی اہلِ مکہ کو بھی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

طائف کا دن آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا، چنانچہ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا: یارسول اللہ! آپ کی زندگی میں اُحد سے بھی زیادہ سخت ترین دن کوئی گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں عائشہ! طائف کا دن بڑا سخت ترین دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو وہاں کے سرداروں کے سامنے پیش کیا تھا۔

طائف مکہ مکرمہ سے ۱۲۰ رکلومیٹر کے فاصلے پر مشرقی جانب اور سطح سمندر سے تقریباً ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اس سفر میں آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ رکھا۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے جب وہاں کے سرداروں سے آپ ﷺ نے ملاقات کی جو آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار بھی تھے، ان دنوں طائف میں عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکے عبد یالیل، مسعود اور حبیب بنو ثقیف کے سردار تھے، آپ ﷺ نے مذکورہ بالا تینوں سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور اپنی مدد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے مسلسل دس دن وہاں قیام کرکے ان کو سمجھانے کی پوری کوشش کی، کفر و شرک چھوڑ کر ایمان کی طرف آنے کی دعوت دی، لیکن ان تینوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا۔

ایک نے کہا: تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہ ملا جسے نبی بناتا؟ دوسرے نے کہا: کعبۃ اللہ کی اس سے بڑی اور کیا توہین ہوگی کہ تم سا شخص پیغمبر ہو؟ تیسرا بولا: میں تم سے ہرگز بات نہ کروں گا، اگر تم سچے ہو تو تم سے گفتگو خلافِ ادب ہے اور اگر جھوٹے ہو تو گفتگو کے قابل نہیں۔ مذکورہ سرداروں نے نہ صرف ہدایت کو قبول نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کو یہ حکم بھی دیا کہ بہت جلد آپ یہ بستی چھوڑ دیں۔ ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، طائف کے بدمعاشوں اور اوباشوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ ﷺ کا مذاق اُڑائیں، چنانچہ انہوں نے راستہ سے گزرتے وقت آپ ﷺ پر پتھر مارنے شروع کر دیئے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ان پتھروں کے لیے سپر بن جاتے، یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا، حضور ﷺ کا جسم لہولہان ہو گیا اور آپ ﷺ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں، جب آپ ﷺ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور پھر آپ ﷺ جب چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے، پتھروں کے برسانے سے آپ ﷺ کو بہت چوٹیں آئیں اور آپ ﷺ زخموں سے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر آبادی سے باہر عتبہ اور شیبہ کے باغ میں لے آئے، عتبہ اور شیبہ باوجود کفر پر قائم ہونے کے شریف الطبع اور نیک نفس تھے، اس باغ میں بیٹھ کر آپ ﷺ نے دعا فرمائی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے، اس دعا کا ایک ایک فقرہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدیت اور تواضع و انکساری کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور سوز و گداز اور درد و کرب کے عطر میں بسا ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طائف کے لوگوں نے آپ ﷺ سے جو بدسلوکی کی اور بدتمیزی کی اس کی وجہ سے آپ ﷺ کس قدر مغموم اور رنجیدہ تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”بارالہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں، یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے، تو مجھے کس کے حوالہ کر رہا ہے؟ کیا کسی بے گانہ کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے، میں تیرے چہرہ کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو، تیری رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔“

عتبہ اور شیبہ کے اسی باغ میں عداس رضی اللہ عنہ نامی ایک شخص نے آپ ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا، وہ آپ ﷺ کے پاس کچھ انگور لے کر آیا اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیئے، آپ ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر انگور کھانے لگے تو عداس حیرت سے آپ ﷺ کی صورت دیکھنے لگا، آپ ﷺ نے پوچھا: تم کہاں کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا کہ: وہ عیسائی ہے اور نینویٰ کا رہنے والا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس صالح انسان کی بستی کے ہو جن کا نام یونس بن متی علیہ السلام تھا؟ عداس نے پوچھا کہ آپ کس طرح انہیں جانتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ: وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، عداس نے آپ ﷺ کا نام پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”محمد“ تب عداس نے کہا کہ: میں نے توریت میں آپ کا اسمِ مبارک دیکھا ہے اور آپ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں، اس کے بعد اس نے کہا کہ: میں ایک عرصہ سے یہاں آپ کے انتظار میں ہوں، مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے، آپ ﷺ کے اسلام پیش فرمانے پر وہ فوری مسلمان ہو گیا اور جھک کر حضور ﷺ کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔

طائف کے اس سفر میں بہت سی باتیں قابلِ توجہ اور لائق تقلید ہیں، پہلی یہ کہ آپ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے لیے بہت فکر مند اور بے چین رہا کرتے تھے، مکہ کے مشرکین نے جب دینِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے طائف کے لوگوں کو سمجھانے کے لیے وہاں کا سفر کیا، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ آپ ﷺ اُمت کے ہر فردِ بشر کو اسلام کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے اسی درد اور جذبہ کو قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾(سورۃ الشعراء:3)

”شاید اے محمد! آپ تو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان کھو دیں گے۔“ (الشعراء:۳)

سفر طائف سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دشمنوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ بہت بہتر تھا اور آپ ﷺ کے اخلاق بہت اعلیٰ تھے، اور اسی اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آپ ﷺ طائف کے سرداروں اور لوگوں سے ملے اور ان کے نازیبا سلوک کے باوجود اپنے عالی اخلاق کو پیش کیا، اور اُمت کو بھی یہ تعلیم دی کہ دعوت و تبلیغ کے لیے داعی کے اندر عمدہ اخلاق اور صبر و تحمل کا ہونا ضروری ہے۔ نبی ﷺ کے انہی اخلاق کو قرآن مجید میں اخلاقِ عظیمہ کہا گیا اور اسی کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

اس سفر میں ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ کی طرف متوجہ رہے، خوشی ہو یا غم، راحت ہو یا مصیبت، ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرنا کامیاب انسان کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کے سفر میں یہی کام کیا، جب طائف والوں نے آپ ﷺ کو سخت ترین تکلیفیں دیں آپ ﷺ کا پورا جسم لہولہان ہو گیا، اس وقت بھی آپ ﷺ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اللہ ہی سے مدد کے طلب گار ہوئے۔

واقعۂ طائف میں ایک بات جو سب سے زیادہ اہم اور قابلِ توجہ ہے وہ آپ ﷺ کا عفو و در گزر ہے، بے انتہا تکلیف دینے والوں کو آپ ﷺ نے معاف کر دیا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کا فرشتہ بھی بھیج دیا تھا اور آپ ﷺ کی اجازت کی ضرورت تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے کہا کہ: اے جبرئیل! ان کو عذاب میں مبتلامت کرو، ہو سکتا ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو میرے دین کو ماننے والے ہوں گے، اسی عفو و در گزر اور صبر و تحمل کا نتیجہ تھا کہ چند ہی سالوں میں طائف کے لوگ ایمان سے مشرف ہوئے۔

اس سفر میں آپ ﷺ تمام تر مصائب و تکالیف کے باوجود تبلیغ کا اہم فریضہ انجام دیتے رہے، جس بستی سے گزرتے، وہاں کے باشندوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عتبہ اور شیبہ کے باغ میں کام کرنے والے شخص عداس نے ایمان قبول کیا۔ علماء کرام نے لکھا کہ عداس رضی اللہ عنہ کا ایمان قبول کرنا اس سفر کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

جنات کا ایمان لانا:

جب نبی کریم ﷺ طائف کے سفر سے واپسی پر اذیت سے دوچار ہوئے تو انھوں نے عکاظ کی جانب جانے کا ارادہ فرمایا تاکہ زیارت کعبہ کو آنے والے قافلوں سے ملاقات کر کے انھیں ایمان کی دعوت دی جا سکے۔ اس مقصد کے لئے جب آپ ﷺ وادئ نخلہ میں پہنچے تو آپ کے ہمراہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس وادی میں جنات کی ایک جماعت موجود تھی جب نبی کریم ﷺ نے عشاء یا تہجد کی نماز میں تلاوت فرمائی تو ان جنات نے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو متاثر ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان پر آسمان کے دروازے بند ہونے کا سبب یہی تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ولادت کے بعد جنات کے لئے آسمان کے دروازے بند ہو چکے تھے اور ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے تھے جس کے بعد سے جنات اس کا سبب جاننے کی کوشش میں تھے۔

﴿وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَشُهُبًا (8) وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (9) وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (10)﴾ (سورۃ الجن:8-10)

اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے اسے سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور ہم اس کے ٹھکانوں (آسمانوں) میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے، پس جو کوئی اب کان دھرتا ہے تو وہ اپنے لیے ایک انگارہ تاک لگائے ہوئے پاتا ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ نقصان کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کی نسبت ان کے رب نے راہ راست پر لانے کا ارادہ کیا ہے۔

قرآن کریم کی آیات سن کر انھیں اس کا سبب معلوم ہو گیا۔ تو وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے دی۔

﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (29) قَالُوْا يَا قَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِىٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ (30) يَا قَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِىَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (31) وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِىَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (32)﴾ (سورۃ الاحقاف:29-32)

" اور جب ہم نے آپ کی طرف چند ایک جنوں کو پھیر دیا جو قرآن سن رہے تھے، پس جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے چپ رہو، پھر جب ختم ہوا تو اپنی قوم کی طرف واپس لوٹے ایسے حال میں کہ وہ ڈرانے والے تھے۔ کہنے لگے اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، ان کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہو چکیں، حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کو مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔ اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کو نہ مانے گا تو وہ زمین میں اسے عاجز نہیں کر سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہ ہو گا، یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں"۔

اس واقعے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجن میں بھی فرمایا ہے۔

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (1) يَهْدِيْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا (2) وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (3) وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا (4)﴾ (سورۃ الجن:4-1)

کہہ دو کہ مجھے اس بات کی وحی آئی ہے کہ کچھ جن (مجھ سے قرآن پڑھتے ہوئے) سن گئے ہیں، پھر انہوں نے (اپنی قوم سے) جا کر کہہ دیا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے۔ جو نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے سو ہم اس پر ایمان لائے ہیں، اور ہم اپنے رب کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور ہمارے رب کی شان بلند ہے نہ اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا۔ اور ہم میں سے بعض بے وقوف ہیں جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے۔

وادی نخلہ میں آپ ﷺ سے قرآن مجید سن کر جنات ایمان لے آئے۔ کیونکہ وہ بھی آپ ﷺ کو پہچان چکے تھے۔ بعد میں لیلۃ الجن میں جنات کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔

یہود و نصاریٰ بھی آپ ﷺ کو پہچانتے تو تھے۔ لیکن اپنے فطرت سے مجبور تھے جس میں وہ انبیاء کرام کو شہید کرتے آئے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۭ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْھُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ ھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:146)

" جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے، ان کی ایک جماعت حق کو پہچان کر پھر چھپاتی ہے"۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام:20)

" جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے پہچانتے ہیں ایسے ہی جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور جو لوگ اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال چکے ہیں وہی ایمان نہیں لاتے"۔

یعرفونہ میں ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں یعنی اہل کتاب آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ آپ کی صفات ان کی کتابوں میں بیان کی گئیں تھیں اور ان صفات کی وجہ سے وہ آخری نبی کے منتظر بھی تھے۔ اس لئے اب ان میں سے ایمان نہ لانے والے سخت خسارے میں ہیں کیونکہ یہ علم رکھتے ہوئے بھی انکار کر رہے ہیں۔" فان كنت لا تدری فتلك مصيبة وان كنت تدری فالمصيبة اعظم" اگر تجھے علم نہیں ہے تو یہ بھی اگرچہ مصیبت ہی ہے تاہم اگر علم ہے تو پھر زیادہ بڑی مصیبت ہے۔

اہل کتاب کا آپ کو پہچاننا:۔ عرب میں یہ الفاظ بطور محاورہ بولے جاتے ہیں یعنی اگر کسی شخص کو کسی چیز کے متعلق پختہ یقین ہو تا تو کہتے کہ وہ اسے ایسے پہچانتا ہے جیسے اپنے بیٹے کو۔ یعنی جس طرح ایک باپ بچوں کے اجتماع میں اپنے بیٹے کو فوراً پہچان لیتا ہے بالکل اسی طرح اہل کتاب، اپنی کتاب میں مذکور نشانیوں کے مطابق نبی آخر الزماں کو پہچان چکے تھے کہ وہ فی الواقع وہی نبی ہے جس کی بشارات دی گئی ہیں پھر بھی اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو اس کی وجوہ دوسری ہیں مثلاً قومی عصبیت، اپنی اپنی سرداریوں اور گدیوں کا خاتمہ، حسد اور بغض وغیرہ یا یہ عقیدہ کہ موسوی شریعت قیامت تک کے لیے غیر متبدل ہے یا یہ کہ کوئی نبی بنی اسرائیل کے علاوہ آ ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ بھی ہو یہ بہر حال اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

تورات وانجیل میں رسول کریم ﷺ کا پورا حلیہ مبارک کہ آپ ﷺ کے وطن اصلی پھر وطن ہجرت کا، اور آپ ﷺ کے عادات واخلاق اور آپ ﷺ کے کارناموں کا ایسا تفصیلی ذکر ہے کہ اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، بلکہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کا ذکر نہیں، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے حالات کا مفصل تذکرہ تک تورات وانجیل میں موجود ہے، اس لئے اس کا کوئی امکان نہیں کہ جو شخص تورات وانجیل کو پڑھتا اور ان پر ایمان رکھتا ہو وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ پہچانے۔

اس جگہ حق تعالیٰ نے تشبیہ کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ جیسے لوگ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ جیسے بچے اپنے ماں باپ کو پہچانتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کی پہچان اپنے بچوں کے لئے سب سے زیادہ تفصیلی اور یقینی ہوتی ہے، بچوں کے بدن کا ہر حصہ ماں باپ کے سامنے آتا رہتا ہے، وہ بچپن سے لے کر جوانی تک ان کے ہاتھوں اور گود میں پرورش پاتے ہیں، اس لئے وہ جتنا اپنی اولاد کو پہچان سکتے ہیں اتنا اولاد ان کو نہیں پہچان سکتی۔

آخر آیت میں فرمایا کہ یہ اہل کتاب جو پوری طرح رسول کریم ﷺ کو پہچاننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتے، یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کر رہے اور خسارہ میں پڑ رہے ہیں۔

چند صحابی کرام رضی اللہ عنہما کا تذکرہ جنھوں نے اس مصباحِ حق کو دیکھا اور اس کے نور سے منور ہو گئے۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

آفتابِ نبوت کی کرنوں سے جن خوش نصیب لوگوں کے سینے منور ہوئے اور انہیں بارگاہِ رسالت کی حاضری نصیب ہوئی ان میں ایک نام حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے، جو توراۃ وانجیل کے حافظ اور مذہبِ یہودیت اور عیسائیت پر گہری نظر رکھنے والے زبردست عالم تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ مستند تاریخی روایات کے مطابق ماہِ ربیع الثانی 1ھ میں پیش آیا۔

نام ونسب اور خاندان

قبولِ اسلام سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کا نام حصین تھا، مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا اسلامی نام عبد اللہ تجویز کیا، والد کا نام سلام اور دادا کا نام حارث ہے، کنیت ابو یوسف ہے، یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنو قینقاع کے چشم وچراغ تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی حضرت یوسف علیہ السلام سے ملتا ہے، اسی عالی نسبت اور خاندانی شرافت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ یہود کے ہاں مسلّمہ روحانی شخصیت تصور کیے جاتے تھے اور دور دراز کے علاقوں سے یہودی آپ رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے آتے تھے۔

زیارتِ نبوی کا شوق

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا شمار ان انصاف پسند اہلِ کتاب میں ہوتا تھا جو تشدد و تصلب اور ضد و تعصب سے کوسوں دور تھے، اسی اعتدال اور متوازن سوچ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ بنا دیا تھا اور وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب تھے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آخیر شب میں حسبِ معمول توراۃ کا مطالعہ کرنے میں مشغول تھے کہ توراۃ کی ایک آیت نے ان کے دل و دماغ پر سحر طاری کر دیا ،اس آیت کا مفہوم یہ تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوں گے اور یثرب جو کہ کھجوروں والا شہر ہے اس میں ہجرت کریں گے، اس سے قبل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد نشانیاں ان کے زیرِ مطالعہ آچکی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے متعلق پڑھ کر ان کا اشتیاقِ زیارت اور بڑھ گیا اور بکثرت یہ دعا کیا کرتے "اے اللہ! مجھے اتنی زندگی عطا فرما کہ میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کر سکوں"۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو خزرج کے چھ آدمی مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیات سے مشرف ہو کر اور بیعتِ اسلام کر کے آئے ہیں، یہ سن 11 نبوی کا واقعہ ہے، یہ خبر سنتے ہی سیدھا ان کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال دریافت کیے، جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور صفات بیان کیں تو انہیں توراۃ میں بیان کردہ تفصیلات کے عین مطابق پایا، اس کے بعد زیارتِ رسول کے لیے ان کی بے چینی اور زیادہ ہو گئی اور وصل کے شوق میں انتظار کرنا مزید مشکل ہو گیا۔

بارگاہِ رسالت میں پہلی حاضری

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں باغ میں کھجوروں کے درخت پر چڑھ کر اس کی کانٹ چھانٹ کر رہا تھا کہ کسی نے مجھے آکر اطلاع دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا کی بستی میں واقع محلہ بنو عمرو بن عوف میں پہنچ چکے ہیں، میں نے یہ سنتے ہی خوشی سے "اللہ اکبر" کہا اور درخت سے نیچے اتر آیا، میری پھوپھی خالدہ بنت حارث بھی باغ میں موجود تھیں، کہنے لگیں: تیرا ناس ہو! اگر حضرت مُوسیٰ بن عمران علیہ السلام کی آمد کی خبر ملتی تو کیا پھر بھی اتنا خوش ہوتے ؟ میں نے کہا: یہ مُوسیٰ بن عمران کے ہی بھائی ہیں، اس کے بعد وہ پوچھنے لگیں: کیا یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ہم سنتے ہیں کہ وہ قیامت سے پہلے آئیں گے ؟ میں نے کہا: ہاں! یہ وہی نبی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی سے مختصر گفت گو کے بعد قبا پہنچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ایک ہجوم میں تشریف فرما تھے، میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر جیسے ہی میری نگاہ پڑی تو میری زبان سے بے ساختہ نکلا "وجھہ لیس بوجہ کذاب" کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کلام

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مجلسِ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ فرما رہے تھے، سب سے پہلے الفاظ جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے وہ چار نصیحتوں پر مشتمل ایک خوب صورت اور مقفی جملہ تھا، جس سے امن و آتشی اور محبت و الفت کے پھول جھڑ رہے تھے، وہ الفاظ یہ تھے: "اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور جب سب لوگ سو جائیں تو تنہائی میں اٹھ کر نماز پڑھو (ان اعمال کی جزا یہ ملے گی کہ) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔

حضور ﷺ سے سوال وجواب

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنی حاضری کے واقعہ کی مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وعظ و نصیحت سے فارغ ہو کر میں نے نبی کریم ﷺ سے تین سوال کئے ایک یہ کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ اہلِ جنت کو سب سے پہلے کون سا کھانا پیش کیا جائے گا؟ تیسرا یہ کہ بچے کی شکل کب اپنے باپ پر اور کب اپنی ماں پر جاتی ہے؟ نبی کریم ﷺ نے کچھ دیر توقف کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ابھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے ان تین سوالوں کے جواب دیے ہیں۔ پھر ترتیب وار ان سوالوں کے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہو گی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر لائے گی۔ اہلِ جنت کی دعوت میں جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہو گا۔ جب مرد کا مادہ تولید غالب آجائے تو بچہ باپ کی شکل پر اور جب ماں کا مادہ تولید غالب آجائے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔

قبولِ اسلام

فرماتے ہیں کہ سوال وجواب ختم ہوتے ہی میں نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا، جب اہلِ خانہ اور اپنی پھوپھی کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور حضور ﷺ کا تعارف کروایا تو وہ بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، میں ان سب کو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور آپ ﷺ نے انہیں دائرہ اسلام میں داخل فرما دیا۔ اہلِ خانہ کو کلمہ پڑھوانے کے بعد حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے لیے کوشش کی کہ وہ اسلام لے آئیں، لیکن ان کی کوشش کام یاب نہ ہو سکی، اس کا واقعہ آپ رضی اللہ عنہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری قوم بڑی بد فطرت ہے، جب انہیں میرے اسلام لانے کا علم ہو گا تو وہ مجھ پر طرح طرح کی الزام تراشی کریں گے، اس لیے ان کو میرے اسلام لانے کی اطلاع کرنے سے قبل میرے متعلق ان کے خیالات جان لیجیے! چناں چہ نبی کریم ﷺ نے میری رائے پر یہودیوں کے اکابر کو بلایا اور مجھے پردے کے پیچھے بھیج دیا، نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا مجھے اللہ کا رسول مانتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: حصین بن سلام (عبد اللہ بن سلام) تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمارے قوم کے بہترین شخص ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات سنتے ہی باہر نکل آیا اور ان کے سامنے پڑھا "اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ"۔ انہوں نے فوراً اپنی بات بدل دی اور کہنے لگے: یہ ہماری قوم کا بدترین شخص ہے اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے کہ تم لوگ ہمارے رسول ﷺ کو ایسا پہچانتے ہو جیسے اپنی اولاد کو اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ہم رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اوصاف کے ساتھ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں نازل فرمائے، اس لئے اس کا علم ہمیں یقینی اور قطعی طور پر ہے، بخلاف اپنی اولاد کے کہ اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری اولاد ہے بھی یا نہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ انتہائی ایمان افروز ہے۔ آپکا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام مابہ تھا، اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہِ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا، ابوعبد اللہ، کنیت ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے: مابہ ابن بوذ خشان بن مور سلان بن یہوذان بن فیروز ابن سہرک۔

ابتدائی حالات:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے، ان کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے، آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی؛ چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتداء سے تھا، اس لیے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کیے، شب وروز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے؛ حتی کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسائیت کا میلان:

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی؛ اس لیے زراعت کی نگرانی وہ بذاتِ خود کرتا تھا، ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جاسکا اور اس کی دیکھ بھال کے لیے سلمان کو بھیج دیا، ان کو رستہ میں ایک گرجا ملا، اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی، نماز کی آوازیں سن کر دیکھنے کے لیے گرجے میں چلے گئے، نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی، عیسائیوں کا طریقہ عبادت اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے؛ چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کے اسی میں محو ہو گئے، عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے؛ انہوں نے کہا کہ شام میں، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے، باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے؟ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے، مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا، باپ نے کہا: وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں، جواب دیا، بخدا! وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے، اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو، اس لیے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا؛ مگر ان کے دل میں تلاشِ حق کی تڑپ تھی، اس لیے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا؛ چنانچہ جب وہ آئے تو اُن کو خبر کر دی؛ انھوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتلانا؛ چنانچہ جب کاروانِ تجارت واپس لوٹنے لگا، ان کو خبر کی گئی، یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے، شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑا مذہبی شخص کون ہے؟ لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا، اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

تبدیلیِ مذہب:

چنانچہ وہ مجوسیت کے آتشکدے سے نکل کر مسیحیت کی پناہ میں آ گئے؛ مگر یہ پادری بہت بدکردار اور بداخلاق تھا، لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آجاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کی بجائے خود لے لیتا؛ حتی کہ سونے اور چاندی کے سات مٹکے اس کے پاس جمع ہو گئے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کی حرص اور آز کو دیکھ کر پیچ وتاب کھاتے تھے؛ مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان

وشوکت سے اس کی تجہیز وتکفین کرنے کو جمع ہوگئے، اس وقت انھوں نے سارا اعمالنامہ ان لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا؛ انہوں نے ان کو لے جاکر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا، تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے بر آمد ہوئے، عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کے بجائے اس کی نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا، اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا، یہ بڑا عابد وزاہد اور تارک الدنیا تھا، شب وروز عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتا، سلمان رضی اللہ عنہ اس سے بہت مانوس ہوگئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے، جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے کہا کہ میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف ومحبت کے ساتھ رہا، اب آپ کا وقت آخر ہے، اس لیے آئندہ کے لیے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے، اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو، سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے؛ بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیے ہیں، ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دینِ حق کا سچا پیرو ہے تم جاکر اس سے ملاقات کرنا۔

موصل کا سفر:

اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کرکے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ اُبلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں، اس نے ان کو ٹھہرالیا پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا، اس لیے انھوں نے اس کے پاس مستقل قیام کرلیا؛ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اسکا وقت بھی آگیا، آئندہ کے متعلق حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے ملکر دوسرے پادری کی وصیت بتلائی، یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا، سلمان یہاں مقیم ہوکر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اُٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہوگیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

عموریہ کا سفر:

چنانچہ اس کی موت کے بعد انھوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہوگئے، کچھ بکریاں خریدلیں، اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے اور صبر وشکر کے ساتھ روحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے، جب اس کا بھی آخری وقت آگیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنی سرگذشت سنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا، آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لیے میرا کوئی سامان کرتے جایئے، اس نے کہا: بیٹا میں تمہارے لیے کیا سامان کروں؟ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمھیں مشورہ دوں؛ البتہ اب اس نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دینِ ابراہیم علیہ السلام کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کریگا، اس کے علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کریگا؛ لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھے گا، اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر:

اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گذرے، آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچادو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمھاری نذر کردونگا، وہ لوگ تیار ہوگئے۔

غلامی:

لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا، کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کہ شاید یہی وہ منزلِ مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا، تھوڑے دن قیام کیا تو یہ اُمید بھی منقطع ہوگئی، آقا کا چچازاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر:

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے؛ مگر ہاتفِ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔ درحقیقت اس غلامی پر جو مقصودِ عالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں، جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار وعلامات بتاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے، اب ان کو پورا یقین ہوگیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے؛ اس وقت آفتاب رسالت مکہ پر توافگن ہوچکا تھا؛ لیکن جوروستم کے بالدوں میں چھپا تھا، سلمان رضی اللہ عنہ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا کہ خود اس کا پتہ لگاتے، آخر انتظار کرتے کرتے وہ روزِ مسعود بھی آگیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا، حرمان نصیب سلمان کی شبِ ہجر تمام ہوئی اور صبح اُمید کا اُجالا پھیلا، یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کررہے تھے اور آقا نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کے چچازاد بھائی نے آکر کہا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکہ سے آیا ہے، یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں، سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارئے ضبط باقی نہ رہا، صبر وشکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہوگئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرشِ زمین پر آجائیں؛ اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اُترے اور بدحواسی میں بے تحاشا پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو؟ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو، اس وقت سلمان خاموش ہوگئے؛ لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں ان کے لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہلِ حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لیے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ ان کے مستحق کون ہوسکتے ہیں؟ اس کو قبول فرمایئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا؛ مگر خود نوش نہ فرمایا؛ اس طرح سے سلمان رضی اللہ عنہ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہوگیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا، دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمایئے، آپ نے قبول فرمایا، خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا، اس طرح سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سامنے آؤ! وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگذشت سنائی؛ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

قبول اسلام:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جب اپنا گوہر مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے، اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔

آزادی:

غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادانہ کرسکتے تھے؛ اسی وجہ سے غزوۂ بدر واُحد میں شریک نہ ہوسکے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرلو، تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیے، اس طریقہ سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے ان کو بٹھایا اور زمین وغیرہ ہموار کرکے ایک شرط پوری کردی، اب سونے کی ادائیگی باقی رہ گئی اس کا سامان بھی خدا نے کردیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا، آپ نے سلمان کو دے دیا، یہ وزن میں ٹھیک چالیس اُوقیہ تھا، اس سے گلوخلاصی حاصل کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی، اس وقت بالکل غریب الدیار تھے، کوئی شناسانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مواخاۃ کرادی۔ (مسند احمد بن حنبل: ۵/ ۴۱ تا ۴۴)۔

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ جو یہودیوں کے علماء میں سے تھے اور بہت مالدار تھے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تورات و انجیل کے بیان کردہ اوصاف ہی کے ذریعہ پہچانا تھا، صرف ایک وصف ایسا تھا جس کی ان کو پہلے تصدیق نہیں ہوسکی تھی، امتحان کے بعد تصدیق ہوئی، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ پر غالب ہوگا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تجربہ کیا تو یہ صفت بھی پوری طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ وہ مسلمان ہوئے تو تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ ان کی وفات غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران ہوئی...

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (یہ بھی علمائے یہود میں سے تھے اور اسلام لائے تھے) روایت کرتے ہیں کہ جب زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی نظر میں دیکھا تو نبوت کی تمام نشانیاں پہچان لیں، مگر دو نشانیاں نہ ملیں۔ ایک ان کا تحمل جو اُن کے غُصے پر حاوی ہوتا ہے۔ دوسری کسی نادان کی سختی اور درشتی پر تحمل کا زیادہ ہونا...

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "مجھے اس کی تمنا تھی کہ کسی ذریعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاملہ کروں، تاکہ یہ نشانیاں بھی ظاہر ہوں" وہ فرماتے ہیں کہ: "ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر نکلے۔ اُن کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی سوار آیا اور اُس نے عرض کیا: "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں بستی کے لوگ مسلمان ہیں اور فاقے میں مبتلا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مناسب سمجھیں تو ان کے پاس کچھ کھانے کا بھیج دیں" ...

آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ایسا ضرور کرتا، مگر میرے پاس اس وقت کچھ نہیں" ...

یہ سن کر میں نبی کریم ﷺ کے قریب ہوا اور کہا: "اے محمد ﷺ اگر آپ ﷺ چاہیں، تو مجھ سے ابھی کچھ رقم لے لیں اور دو ماہ بعد اس کے بدلے میں کھجوریں دے دیجئے گا...؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "درست ہے" ...

"میں نے اُسی وقت آپ ﷺ کو اسی (80) دینار دے دیے" ...

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: "جب دو مہینے پورے ہونے میں صرف دو دن باقی تھے تو نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ اس وقت ایک جنازے کے لیے باہر نکلے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ چند صحابہ کرام بھی تھے۔ میں نے حضور ﷺ کی قمیص اور چادر کو پکڑا اور غصے کی حالت میں آپ ﷺ کی طرف دیکھا اور کہا:

"اے محمد ﷺ! میرا حق دو۔ اللہ کی قسم تم قریش کے لوگ بڑے وعدہ خلاف ہو۔ قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتے ہو" ...

میں نے اسی طرح کی دو چار اور باتیں کیں۔ جب میری نگاہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو میں نے دیکھا کے غصے سے ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے دشمن! کیا تو نبی کریم ﷺ سے اس طرح باتیں کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں... اللہ کی قسم میں تیری گردن اُڑا دوں گا" ...

اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے بڑے اطمینان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا کہ:

"اے عمر رضی اللہ عنہ، اس کے ساتھ جا کر اس کو اس کا حق ادا کر دو اور بیس سیر کھجوریں زیادہ دینا، کیونکہ تو نے اُسے ہراساں کیا ہے" ...

حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا اور اُنہوں نے میرا حق بھی ادا کر دیا اور بیس سیر کھجوریں زائد دیں"...

میں نے عرض کیا:

"اے عمر رضی اللہ عنہ! کیا تمہیں معلوم ہے یہ سب کچھ میں نے کیوں کیا؟ یہ اس لیے کہ میں محمد ﷺ کی ساری نشانیاں پہچان چکا تھا، صرف یہی دو علامتیں باقی تھیں جو پہچان لیں، تم گواہ رہو کہ میں نبی کریم ﷺ پر ایمان لایا! ... "

اور اس کے بعد حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

قیصر روم کے دربار میں ابو سفیان کی گواہی

آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل بھی آپ ﷺ کا کردار قابل قدر تھا۔ آپ صادق اور امین تھے۔ آپ کو انتہائی عزت و مرتبہ حاصل تھا۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا کوئی ایسا لمحہ یا گوشہ ایسا نہیں جس پر اعتراض ہو سکے یہی وجہ ہے کہ قیصر روم کے دربار میں حضرت اَبو سفیان جو کہ اس وقت تک آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ باوجود دشمن ہونے کے تعریف پر مجبور تھے۔

(مشکوۃ المصابیح - نبوت کی علامتوں کا بیان - حدیث نمبر 5783)

عن ابن عباس قال : حدثني أبو سفيان بن حرب من فيه إلى في قال : انطلقت في المدة التي كانت بيني وبين رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : فبينا أنا بالشام إذ جيء بكتاب النبي صلى الله عليه و سلم إلى هرقل . قال : وكان دحية الكلبي جاء به فدفعه إلى عظيم بصرى فدفعه عظيم بصرى إلى هرقل فقال هرقل : هل هنا أحد من قوم هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي ؟

قالوا : نعم فدعيت في نفر من قريش فدخلنا على هرقل فأجلسنا بين يديه فقال : أيكم أقرب نسبا من هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي ؟ قال أبو سفيان : فقلت : أنا فأجلسوني بين يديه وأجلسوا أصحابي خلفي ثم دعا بترجمانه فقال : قل لهم : إني سائل هذا عن هذا الرجل الذي يزعم أنه نبي فإن كذبني فكذبوه . قال أبو سفيان : وأيم الله لولا مخافة أن يؤثر علي الكذب لكذبته ثم قال لترجمانه : سله كيف حسبه فيكم ؟ قال : قلت : هو فينا ذو حسب . قال : فهل كان من آبائه من ملك ؟ قلت : لا . قال : فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال ؟ قلت : لا . قال : ومن يتبعه ؟ أشراف الناس أم ضعفاؤهم ؟ قال : قلت : بل ضعفاؤهم . قال : أيزيدون أم ينقصون ؟ قلت : لا بل يزيدون . قال : هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له ؟ قال : قلت : لا . قلت : فهل قاتلتموه ؟ قلت : نعم . قال : فكيف كان قتالكم إياه ؟ قال : قلت : يكون الحرب بيننا وبينه سجالا يصيب منا ونصيب منه . قال : فهل يغدر ؟ قلت : لا ونحن منه في هذه المدة لا ندري ما هو صانع فيها ؟ قال : والله ما أمكنني من كلمة أدخل فيها شيئا غير هذه . قال : فهل قال هذا القول أحد قبله ؟ قلت : لا . ثم قال لترجمانه : قل له : إني سألتك عن حسبه فيكم فزعمت أنه فيكم ذو حسب وكذلك الرسل تبعث في أحساب قومها . وسألتك هل كان في آبائه ملك ؟ فزعمت أن لا فقلت : لو كان من آبائه ملك . قلت : رجل يطلب ملك آبائه . وسألتك عن أتباعه أضعفاؤهم أم أشرافهم ؟ فقلت : بل ضعفاؤهم وهم أتباع الرسل . وسألتك : هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال ؟ فزعمت أن لا فعرفت أنه لم يكن ليدع الكذب على الناس ثم يذهب فيكذب على الله . وسألتك : هل يرتد أحد منهم عن دينه بعد أن يدخل فيه سخطة له ؟ فزعمت أن لا وكذلك الإيمان إذا خالط بشاشته القلوب . وسألتك هل يزيدون أم ينقصون ؟ فزعمت أنهم يزيدون وكذلك الإيمان حتى يتم وسألتك هل قاتلتموه ؟ فزعمت أنكم قاتلتموه فتكون الحرب بينكم وبينه سجالا ينال منكم وتنالون منه وكذلك الرسل تبتلي ثم تكون لها العاقبة . وسألتك هل يغدر فزعمت أنه لا يغدر وكذلك الرسل لا تغدر وسألتك هل قال هذا القول أحد قبله ؟ فزعمت أن لا فقلت : لو كان قال هذا القول أحد قبله قلت : رجل أئتم بقول قيل قبله . قال : ثم قال : بما يأمركم ؟ قلنا : يأمرنا بالصلاة والزكاة والصلة والعفاف . قال : إن يك ما تقول حقا فإنه نبي وقد كنت أعلم أنه خارج ولم أكن أظنه منكم ولو أني أعلم أني أخلص إليه لأحببت لقاءه ولو كنت عنده لغسلت عن قدميه وليبلغن ملكه ما تحت قدمي . ثم دعا بكتاب رسول الله صلى الله عليه و سلم فقرأه . متفق عليه وقد سبق تمام الحديث في باب الكتاب إلى الكفار

قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان کی گواہی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابوسفیان ابن حرب نے مجھے آمنے سامنے یہ بیان کیا ہے کہ اس صلح (حدیبیہ) کی مدت میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھی (اور نہ صرف یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ دشمنان اسلام کا سردار تھا) میں نے سفر کیا اور اتفاق سے اس وقت جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ہرقل (قیصر روم کے پاس پہنچا میں ملک شام میں مقیم تھا! ابوسفیان نے کہا کہ نامہ مبارک دحیہ کلبی لے کر آئے تھے جس کو انہوں نے بصری کے حاکم کے پاس پہنچایا اور بصری کے حاکم نے اس نامہ مبارک کو ہرقل کی خدمت میں پیش کیا، ہرقل نے پوچھا کہ کیا اس شخص کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے جو اپنے نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے (تاکہ میں اس مدعی نبوت کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہ جان سکوں کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟) اس کے عملہ نے بتایا کہ ہاں (اس شخص کی قوم سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو ہمارے یہاں تجارت کی غرض سے آیا ہوا ہے) چنانچہ مجھے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ (جو بیس آدمیوں پر مشتمل تھی) ہرقل کے دربار میں طلب کیا گیا۔ جب ہم ہرقل کے پاس پہنچے تو ہمیں اس کے سامنے بٹھایا گیا (تاکہ آسانی کے ساتھ ہم اس کی اور وہ ہماری بات سن سکے) سب سے پہلے ہرقل نے پوچھا کہ تم

میں سے کون آدمی اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو نبوت کا مدعی ہے؟ ابو سفیان کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) میں نے کہا کہ اس شخص کا سب سے قریبی رشتہ دار میں ہوں۔ اس کے بعد تنہا مجھ کو ہر قل کے سامنے تخت شاہی کے قریب) بٹھا دیا گیا اور میرے ساتھ والوں کو میرے پیچھے بٹھلایا گیا۔ پھر ہر قل نے اپنے مترجم کو طلب کیا (جو عربی اور رومی دونوں زبانیں جانتا تھا) اور اس سے کہا کہ تم اس شخص (ابو سفیان) کے ساتھیوں سے کہہ دو میں اس (ابو سفیان) سے اس شخص کے حالات معلوم کروں گا جو نبوت کا دعوے کرتا ہے، اگر یہ (ابو سفیان) مجھ کو کوئی غلط بتائے تو تم لوگ (بلا جھجک) اس کی تردید کرنا اور مجھے صحیح بات بتا دینا۔ ابو سفیان کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھے دروغ گو مشہور کر دیا جائے گا تو یقینا میں ہر قل کے سامنے جھوٹ بولتا (اور آنحضرت ﷺ کے بارے میں صحیح بات نہ بتاتا) اس کے بعد ہر قل نے اپنے مترجم سے کہا کہ ابو سفیان سے پوچھو! تمہارے درمیان اس شخص (آنحضرت ﷺ کا حسب کیسا ہے؟ ابو سفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا وہ شخص ہم میں حسب والا ہے یعنی اعلی حسب رکھتا ہے۔ پھر ہر قل نے پوچھا کی اس شخص کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ میں نے کہا کبھی نہیں! پھر ہر قل نے پوچھا جو کچھ وہ اب کہتا ہے اس سے پہلے بھی اس نے کبھی ایسی بات کہی جس کو تم نے جھوٹ سمجھا ہو (یعنی نبوت کا دعوی کرنے سے پہلے کے زمانہ میں کیا وہ جھوٹ بولا کرتا تھا یا کسی شخص نے کبھی اس پر جھوٹ کا الزام لگایا تھا؟) میں نے کہا نہیں! پھر ہر قل نے پوچھا اس کا اتباع کرنے والے اور اس پر ایمان لانے والے لوگ کون ہیں؟ شرفاء یا کمزور ضعیف لوگ؟ ابو سفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا کہ اس کے اتباع کرنے والے کمزور ضعیف لوگ ہیں ہر قل نے پوچھا اس شخص کے تابعداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا کہ کم نہیں ہو رہی بلکہ زیادہ ہو رہی ہے پھر ہر قل نے پوچھا اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی اس سے ناخوش ہو کر یا اس دین کی راہ میں پیش آنے والی سختی سے بیزار ہو کر دین کو چھوڑ بھی بیٹھتا ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا نہیں کوئی نہیں چھوڑتا پھر ہر قل نے پوچھا کیا تم لوگ اس سے لڑتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں پھر ہر قل نے پوچھا کہ اس سے تمہاری لڑائی کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ میں نے جواب دیا ہمارے اس کے درمیان ہونے والی جنگ دو ڈولوں کی مانند ہوتی ہے کبھی ہم اس کو بھگتتے ہیں اور کبھی وہ ہم کو بھگتتا ہے یعنی ہمارے اور اس کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کا حال ان دو ڈولوں کی طرح ہے جن کو بیک وقت پانی سے بھرنے کی کوشش کی جائے کہ کبھی ایک بھر جاتا ہے تو دوسرا خالی رہ جاتا ہے اور کبھی دوسرا ابھر جاتا ہے تو پہلا خالی ہو جاتا ہے ایسے ہی کبھی ہم اس مدعئ نبوت اور اس کے ساتھیوں پر غالب آجاتے ہیں اور کبھی وہ ہم پر غالب آجاتا ہے اسی طرح کبھی ہم اس کی وجہ سے مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ ہماری وجہ سے مصائب و تکلیف اٹھاتا ہے پھر ہر قل نے پوچھا کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے یعنی کسی سے صلح کرنے کے بعد اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیتا ہے؟ میں نے کہا نہیں پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس نے کسی سے صلح کی ہو اور اس کو از خود ختم کر دیا ہو، البتہ آج کل ہمارے اور اس کے درمیان جو صلح (یعنی صلح حدیبیہ) ہے اس کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کی روش کیا رہے گی (آیا وہ اس صلح کو اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے توڑ دے گا یا باقی رکھے گا)۔ ابو سفیان کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم (ہر قل سے پورے سوال و جواب کے درمیان) صرف ایک بات ایسی تھی جو میں نے اپنے جذبات کے تحت کہی تھی اس کے علاوہ اور کوئی بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی (یعنی ہر قل کے کسی سوال کے جواب میں کوئی ایسی بات کہنے پر قادر نہیں ہو سکا جو میرے نزدیک خلاف حقیقت تھی یا جس سے آنحضرت ﷺ کی توہین و تنقیص ہوتی ہاں اس ایک بات کا اظہار اپنی طرف سے میں نے بیشک کیا کہ آج کل ہمارے اور ان کے درمیان جو صلح چل رہی ہے اس کے بارے میں ہمیں یہ خوف ہے کہ کہیں وہ عہد شکنی نہ کریں میری اس بات سے ذات رسالت

کی طرف عہد شکنی کی نسبت کا احتمال ظاہر ہوتا تھا) بہر حال پھر ہرقل کا سوال یہ تھا کہ کیا اس طرح کی بات اس سے پہلے بھی کبھی کسی نے کہی ہے (یعنی مشہور پیغمبروں جیسے ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام)، اسباط (علیہ السلام)، موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) وغیرہ کے علاوہ تمہاری قوم سے کسی اور شخص نے بھی اس سے پہلے نبوت کا دعوی کیا ہے؟) میں نے جواب دیا! نہیں۔ (ان تمام سوال وجواب کے بعد) ہرقل نے (ضروری سمجھا کہ اپنے ان سوالوں کو جو نبوت ورسالت کے باب میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں عقل ونقل اور تجربہ ومعلومات کی روشنی میں واضح کرے۔ چنانچہ اس نے) اپنے مترجم سے کہا کہ تم اس (سفیان) سے کہو کہ میں نے تمہارے درمیان اس شخص کے حسب کے بارے میں تم سے پوچھا اور تم نے بتایا کہ وہ حسب والا ہے تو حقیقت یہی ہے کہ رسول اور نبی اپنی قوم کے اشراف ہی میں سے ہوتے رہے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا تھا کہ اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ تھا اور تم نے بتایا کہ کوئی نہیں، تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ ایک شخص ہے جو اپنے باپ دادا کی حکومت کا طالب ہے (اور حکمرانی وسرداری کی اپنی اس طلب وخواہش کو نبوت کے دعوے کے ذریعہ ظاہر کر رہا ہے) پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس کی اتباع کرنے والے لوگ اپنی قوم کے شرفاء (یعنی دولت وثروت اور دنیاوی جاہ حشم رکھنے والے ہیں یا کمزور وضعیف (یعنی مفلس ومسکین اور گوشہ نشین لوگ) ہیں اور تم نے بتایا کہ کمزور وضعیف لوگ اس کے تابعدار ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے تابعدار (عام طور پر) کمزور وضعیف لوگ ہی ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس وقت وہ جو کچھ کہتا ہے (یعنی دعوی نبوت) اس سے پہلے کیا تمہیں کبھی اس کے جھوٹ کا تجربہ ہوا ہے۔ اور تم نے بتایا کہ نہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص لوگوں سے تو جھوٹ بولنے سے اجتناب کرے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹ بولے میں نے پوچھا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس سے ناخوش ہو کر دین سے دین کو چھوڑ بھی بیٹھتا ہے؟ اور تم نے بتایا تھا کہ نہیں، تو درحقیقت ایمان کا یہی حال ہے کہ وہ جب دلوں میں جگہ پکڑ لے اور روح اس کی لذت وحلاوت سے آشنا ہو جائے تو پھر ہرگز جدا نہیں ہوتا (اور اگر شاذ ونادر کوئی شخص دین چھوڑ بھی بیٹھے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان سرے سے داخل وراسخ ہی نہیں ہوا تھا، میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس شخص کے تابعداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ اور تم نے بتایا تھا کہ بڑھ رہی ہے تو درحقیقت ایمان کا یہی حال ہے (کہ روز بروز اس کا دائرہ اثر وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور اہل ایمان کی تعداد بڑھتی رہتی ہے) آخر کار وہ پایہ تکمیل واتمام پہنچ جاتا ہے میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم لوگ اس سے لڑتے ہو؟ اور تم نے جواب دیا تھا کہ ہاں لڑتے ہیں اور لڑائی کا انجام دو ڈولوں کی طرح ہوتا ہے کہ کبھی وہ تم سے مصیبت اٹھاتا ہے اور کبھی تم اس سے مصیبت اٹھاتے ہو، تو حقیقت یہ کہ رسولوں کا امتحان اسی طرح لیا جاتا ہے (کہ کبھی ان کے دشمنان دین پر غلبہ عطا کیا جاتا ہے اور کبھی دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا جاتا ہے) لیکن انجام کار رسولوں اور ان کے تابعداروں ہی کامل فتح ونصرت حاصل ہوتی ہے اور ان کا دین چھا جاتا ہے میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا وہ شخص عہد شکنی کرتا ہے اور تم نے جواب دیا تھا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول عہد شکنی نہیں کرتے اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ۔۔۔۔ تمہاری قوم میں اس سے پہلے بھی کسی نے ایسی بات کہی ہے یعنی نبوت کا دعوی کیا ہے؟ اور تم نے جواب دیا تھا کہ نہیں، تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر اس سے پہلے کسی نے اس طرح نبوت کا دعوی کیا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ یہ پہلے شخص کی پیروی میں اس طرح کا دعوی کر رہا ہے۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پوچھا کہ (اچھا یہ بتاؤ) وہ شخص تم کو کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم سے کہتا ہے کہ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، ناطے داروں سے محبت اور اچھا سلوک کرو اور حرام چیزوں سے بچو۔ ہرقل نے (یہ سن کر کہا) اگر تمہارا بیان درست ہے تو یقینا

وہ شخص پیغمبر ہے۔ اور مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ (آخر زمانہ میں) ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے لیکن میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تمہاری قوم میں پیدا ہوگا، اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے ملاقات کرنا میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ بات ہوتی۔ اور اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے دونوں پاؤں (اپنے ہاتھ سے) دھوتا اور (میں تم کو بتاتا ہوں) اس کی حکومت واقتدار کا دائرہ اس زمین (ملک روم وشام) تک پہنچ جائے گا جو میرے قدموں کے نیچے ہے، پھر ہرقل نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک مانگا اور اس کو پڑھا۔ (بخاری و مسلم)

سیرت طیبہ

آپ ﷺ کو چونکہ قیامت تک کے لئے اور تمام عالم کے لئے نبی بنایا گیا ہے۔ اس لئے اللہ سبحان و تعالیٰ نے ان کی ایک ایک ادا اور ان کی حیات مبارکہ کا ایک ایک پہلو محفوظ کر دیا۔ ان کی سیرت مبارکہ پر لاکھوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور لکھی جارہی ہیں کیونکہ یہ تمام عالم کی رہنمائی کے لئے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر ہر پہلو محفوظ کیا جاتا کیونکہ اسلام کے تمام احکامات اور شریعت کی عملی تفسیر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی ہے۔ وہ تمام کام جو نبی کریم ﷺ کے شایان شان تھے وہ آپ ﷺ کے ذریعے انجام پائے اور بقایا ان کے معزز اَصحاب کے ذریعے وقوع پزیر ہوئے۔ دنیا میں اور ایسی دوسری مثال کوئی نہیں ہے کہ کسی انسان کی پیدائش سے انتقال تک کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہو۔

سیرت النبی ﷺ پر لاکھوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ اور مسلسل لکھی جارہی ہیں۔ لیکن ہر مسلمان اور بالخصوص داعی کا انھیں جاننا انتہائی ضروری ہے۔

ان میں سے کچھ کتابوں کے نام یہ ہیں جن کا مطالعہ ہر مسلمان اور بالخصوص ہر داعی کو کرنا چاہیئے۔

1۔ مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1052ھ)
2۔ رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1348ھ)
3۔ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1362ھ)
4۔ سیرت مُصطفیٰ	حضرت مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1394ھ)
5۔ السیرۃ النبویۃ	مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1420ھ)
6۔ الرحیق المختوم	علامہ صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1427ھ)
7۔ سیرۃ النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1914ء) علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1953ء)
8۔ ضیاء النبی ﷺ	پیر محمد کرم شاہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ
9۔ نبی رحمت	مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
10۔ سیرت خاتم الانبیاء	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
11۔ نور البصر فی سیرۃ خیر البشر	حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ
12۔ سیرت سرور کونین ﷺ	حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ
13۔ سیرتِ کبریٰ	حضرت مولانا رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ
14۔ محمد عربی ﷺ کا انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر ذو الفقار کاظم صاحب
15. کیف عاملهم	محمد صالح المنجد

اسلام کا تعارف

اسلام ایک مکمل دین ہے اور یہ دین فطرت ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں پیدا ہونے والا ہر انسان اسی دین پر پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یثاق الستُ میں ہم سب اللہ تعالیٰ سے اس پر عہد کر چکے ہیں۔ دنیا کے تمام انبیاء کرام اسی دین کے لئے مبعوث کئے گئے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد وحدانیت ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ پر اسکی تمام تر صفات کے ساتھ ایمان لانا۔

آمَنْتُ بِاللهِ كَمَا هُوَ بأسمائه وَصِفَاتِهِ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ أَحْكَامِه وَأَرْكَانِه

اسلام ایک جامع طرز زندگی ہے (عربی میں، دین)۔ اسلام کا مطلب ہے "تسلیم کرنا"، جو ایک اللہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور تسلیم کرنے کا نام ہے۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت کے بعد اس سے مراد نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نبوت اور شریعت ہے۔یعنی نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لانا اور انھیں اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرنا۔یعنی جب تک کوئی شخص نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم نہ کرے اور ان پر ایمان نہ لائے وہ کسی صورت مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

اس دین کی بنیاد پانچ ارکان پر مبنی ہے:

1۔ایمان لانا:

اسلام میں ان تمام باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ اَحَدٌ (1) اَللَّهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ (4)﴾ (سورة الإخلاص)

"کہہ دو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔"

اور اس کے فرشتوں پر (بالخصوص چاروں معتبر فرشتے یعنی حضرت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل عَلَيْهِمُ السَّلَامُ)

تمام انبیاء کرام پر: حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ سے لیکر محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تک آنے والے تمام (ایک لاکھ چوبیس ہزار) انبیاء کرام پر۔ اور بالخصوص نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر اور ان کی ختم نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

چاروں آسمانی کتابوں (زبور، تورات، انجیل اور قران مجید) کو تسلیم کرنا کہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب ہیں جو اس نے اپنے خاص بندوں پر نازل فرمائیں۔

اور قیامت کے دن پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر۔

یعنی تمام انبیاء کرام اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنا جیسا کہ تمام انبیاء کرام نے اپنی بشارت میں ذکر کیا ہے۔

2۔نماز

نماز دین کا بنیادی رکن ہے۔ یہ انسان کو اپنے رب سے ملاتی ہے۔ یعنی جب وہ نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ براہِ راست اپنے رب کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے رب سے مدد مانگ رہا ہوتا ہے۔ اور براہِ راست اس سے گفتگو کر رہا ہوتا ہے۔ یہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء

3۔روزہ

روزہ یعنی صوم ہر نبی پر فرض تھے۔ جیسے شریعت موسوی یا عیسوی میں بھی روزے فرض تھے۔ اس لئے شریعت محمدی میں بھی رمضان کے پورے مہینے میں روزے فرض ہیں۔

4۔زکوٰۃ

زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے یہ کم از کم ساڑھے 7 تولہ (87.48 گرام) اور چاندی کے لیے ساڑھے 52 تولہ (612.36 گرام) یا اتنی مالیت کی رقم کی موجودگی پر ایک سال گزرنے پر فرض ہوتی ہے اور اس کی مقدار کل مالیت کا چالیسواں حصہ (2.5٪) ہے۔ جو کہ امراء سے لے کر غریب مسلمانوں پر خرچ کی جاتی ہے۔ اور یہ سال میں صرف ایک مرتبہ فرض ہوتی ہے۔

5۔حج

حج ہر صاحبِ استطاعت، عاقل، بالغ اور آزاد مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے،

﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَـطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:97)

"اس میں ظاہر نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراھیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے، اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو انکار کرے تو پھر اللہ جہان والوں سے بے پرواہ ہے"۔

اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے زمان و مکان کی شرط ہے۔ کیونکہ حج پورے سال میں صرف ذی الحج کی 9 سے 12 تاریخ تک اور مکہ مکرمہ میں ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن باقی عبادات کے لئے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ صوم یعنی روزہ صرف رمضان میں رکھ سکتے ہیں لیکن اس کی قضا پورے سال میں ممکن ہے۔ لیکن حج کی قضا بھی حج کے دنوں میں ہی ممکن ہے۔ یہ 9 ہجری میں فرض ہوا۔ مالی و بدنی استطاعت کا مطلب ہے کہ سفر کے اخراجات اور اہل و عیال کے نان و نفقہ کے علاوہ زاید رقم موجود ہو اور راستے پر امن ہوں۔

اسلام کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں ہر کام کرنے کے آداب سکھائے یہاں تک کہ بیت الخلاء میں بیٹھنے کا سلیقہ بھی سکھایا ہے۔ ان کی معاشرت اور سنتوں میں زندگی کے ہر پہلو کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ اہل خانہ سے سلوک، رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک، سفر کے آداب، کھانا کھانے کے آداب، سونے کے آداب، جاگنے کے آداب، گفتگو کے آداب غرض زندگی کے ہر پہلو میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔

اخلاقیات اور سماجی کاموں کو جنھیں آج مغرب اپنا چکا ہے۔ اسلام نے مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسلام نے ہمیں صرف اپنے حقوق ہی نہیں بلکہ فرائض بھی بتائے ہیں اور اگر ہر شخص صرف اپنے فرائض ادا کر دے تو دوسرے کے حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔

فرقے اور مسالک

اکثر نو مسلم افراد کو اسلام سے روکنے کے لئے ان کے سابقہ مذاہب سے وابستہ افراد یہ کہتے ہیں کہ تم کون سا والا اسلام قبول کرو گے اسلام کا ہر فرقہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتا ہے۔ تو تم کون سا فرقہ اختیار کرو گے؟

اس سوال کا سادہ جواب یہ ہے کہ یہ غیر مسلم اقوام کا پروپیگنڈا ہے اسلام سے روکنے کے لئے۔ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو تفصیل سے تحریری شکل میں موجود ہے۔ اسے سیکھ کر اور دیکھ کر اپنا لیا جائے۔ اور نبی کریم ﷺ کے اصحاب کی زندگی کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ یہی اصل اسلام ہے۔

دین اسلام کو ہم تک پہنچانے کے لئے جن افراد نے اپنی زندگی وقف کر دی تاکہ یہ دین ہم تک اور قیامت تک آنے والے افراد تک صحیح صحیح پہنچ سکے وہ افراد آئمہ کرام آئمہ اربعہ کہلاتے ہیں۔ انھوں نے اسلامی فقہ کو مدون کیا تاکہ قیامت تک امت محمدیہ کی رہنمائی کی جا سکے۔

آئمہ اربعہ سے مراد اہل سنت و الجماعت کے فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے چار بانی امام ہیں، جو فقہ اور حدیث میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان میں امام ابو حنیفہ (فقہ حنفی)، امام مالک بن انس (فقہ مالکی)، امام شافعی (فقہ شافعی)، اور امام احمد بن حنبل (فقہ حنبلی) شامل ہیں۔

آئمہ اربعہ کا مختصر تعارف:

- **امام ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ):** 80 ھ–150 ھ۔ یہ کوفہ (عراق) میں پیدا ہوئے۔ فقہ حنفی کے بانی ہیں، جو رائے اور قیاس کے استعمال میں مشہور ہیں۔
- **امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ:** 93 ھ–179 ھ۔ یہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور مالکی فقہ کے بانی ہیں۔ ان کی فقہ کا بنیادی ماخذ اہل مدینہ کا عمل اور حدیث ہے۔
- **امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ:** 150 ھ–204 ھ۔ یہ غزہ میں پیدا ہوئے۔ شافعی فقہ کے بانی ہیں، جنہوں نے حدیث اور قیاس کے درمیان توازن پیدا کیا۔
- **امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:** 164 ھ–241 ھ۔ یہ بغداد میں پیدا ہوئے۔ حنبلی فقہ کے بانی ہیں، جن کا فقہی رجحان احادیث اور آثار صحابہ پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔

یہ چاروں آئمہ علم، تقویٰ، اور احکامِ الٰہیہ کے استنباط میں اپنے وقت کے عظیم ترین ماہرین تھے اور ان کے فقہی مذاہب آج بھی امتِ مسلمہ کی اکثریت میں رائج ہیں۔ یہ چاروں آئمہ فقہ اسلام کی تشریح میں انتہائی بلند مقام رکھتے ہیں اس لئے ان میں سے جس کی بھی اتباع کریں گے وہی کامیابی ہو گی۔

صرف علاقے (Region) کی وجہ سے کسی ایک امام کی اتباع کی جاتی ہے۔ جیسے برصغیر پاک وہند اور ترکی وغیرہ میں فقہ حنفی کے ماننے والے اکثریت میں ہیں اس وجہ سے یہاں فقہ حنفی کے دینی مدارس اور علماء کرام آسانی سے مل سکتے ہیں۔ مشرقی بحر روم، وسطی ایشیا، افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگال، جنوب مغربی مصر، عراق، ترکی، جزیرہ نما بلقان اور روس کے زیادہ تر مسلمان اس مسلک کے پیروکار ہیں۔

شمالی و مغربی افریقہ، متحدہ عرب امارات، کویت، بالائی مصر اور سعودی عرب کے زیادہ تر مسلمان اس مالکی مسلک کے پیروکار ہیں۔ عالمی تحریک مرابطون تحریک کے لوگ بھی اس مسلک کے پیرو ہیں۔ ماضی میں یورپ پر اسلامی حکومت کے دور میں بالخصوص ہسپانیہ، امارات سسلی میں بھی اس مسلک کی پیروی کی جاتی تھی۔

سعودی عرب، زیریں مصر، انڈونیشیا، اردن، فلسطین، فلپائین، سنگاپور، صومالیہ، تھائی لینڈ، یمن، کردستان کے مسلمان، کیرالہ کے موفلا اور بھارت کے کوکانی مسلمان شافعی مسلک کے پیرو ہیں۔ برونائی دارالسلام اور ملائیشیا کا یہ سرکاری مذہب ہے۔

قطر، عراق اور شام کے کچھ جبکہ سعودی عرب کے زیادہ تر مسلمان اس حنبلی مسلک کے پیروکار ہیں۔

اس لئے ان ممالک میں ان مسالک کے علماء اور مدارس آسانی سے مل جاتے ہیں اس لئے ان علاقوں کے حساب سے ہی مسلک کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اور جہاں تک اختلاف کی بات کی جاتی ہے تو ان تمام میں ایسا کوئی بڑا نظریاتی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ صرف چھوٹے چھوٹے اجتہادی مسائل ہیں۔ وہ بھی صرف یہ کہ افضلیت کس چیز کو حاصل ہے۔ اگر کسی مسلک میں نماز میں رفع یدین کیا جاتا ہے تو وہ اسے بہتر سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے مسلک میں صرف اس وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری دور میں یہ موقوف ہو گیا تھا نہیں کیا جاتا لیکن اگر کوئی رفع یدین کرلے تو اس کی نماز بالکل درست ہے۔ اور نہ کرے تو بھی بالکل درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں وہاں سرکاری طور پر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ہونے کے باوجود دنیا بھر کے تمام مسلمان وہاں ایک ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے اپنے مروجہ طریقہ کے مطابق تمام عبادات کرتے ہیں۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام کے چاروں آئمہ کرام برحق ہیں۔

دین کو سیکھنا

ان تمام باتوں کو جاننے کے لئے دین کا سیکھنا ضروری ہے۔ اخلاقیات اور سماجی اُمور کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ وہاں آپ جان سکیں گے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے خود ان تعلیمات کی عملی مثالیں قائم کیں جنھیں آج مغرب میں سب سے اعلیٰ اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات پوری عالم کے انسانوں کے لئے رول ماڈل ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحان وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُو اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾ (سورۃ الاحزاب:21)

البتہ تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام اپنے نبی (ﷺ) سے یا تو وہ کام کروادیا یا ان کے اُصحاب کے ذریعے کروادیا تاکہ قیامت تک کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم یہ کام کیسے کریں۔

اسلام کی دعوت کیسے دیں۔

1۔ سب سے پہلے اسلام کے بنیادی اصولوں کو جانئے اور سیکھئے۔ اور خود کو اس رنگ میں رنگنے کی کوشش کیجئے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جسے بھی دعوت دی تو فرمایا کہ ہماری طرح بن جاؤ۔

2۔ ہمیشہ فکر کیجئے کہ اپنی اور سارے عالم کی اصلاح ہم سب کی ذمہ داری ہے کیونکہ ہمارا تعلق اُمت اِجابت سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(سورۃ آل عمران:104)

"اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے، اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس اُمت اِجابت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾(سورۃ آل عمران:110)

تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے روکتے رہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو

3۔ اپنے روئے میں اعتدال اور برداشت پیدا کیجئے۔ کیونکہ یہی نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا۔

4۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا۔

5۔ تبلیغِ دین جُہدِ مسلسل کا نام ہے۔ اس میں مایوسی اور تھکن نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے زندگی کی آخری سانس تک اسی جدوجہد میں گزاری کہ کسی طرح تمام عالم کے ہر شخص کی اصلاح ہو سکے اور وہ جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والا بن جائے۔

6۔ لوگوں کو بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نہایت غفور ورحیم ہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد پچھلی زندگی کے برے اعمال معاف فرمادیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

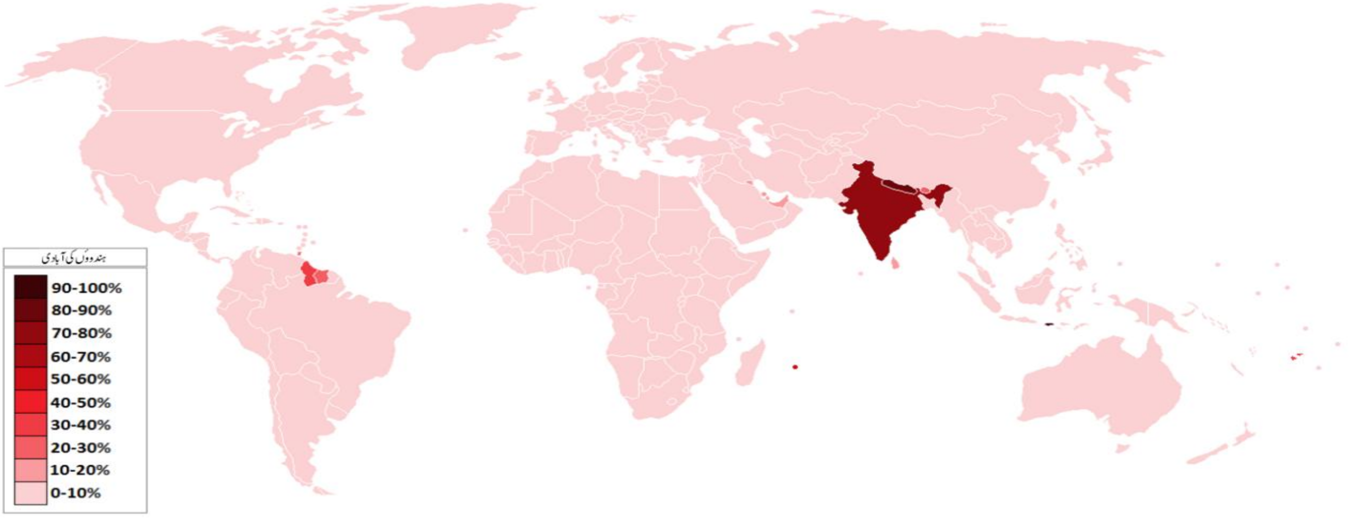
﴿قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾
(سورۃ الزمر:53)

"کہہ دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا، بے شک وہ بخشنے والا رحم والا ہے"۔

③: ہندومت* (Hinduism)



ہندومت (سناتن دھرم) دنیا کا قدیم ترین مذاہب میں سے ایک اور تیسرا بڑا مذہب ہے، جس کے پیروکار زیادہ تر بھارت اور نیپال میں آباد ہیں۔ یہ کسی ایک بانی کے بغیر، 5,000 برس سے زیادہ پرانی متنوع روایات، ویدک تعلیمات، کرم (عمل) اور آواگون (تناسخ) کے فلسفے پر مبنی ہے، جو کثیر خداؤں کے ساتھ ساتھ ایک وحدانیت (برہما/اوم) کا تصور بھی رکھتا ہے۔
بُت پرستی کرنے والے بہت سے خُداؤں کو کائنات کا خالق سمجھتے ہیں ان کی تعداد دُنیا میں 1.5 بلین کے لگ بھگ ہے جو دُنیا کی کل آبادی کا تقریباً 15 فیصد ہیں۔ اس مذہب کی ابتدا 500 قبل مسیح سے بھی پُرانی ہے اور ہندومت کے ماننے والے بہت سی کتابوں کو آسمانی کتابیں تصور کرتے ہیں۔



ہندومت کا تعارف

ہندومت کو سناتن دھرم اور ویدک دھرم، کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، ہندو دھرما دی یونیورسل وے آف لائف کے مصنف لکھتے ہیں:
"ماضی میں ہندومت ہمارے مذہب کا نام نہیں تھا، بلکہ یہ مذہب ویدک ماتا، ویدک دھرم یا سناتن دھرم کے نام سے جانا جاتا تھا، ہمارے اصل (مذہبی) منابعات ہمارے ایمان و عقائد کسی بھی نام سے منسوب نہیں کرتے" (پجیا سری چندر سیکھاریندرا سرسوتی سوامی، ہندو دھرما: دی یونیورسل وے آف لائف، بھارتیہ ودیا بھون ممبئی ۱۹۹۵، ص ۵۳)
ہندومت متفرق خیالات و نظریات کا مجموعہ ہے، جس کی خاص وجہ یہی رہی ہے کہ ہمیں آج تک ہندومت کی کوئی جامع تعریف میسر نہیں ہو سکی ہے۔ اس سلسلے میں پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ۔ "حتمی طور پر یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ کوئی مذہب ہے بھی یا نہیں ماضی اور اپنی موجودہ صورت میں یہ مذہب بہت سے عقائد و رسوم کا مجموعہ ہے، جو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ سطح پر محیط ہیں اور ان میں سے بہت سے ایک دوسرے کے متضاد بھی ہیں" (پنڈت جواہر لال نہرو، دی ڈسکوری آف انڈیا، دہلی آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، آکسفورڈ نیویارک، ص ۷۵)

ہندومت کوئی خاص فلسفہ نظام زندگی یا دستور العمل نہیں ہے، بلکہ یہ متعدد افکار و نظریات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، ہندومت میں مختلف فرقے اور گروہ پہلے سے موجود تھے، جنہوں نے ایک طویل تاریخ عمل کے بعد خود کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک نئے مذہب کی تشکیل کی، ہندومت کی تشکیل میں افراد، قوموں تہذیبوں کا اہم رول رہا ہے۔

ہندومت قدیم دور سے رائج ایسا مذہب ہے جس کے بانی، ابتداء اور بنیاد اخبار و آثار کے متعلق کچھ مستند معلومات میسر نہیں ہیں، یہ مذہب ایسی روایت کا مجموعہ ہے جو کسی ایک کتاب سے منسلک نہیں ہے، نہ کسی پیغمبر سے بلکہ اس کے افکار و خیالات مختلف نوع کے مذاہب سے ملتے ہیں، ہندومت واقعی کوئی مذہب نہیں۔

پہلا باب۔: اعتقادات کے بیان میں۔

دوسرا باب۔: اعمال وافعال کے بیان میں۔

ہندومت کی مقدس کتابیں درج ذیل ہیں:

وید: ہندومت کی سب سے اہم مقدس کتاب جس میں مختلف نوعیت کے منتر شامل ہیں۔ یہ چار ہیں رِگ، یجُر، سام، اَتھر۔

اُپنِشَد: یہ کتب فلسفہ موضوعات پر مبنی ہیں۔ یہ وید کا ایک حصہ ہے جس میں وید کی شرح کی گئی ہے۔

پُران: واقعات وحکایات، علم ریاضی، جغرافیہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔

منودھرم شاستر: ہندوؤں کے قانون کی کتاب ہے۔ اس کو منوسمرتی بھی کہتے ہے۔

رامائن: اس میں رام اور سیتا کی کہانی ہے

مہابھارت: ایک جنگ کی منظوم داستان اسی میں اس کی مقدس کتاب گیتا بھی شامل ہے۔

گیتا: اخلاقی نصیحتوں اور فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ہے۔

ہندومت کے اہم پہلو:

- **بنیادی نام :** ہندو اسے **سناتن دھرم** کہتے ہیں، جس کا مطلب ہے "ابدی یا لازوال قانون / طریقہ"۔
- **بانی اور بنیاد :** ہندومت کا کوئی مخصوص بانی نہیں ہے۔ یہ مختلف آریائی، مقامی روایات اور عقائد کا مجموعہ ہے، جس کی جڑیں وادی سندھ کی تہذیب سے ملتی ہیں۔
- **مقدس کتابیں :** بنیادی طور پر دو اقسام ہیں : **شروتی** (جو سنا گیا-وید) اور **سمرتی** (جو یاد رکھا گیا- جیسے بھگوت گیتا، رامائن، مہابھارت)۔
- **اہم عقائد:**
  - **کرم :** اعمال کا قانون (جیسا کروگے ویسا بھروگے)۔
  - **تناسخ) آواگون :**(روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونا۔
  - **موکش :** پیدائش اور موت کے چکر سے نجات (زندگی کا اصل مقصد)۔

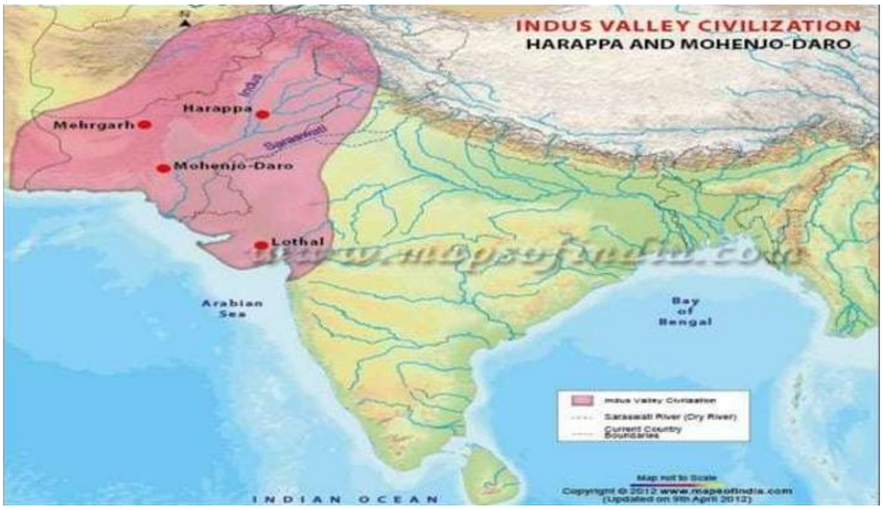
- **عقیدہ توحید / تثلیث :** اگرچہ کئی دیوتا ہیں (جیسے وشنو، شیو، برہما)، لیکن اکثر ہندو بنیادی طور پر ایک ہی سپریم پاور (برہما یا اوم) کے قائل ہیں۔

- **اہم عبادات ورسومات :** مندر میں پوجا، یوگا، مراقبہ (میڈیٹیشن)، اور دریائے گنگا سمیت دیگر متبرک مقامات کی زیارت۔
- **آبادی :** تقریباً 1.2 سے 1.35 ارب پیروکاروں کے ساتھ یہ دنیا کی تیسری بڑی مذہبی برادری ہے۔

ہندومت محض ایک مذہب نہیں، بلکہ ایک طرز زندگی ہے جو انسانی زندگی کے مختلف مراحل اور سماجی نظم (کرم) پر زور دیتا ہے۔

ہندومت کی تاریخ

ہندومت قدیم ترین معروف مذاہب میں سے ایک ہے۔ اس مذہب کی مقدس تحریروں کا سلسلہ 1400 سے 1500 قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ



سب سے زیادہ متنوع اور پیچیدہ مذاہب میں سے ایک ہے جس کے لاکھوں دیوی دیوتا ہیں ۔ ہندو بنیادی عقائد کی مختلف اقسام رکھتے ہیں اور ان میں مختلف فرقے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ دنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے، لیکن ہندوؤں کی اکثریت بنیادی طور پر بھارت اور نیپال میں ہے۔

اگرچہ ہندومت کو اکثر کثیر خداؤں کے ماننے والے سمجھا جاتا ہے، لیکن وہ ایک بڑے خُدا (براہما) کو بھی مانتے ہیں۔ براہما کو ایک ایسی ہستی مانا جاتا ہے جو پوری کائنات کی حقیت اور وجود کے ہر حصے میں رہتی ہے۔ براہما لاشخصی اور ناقابل ادراک ہے اور اکثر اسے تین الگ اشکال یعنی براہما- خالق، وشنو محافظ اور شیو تباہ کرنے والے کے طور پر مانا جاتا ہے۔ براہما کے ان پہلوؤں" کو بہت سے دوسرے اوتاروں کے ذریعہ سے بھی جانا جاتا ہے۔ ہندومت کے علم الٰہیات کا خلاصہ کرنا مشکل ہے کیونکہ متعدد ہندو فرقوں میں تقریباً ہر طرح کے الٰہیاتی نظام کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ ہندومت کے ان پہلوؤں کے بارے میں سیکھ کر اس کے متعلق مزید جانا جا سکتا ہے۔

ہندومت کی تاریخ برصغیر پاک وہند سے تعلق رکھنے والی مختلف مذہبی روایات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کی تاریخ لوہے کے زمانے سے برصغیر پاک و ہند میں مذہب کی ترقی کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ اس طرح اسے دنیا کا سب سے قدیم مذہب کہا جاتا ہے۔

اسکالرز ہندومت کو مختلف ہندوستانی ثقافتوں اور روایات کی ترکیب سمجھتے ہیں، جس کی جڑیں متنوع ہیں اور کوئی ایک بانی نہیں ہے۔

ہندومت کی تاریخ کو اکثر ترقی کے ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا دور

پہلا دور ویدسے پہلے کا دور ہے، جس میں وادی سندھ کی تہذیب اور مقامی ماقبل تاریخی مذاہب شامل ہیں، جو تقریباً 1750 قبل مسیح میں ختم ہوئے۔

دوسرا دور

شمالی ہندوستان میں ویدک دور شروع ہوا جس میں تاریخی ویدک مذہب کا تعارف ہند آریائی ہجرت کے ساتھ ہوا، جو1900 قبل مسیح اور1400 قبل مسیح کے درمیان شروع ہوا۔

تیسرا دور

اس کے بعد کا دور، 800 قبل مسیح اور200 قبل مسیح کے درمیان، ویدک مذہب اور ہندو مذاہب کے درمیان ایک اہم موڑ ہے، اور ہندو مت جین مت اور بدھ مت کے لیے ایک ابتدائی دور ہے۔

"ہندو مت کا کلاسیکی سنہری دور"

320-650 عیسوی۔ اس دور میں ہندو فلسفہ کی چھ شاخیں تیار ہوئیں، یعنی سمکھیا، یوگا، نیایا، ویشیکا، میمانسا اور ویدانت شیوازم اور وشنوزم جیسے توحید پرست فرقوں نے اسی دور میں بھکتی تحریک کے ذریعے ترقی کی۔ تقریباً650 سے 1100 عیسوی تک کا عرصہ کلاسیکی دور یا ابتدائی قرون وسطیٰ کی تشکیل کرتا ہے، جس میں کلاسیکی پرانک ہندو مت قائم ہوتا ہے،

بھگتی تحریک

ہندو مت ہندو اور اسلامی دونوں حکمرانوں کے تحت 17501200 عیسوی میں، بھگتی تحریک کی بڑھتی ہوئی اہمیت دیکھی گئی جو آج بھی اثرانداز ہے

نو آبادیاتی دور

نو آبادیاتی دور میں مختلف ہندو اصلاحی تحریکوں کا ظہور دیکھا گیا جو جزوی طور پر مغربی تحریکوں سے متاثر تھے، جیسے کہ وحدت پسندی اور تھیوسفی۔ 1947 میں ہندوستان کی تقسیم مذہبی خطوط پر تھی جمہوریہ ہند ہندو اکثریت کے ساتھ ابھرا۔ 20ویں صدی کے دوران ہندوستانی تارکین وطن کی وجہ سے تمام براعظموں میں ہندو اقلیتیں بنی ہیں، جن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور برطانیہ میں مطلق تعداد میں سب سے بڑی برادریاں ہیں۔

ہندو مذہب کی کتابیں

ہندو مت کا مقدس دینی ادب

ہندو مذہب کی بہت بڑی تعداد میں کتابیں ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہے اور ان کی زبان بہت عجیب وغریب ہے، ان کتابوں کی شرح کیلئے بہت ساری کتابیں تالیف کی گئی ہیں، جبکہ بعض دوسری کتابیں ان شرحوں کی اختصار کے لئے لکھی گئی ہیں، اور یہ سب کی سب

ان (ہندو مت) کے نزدیک مقدس ہیں، اور ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

وید : (Veda) یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ حکمت و معرفت کے ہیں، یہ آریوں کی زندگی اور ذہنی زندگی کی سادگی سے فلسفیانہ شعور و احساس تک ترقی کرنے کے مدارج کی تصویر پیش کرتا ہے، اور اس میں کچھ ایسی دعائیں (بھجن) ہیں جو شکوک وشبہات پر ختم ہوتے ہیں، اسی طرح اس میں رب کا ایسا تصور پایا جاتا ہے جو وحدت الوجود (کائنات کی ہر چیز میں اللہ نظر آنا یا ہر چیز کو اللہ کی ذات کا جزء سمجھنا) تک جا پہنچتا ہے، اور یہ چار کتابوں سے مل کر بنا ہے۔

❶ رگ وید ❷ اتھر وید ❸ یجر وید ❹ سام وید

اپنشد

اپنشد کے مفہوم ہے قریب ہونا ہم تن گوش ہونا یہ ہندووں کی فقھی کتب ہیں اس میں ہندووں کے نظریات کا فلسفہ ہے اور انہیں ویدوں کا تتمہ بھی کہا جاتا ہے اسکا ایک اور نام ویدانت بھی ہے اس میں تیرہ لیکچر زیادہ مشہور ہیں اپنشد کے مکالموں کو اس طرح لکھا گیا ہے کہ انہیں یاد کرنے میں آسانی ہو اس کے مضامین میں تضاد بھی ہے اور تنوع بھی ہے نتائج اور فکر میں یکسانیت نہ ہے تاہم ایک بات جو اس میں مشترک اور نمایاں ہے وہ ہے خدا پرستی کا رحجان پیدا کرنا

اپنشد کا بنیادی فلسفہ وحدت الوجود ہے یعنی برہما (خدا) اور آتمن (انسان) ایک ہی ہے۔ گویا کہ خدا اور انسان کی ماہیت ایک ہی ہے اسی فلسفہ کو حلول کا عقیدہ بھی کہا جاتا ہے۔ اپنشد کی ابتدائی تعداد تیس تھی مگر اب ایک روایت کے مطابق 108 ہو چکی ہے۔ اپنشد کا زمانہ تالیف 800 قبل مسیح سے 500 قبل مسیح بتایا جاتا ہے

مہابھارت (رزم نامہ، داستان جنگ)

کوروں اور پانڈووں کے درمیان کی لڑائی کی کہانی ہے، اس کا مولف عارف " پراشر " کا بیٹا "ویاس ہے، جس نے اسے ۹۵۰ قبل مسیح میں ترتیب دیا تھا، یہ کتاب شاہی خاندانوں کے سرداروں کے درمیان ایک جنگ کا تذکرہ کرتی ہے، اور اس جنگ میں دیوتا بھی شریک ہوئے تھے۔ مہابھارت میں رزمیہ نظمیں بھی ہیں اور یہ مختلف عقائد اور نظریات کا مرکب اور آمیزہ ہے اس میں ایک طرف ویدوں اور برہما کی مشرکانہ رسومات کا سلسلہ موجود ہے تو دوسری طرف مواحدانہ وابستگی کے آثار بھی ہیں اس میں کرم مارک کا نظریہ بھی ہے اور ثنویت بھی موجود ہے۔

بھگوت گیتا

بھگوت سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ہے مقدس نغمہ اور الہامی کلام ہندو دھرم میں بھگوت گیتا کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسے انجیل کرشن بھی کہا جاتا ہے بھگوت گیتا در اصل مہابھارت کا ہی حصہ ہے یہ باری کتب پر مشتمل ہے جن میں سے دس میں کرشن مہاراج کے کارنامے بیان ہیں بھگوت گیتا میں تقریباسات سو اشعار ایسے ہیں جن میں کرشن اور ارجن کا مابین مکالمہ کی صورت میں ہیں۔ بھگوت گیتا کے دیگر اہم مضامین میں دنیا سے نفرت، زندگی کے مختلف شعبوں کے بارہ میں رہنمائی، روح کے لافانی ہونے، دیوتا کا اوتار کی شکل میں آنے اور اچھوتوں کے لئے بھگوان کی عبادت کے طریقے بیان ہیں۔

رامائن

ہندو دھرم میں ایک اور مذہبی کتاب رامائن ہے اگر چہ اسے مہابھارت اور گیتا کی طرح زیادہ مقبولیت تو حاصل نہ ہے تاہم یہ بھی ہندو دھرم کا ایک سرمایہ کہلاتا ہے اس کتاب میں زیادہ تر مغربی بنگال اور بہار کی روایات بیان کیا گیا ہے اس میں اشلوک درج ہیں جن تعداد تقریبا بیس ہزار ہے اور اس کتاب کا ایک بڑا حصہ ان کے ایک مشہور شاعر والمیک کی تصنیف ہے اس میں میں رام چندر کے واقعات شامل ہیں جنہیں وشنو کے اوتار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

چونکہ آریا اس ملک میں آنے کے بعد چند صدیوں میں اپنی زبان بھول گئے۔ اس وقت انھوں نے ویدوں کی تفسیر لکھنی شروع کی، جو براہمن کے نام سے مشہور ہوئیں۔ مگر یہ بھی ناقابل فہم ہوتی گئیں اور تشفی بخش ثابت نہیں ہوئیں تو انھوں نے ایک نیم مذہبی ادب ویدانگ کی بنیاد رکھی۔ اور کلپا کے زمرہ میں چار رسالے سروشہ ستر، سلوستر، گریہ ستر اور دھرم ستر تصنیف کیے۔

دھرم ستر

ہندومت کی بنیاد جن کتابوں پر رکھی گئی، ان میں پہلا نام دھرم ستر ہ کا آتا ہے۔ اس کو ہندو قانون میں ماخذ کی حثیت حاصل ہے۔ دھرم کے معنی مذہب، فرائض اور اعمال کے ہیں اور ستر کے معنی دھاگہ کے۔ مگر اصطلاحی معنوں میں مقدس کتابوں کی طرف رہنمائی کرنے والے کے ہیں۔
اس نوع کے متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں چار دھرم ستر، جو گوتم، بودھیان، وششت اور آپس تمب کی طرف منسوب ہیں اور زیادہ اہم سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی تصنیف چھٹی صدی قبل مسیح کے بعد کی ہیں۔ ہندو دور کے اوائل میں یہی دھرم ستر قانون کا ماخذ رہی ہیں اور اجتماعی زندگی میں ان پر عمل در آمد ہوتا رہا ہے۔
دھرم ستر ہ جو نثر میں تھیں یہ ان کے بر عکس نظم میں ہیں، ان میں سب سے اہم منو ہے۔ اس کے بعد یجن والکی، وشنو اور نارد ا کی طرح غیر الہامی ہیں۔ اس لیے ان کو سمرتی کہا جاتا ہے اور اسی نام سے یہ کتابیں زیادہ مشہور ہوئیں۔ اس لیے عام طور پر سمرتی کہا جاتا ہے۔ دھرم شاشتر کی تصنیف غالباً پہلی صدی عیسوی میں ہوئی ہے۔

دھرم شاستر

کچھ دنوں کے بعد جب ان آریوں نے جو اپنی خصوصیت کھو کر ہندو بن چکے تھے اور غیر آریائی بن چکے تھے۔ یہ محسوس کیا کہ ایک طرف بدھ مت ان کی مذہبی عالم گیریت سے متصادم ہے اور دوسری طرف شودر ان کی نسلی برتری سے نبرد آزمائی۔ انھوں نے اپنی نسلی برتری کو برقرار رکھنے کے لیے ایک نیا قدم اٹھایا۔ انھیں پورا یقین تھا کہ دھرم ستر ہ وقت کے مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتے اور ایسے پر خطر موقع پر اگر کوئی شے انھیں فنا ہونے بچا سکتی ہے، تو معاشرہ کی نئی تشکیل ہے جو ذاتوں کی تفریق کی بنا پر کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے دھرم شاشتر ہ رکھا۔
اس کے بعد یہی کتابیں ہندو قانون کا ماخذ قرار پائیں اور ان کی تعلیم کے تحت پورے معاشرے کا چلانے کی کوشش کی گئی۔ عنلی زندگی میں منو سمرتی کو اولیت اور فوقیت حاصل ہے۔ عدالتوں کے اندر اس کے تحت فیصلے ہوتے ہیں۔ دھرم شاشتر ہ کی بنیاد ذات پر رکھی گئی تھی اور مقدمہ کے طور پر اس اصول کو تسلیم کیا گیا کہ انسانی آبادی چار ذاتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ برہمن، کشتری، ویش اور شودر۔ ان میں اول الذکر تین دوئج ہیں، یعنی مرنے کے بعد پھر جنم لیتے ہیں۔ لیکن شودر کا صرف ایک ہی جنم ہے۔ دوم ذاتوں میں برہمن کی ذات سب سے اعلیٰ ہے۔ کیوں کہ برہمانے اسے سر سے پیدا کیا ہے۔ برہمن بحثیت دیوتا کہ ہیں، گو وہ انسانی شکل میں ہیں۔ ان کے حقوق سب سے زیادہ ہیں، وہ علم و دھرم کا محافظ ہے۔ اس کے وسیلہ کے بغیر فلاح نہیں ہے۔
برہموں کے بعد کشتری ہے جس کو برہما کے بازو سے پیدا ہوئے ہیں شجاعت ان کا لازمی صفت ہے، اس لیے حکومت کرنے کا ان کو پیدائیشی حق حاصل ہے۔ اس کے بعد ویش کی ذات ہے، برہمانے ران سے پیدا کیا ہے اور تجارت و صنعت کے لیے انھیں منتخب کیا ہے۔ شودر کا درجہ سب سے آخر ہے۔ انھیں تینوں ذاتوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا، کیوں کہ انھیں برہمانے پیر سے پیدا کیا ہے۔

پران

اس کے بعد پران کا درجہ ہے، جو تعداد میں اٹھارہ ہیں ان کے علاوہ دو اور پران ہیں، اس طرح یہ تعداد میں بیس ہو جاتے ہیں۔ ان کتابوں کے عنوانات یہ ہیں:

- تخلیق کائنات یعنی کائنات کس طرح وجود میں آئی۔
- کائنات کی تخلیق نو یعنی یوگ چکر کے بعد مہایوگ شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے تین یوگ، ست یوگ، ترتیایوگ اور دواپریوگ گذر چکے ہیں، اب آخری یوگ کلی یوگ چل رہا ہے۔ ہر یوگ تنتالیس (43) لاکھ سال کا ہوتا ہے۔
- دیوتاؤں کے نسب نامے جو خرافات پر مبنی ہیں۔
- دنیا کے ادوار اور ان پر دیوتاؤں کی حکومت۔
- بادشاہوں کے نسب ناموں کے متعلق۔

ہندوؤں کے عقائد و تعلیمات

ہندوؤں کے عقائد کا اظہار کرما، تناسخ ارواح (آواگون، آزادی اور وحدۃ الوجود میں ہوتا ہے:

ا **- کرما:** بدلہ کا قانون یعنی دنیا کا نظام ایک الٰہی نظام ہے جو خالص عدل پر قائم ہے، یہ عدل ضروری طور پر ہو کر رہے گا، چاہے موجودہ زندگی میں، یا آنے والی زندگی میں، اور ایک زندگی کا بدلہ دوسری زندگی میں ملے گا، اور دنیا ابتلاو آزمائش کا گھر ہے، جس طرح کہ یہ بدلے اور ثواب کا گھر ہے۔

کرم کا عقیدہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کرم کے عقیدے کے مطابق ہر عمل چھوٹا بڑا، اچھا برا انسانی روح پر اثر انداز ہوتا ہے اور انسان اپنے عمل (کرم) کے لحاظ سے سزا اور جزا کا عمل مستحق ہوتا ہے۔ یعنی کرم کے مطابق اچھا یا برا جنم لیتا ہے۔

۲ **- آواگون** (تناسخ ارواح: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا جسم فنا ہو جاتا ہے، اور اس سے روح نکل جاتی ہے اور پہلی زندگی میں اس نے جو عمل کئے ہیں اس کے مطابق وہ ایک دوسرے جسم میں حلول کر جاتی ہے اور اس کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور روح اس میں ایک نیا چکر شروع کرتی ہے۔

عقیدہ تناسخ یا اواگوں یا جونی چکر ہندو دھرم کا ایک اہم عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کے مطابق انسان کو صرف ایک زندگی نہیں ملتی ہے، چنانچہ وہ مرنے کے بعد پھر جنم لیتا ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اور ہر موت کے بعد اس کا اعمال نامہ یم یعنی موت کے دیوتا کے سامنے پیش ہوتا ہے، جو اسے جانچتا ہے اور روح کو صفائی پیش کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر روح کو اس کے اعمال کے مطابق ترک میں کچھ دنوں کے لیے بھیج دیتا ہے۔ جب یہ میعاد ختم ہو جاتی ہے، تو اسے دوبارہ جنم لینے کے لیے بھیج دیتا ہے اور یہ چکر اس وقت تک چلتا رہتا ہے۔ جب تک انسان اچھے اور معقول اعمال کا ذخیرہ کر لیتا ہے، تو اس کی مکتی نہیں ہو جاتی ہے۔ مگر مکتی (نجات) کیا ہے، معلوم نہیں ہے۔

معبودوں (دیوتاؤں) کے بارے میں ہندومت کا تصوّر و نظریہ:

توحید: درست معنیٰ میں توحید نہیں پایا جاتا ہے، لیکن جب وہ لوگ کسی ایک معبود (دیوتا) کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دل و جان سے متوجہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کی نظروں سے دیگر تمام معبود (دیوتا) او جھل ہو جاتے ہیں، اور اس وقت وہ اسے پرم پر میشور، یا دیوتاؤں کا دیوتا کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔

تعدد: وہ کہتے ہیں کہ ہر فائدہ مند یا نقصان دہ فطرت جیسے پانی، ہوا، دریاؤوں اور پہاڑوں... کا ایک معبود (دیوتا ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے اور یہ بہت سارے دیوتا ہیں جن کی یہ لوگ پوجا اور نذر و نیاز کے ذریعے تقرب حاصل کرتے ہیں۔

تری مورتی:

تثلیث تری مورتی نوویں صدی قبل مسیح میں کاہنوں نے تمام دیوتاؤوں کو ایک دیوتا میں جمع کر دیا جس نے اپنی ذات سے دنیا کو وجود بخشا وہ تین دیوتا حسب ذیل ہیں۔

۱ - براہما اس اعتبار سے کہ وہ رب اور وجود کا سبب ہے۔

۲ وشنو: اس اعتبار سے کہ وہ محافظ و نگہبان ہیں۔

شیو: اس اعتبار سے کہ وہ ہلاک کرنے والا ہے۔ اس لئے جو شخص ان تینوں دیوتاؤوں میں سے کسی ایک کی عبادت کرتا ہے تو گویا وہ ان سارے دیوتاؤوں کی عبادت کرنے والا، یا ایک سب سے بلند کی عبادت کرنے والا ہے، اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اس طرح سے انہوں نے عیسائیوں کے سامنے تثلیث کے عقیدہ کا دروازہ کھول دیا۔

جانوروں خاص کر گائے کا تقدس

ہندو لوگ گائے اور کئی طرح کے رینگنے والے جانوروں جیسے ناگ (اژدہا، اور کئی طرح کے حیوانات جیسے بندر کو پاک سمجھتے ہیں، مگر ان سب کے بیچ گائے کو وہ تقدس حاصل ہے جو برتقدس سے برتر ہے۔ اور مندروں، گھروں اور میدانوں میں اس کی مورتیاں (مجسمے) لگی ہوتی ہیں، اور اسے کسی بھی جگہ جانے اور منتقل ہونے کی آزادی حاصل ہوتی ہے، کسی ہندو کے لئے اسے تکلیف پہنچانا یا اسے ذبح کرنا جائز نہیں ہے، اگر اس کی موت ہو جائے تو مذہبی رواج کے ساتھ اسے دفنایا جائے گا۔

عقیدہ حلول

ہندوؤں کے یہاں یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ ان کے دیوتا کرشنا نامی ایک شخص کے اندر بھی حلول کئے ہیں، اور اس کے اندر خالق انسان سے مل گیا ہے، یا لاہوت (خالق) ناسوت (انسان) کے اندر حلول کر گیا ہے، اور یہ لوگ کرشنا کے بارے میں ویسے ہی باتیں کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔

کرم مارگ

ہندو دھرم میں یہ عقیدہ ہے کہ روح انسانی جسم میں مقید ہوگئی ہے اور زندگی ایک قید ہے انسان آزاد نہ ہے بلکہ ماضی کے کرم یعنی اعمال کا پابند ہے انسانی زندگی کا غایت نجات ہے اور یہ نجات تعذیب نفس سے حاصل ہوتی ہے اور نجات کی صورت یہ ہے کہ انسان پاکیزہ زندگی گزارے تاکہ اسکی روح عالم ارواح میں چلی جائے اس کے لئے دیوتاوں کو قربانی دے ویدوں کا مطالعہ کرے۔ انسانوں کی خدمت کرے ان کے خیال میں برہمن کی مکتی (نجات) عمل اور حصول علم میں ہے۔ کھتری کی نجات جنگ میں ہے ویش کی نجات زراعت میں ہے اور شودر کی نجات خدمت میں ہے۔

جنان مارگ

جنان مارگ بھی کرم مارگ کی طرح کا عقیدہ ہے اس کے حامل ہندوؤں کے نزدیک نجات کے لئے صرف راہ عمل کافی نہیں ہے انسان کو پہلے جہالت سے نکل کر علم کی دنیا میں آنا چاہیے انسان کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو برہمن آتما (عالم ارواح سے الگ سمجھتا ہے اس جہالت سے نکلنا ہوگا انسان اور برہمن آتما کا تعلق وہی جو دریا اور سمندر ہے دریا بالآخر سمندر میں گم ہو جاتا ہے۔

بھگتی مارگ

بھگتی کا مفہوم ہے اپنے آپ کو وقف کرنا ہندو دھرم بھتی مارگ سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کا اپنے آپ کو کسی دیوتا کے لئے وقف کر دینا ہے یعنی ہندو دھرم کے کسی دیوتا سے وابستہ ہو کر اسی کی پوجا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر نالینا راہ نجات ہے

آزادی

نیک اور برے اعمال کے نتیجے میں بار بار نئی زندگی وجود میں آتی ہے، تاکہ اس کے اندر روح کو سابقہ چکر میں دیئے گئے اعمال کے مطابق ثواب یا عقاب دیا جائے۔ جس شخص کو کسی چیز کی رغبت نہیں ہے اور ہرگز کسی چیز میں رغبت نہیں رکھے گا اور خواہشات کی غلامی سے آزاد ہو گیا، اور اس کا نفس مطمئن ہو گیا تو وہ اپنے حواس کی طرف نہیں لوٹائی جاتی ہے، بلکہ اس کی روح جا کر براہما سے مل جاتی ہے۔

وحدت الوجود

فلسفیانہ تجرید نے ہندوؤں کو اس اعتقاد تک پہنچا دیا ہے کہ انسان افکار و نظریات، قوانین اور تنظیمیں پیدا کر سکتا ہے، جس طرح کہ وہ ان کی نگہداشت کرنے، یا انہیں برباد کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اور اس طرح سے رب سے جا ملتا ہے، اور نفس ہی بعینہ پیدا کرنے والی قوت ہو جاتی ہے۔

① روح معبودوں کی طرح دائمی و ابدی مستمر ہے، مخلوق نہیں ہے۔

② انسان اور اس کے معبود کے درمیان تعلق اسی طرح ہے جیسے آگ کی چنگاری اور آگ کے درمیان تعلق ہوتا ہے، اور جیسے بیج اور درخت کے درمیان تعلق ہوتا ہے۔

③۔ یہ پوری کائنات حقیقی وجود کا مظہر ہے، اور انسانی روح بلند روح کا ایک حصہ ہے۔

دوسرے نظریات اور عقائد:

جسموں کو مرنے کے بعد جلا دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ روح کو بلندی کی طرف اور عمودی شکل میں جانے کی اجازت دیتا ہے، تاکہ ملکوت اعلیٰ میں قریب سے قریب وقت میں پہنچ سکے، اسی طرح جسموں کے جلانے میں روح کو جسم کے غلاف سے مکمل طور سے چھٹکارا دلانا ہے۔ جب روح چھٹکارا پا جاتی ہے اور اوپر چڑھ جاتی ہے تو اس کے سامنے تین دنیا ہوتی ہے:

① **عالم بالا:** فرشتوں کی دنیا

② **عالم انس:** حلول کے ذریعہ آدمیوں کا ٹھکانہ

③ **عالم جہنم:** اور یہ گنہگاروں و نافرمانوں کے لئے ہوتا ہے۔

صرف ایک جہنم نہیں ہے، بلکہ ہر صاحب گناہ کے لئے ایک مخصوص قسم کی جہنم ہے۔ عالم آخرت میں بعث دوبارہ زندہ ہونا صرف روحوں کے لئے ہوگا نہ کہ جسموں کے لئے۔

جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے وہ دوبارہ شادی نہیں کرے گی، بلکہ دائمی بد بختی میں زندگی گزارے گی اور ذلت ورسوائی اور ہتک عزت کی جگہ بن جائے گی، اور اس کا مرتبہ خادم ونوکر کے مرتبہ سے کم ہو گا، اسی لئے بسا اوقات عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد شقاوت و بد بختی کی زندگی میں ہونے والے عذاب کے خوف سے اپنے آپ کو خود جلا ڈالتی (ستی ہو جاتی) ہے، البتہ موجودہ ہندوستان میں قانون نے اس عمل کو حرام قرار دیدیا ہے۔ ستی بھی مذہبی رسم تھی، ہندو عہد میں رائج رہی۔

قربانی

یعنی قربانی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہ آریاؤں کی رسم تھی جو ہندو عہد تک جاری رہی۔ مختلف راجاؤں کے عہد میں گھوڑے کی قربانی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اوائل میں آدمی کی قربانی بھی رائج تھی۔ جانوروں کی قربانی کو اہمیت حاصل ہے، آج بھی کالی کو سیکڑوں بھنسوں چڑھائے جاتے ہیں۔ ہون ہر قربانی کے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ روزانہ غسل کرنا

صبح شام سورج کی پوجا کرنا

مقدس مقامات کی زیارت کرنا اور

دیوتاؤں کے سامنے ناچنا گانا اہم مذہبی رسوم ہیں

ہندومت کے فرقے

ہندومت کے چھ اہم فرقے ہیں۔

1. ویشنومت
2. شیومت
3. شکتی مت
4. گنپتی مت
5. سوریامت
6. سمارت سوتر

① ویشنومت

یہ فرقہ وشنو کو رب اعلیٰ کائنات کا محافظ اور رزاق مانتا ہے۔ وشنو کو چار بازوؤں کے ساتھ مقدس جوہرات کوس تھ پہنے تخت پر بیٹھے دیکھایا جاتا ہے۔ یہ ایک عقاب گروڑ پر سوار ہے، جس کو بھی انسانی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کی بیوی لکشمی ہے، جو دولت کی دیوی ہے، جو مودبانہ اس کی خدمت میں رہتی ہے۔ لکشمی کی سواری مور ہے۔ وشنو کے ماننے والے لکشنی، گروڑ، مور اور ہنومان کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ وشنو سمندر کی گہرائی میں ہزار سر والے سانپ شیش پر سویا رہتا ہے۔ جب کوئی کائنات کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو بھر جاگتا ہے۔ چنانچہ کائنات کو بچانے اور برائیوں سے بچانے کے لیے مختلف مواقع پر اس نے نو بار جنم لیا ہے اور ایک بار جنم لینے والا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

1. متسیا: اس نے مچھلی کی شکل اختیار کر کے ایک سادھو منو کی مدد کی تھی۔
2. کورم: اس نے کچھوے کی شکل اختیار کر کے مندھر پہاڑ جو سمندر میں غرق ہو رہا تھا اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔
3. وراہ: اس نے ہرن یکش دیو کو مارنے کے لیے سور کا جنم لیا تھا۔
4. نرسنگھ: نے نیم انسانی شیر کی شکل میں ہرن یکشیپو دیو جس نے خدائی کا دعویٰ کر کے وشنو کی پوجا سے روک دی تھی قتل کیا۔
5. وامن: ایک حکمران بلی نے آسمان پر قبضہ کر کے دیوتاؤں کو جلاوطن کر دیا تھا۔ اس نے ایک بونے کی شکل میں جنم لے کر اسے باہر کیا۔
6. پرشورام: جب کشتریوں نے براہمنوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا تو اس نے پرشورام کا جنم لیا اور کلہاڑی سے تمام کشتریوں کو قتل کیا۔
7. دشرتھ رام: ساتویں مرتبہ اس نے رام کی صورت میں جنم لیا اور لنکا کے راجا جس نے سیتا کو اغوا کر لیا تھا قتل کیا۔ یہ قصہ رامائن میں پیش کیا گیا ہے۔
8. کرشن: آٹھواں جنم اس نے کرشنا کی صورت میں مہابھارت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔
9. بدھ: نواں جنم اس نے بدھ کی شکل میں لیا تھا اور اپنے عقیدت مندوں کو چاہنے کے لیے ایسی تعلیم پیش کی جو وشنوی تعلیم سے مختلف تھی۔ جو راسخ عقیدہ تھے وہ ثابت قدم رہے اور جن کے دلوں میں کھوٹ تھا وہ گمراہ ہو گئے۔
10. کلکی: وشنو کا دسواں اور آخری جنم ہے۔ جب دنیا برائیوں کے آخری کنارے تک پہنچ جائے گی، تو وہ کالکی کی شکل میں ایک گھوڑے پر سوار تباہی کی تلوار لیے آئے گا اور دنیا کو برباد کر کے ایک نئی دنیا آباد کرے گا۔

یہ فرقہ مزید ذیلی فرقوں میں بٹا ہوا ہے، اس کی اہم کتابیں ہری ونش اور وشنو پران ہیں اور یہ بھگتی کو مکتی کو اہم ذریعہ سمجھتا ہے۔

شیومت

یہ فرقہ شیو کو رب اعلیٰ مانتا ہے اور اسے تخریب و تعمیر کا دیوتا سمجھتا ہے، اسے مہایوگ اور مہادیو بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ غیر آریائی دیوتا ہے، جس کی پوجا وادی سندھ میں ہوتی تھی۔ اس کی بیوی پاروتی ہے، جو مختلف روپ کی وجہ سے درگا، کالی اور اُما پاروتی کے ناموں سے مشہور ہے۔ پاروتی سے شیو کے دو بیٹے پیدا ہوئے، ایک گنیش اور دوسرا کارتیکے جو جنگ کا دیوتا مانا جاتا ہے اور اس کا نام سکند بھی بتایا جاتا ہے۔
شیو کے پجاری شیو کے علاوہ پاروتی اور اس کے بیٹوں خاص کر گنیش جو ہاتھی کا سر رکھتا ہے، کے علاوہ نندی (شیو کی سواری کا بیل) کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندوؤں میں جو لنگ اور یونی پوجا ہوتی ہے، وہ بھی شیو اور کالی کے متعلق ہیں۔ اس فرقہ کی اہم کتاب وایو پران ہے۔ یہ علم کو نجات کا ذریعہ مانتا ہے۔ یہ فرقہ بھی بہت سے ذیلی فرقوں میں بٹا ہوا ہے۔

شکتی مت

یہ فرقہ شکتی کی پوجا کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ شکتی مونث ہے اور وہ ایک عورت کی حثیت سے تشخیص کی جاسکتی ہے اور وہ نسوانی شکل رب اعلیٰ ہے اور وہ اسے درگا، کالی اور بھوانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسے شیو کی بیوی مانتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق شیو کی بیوی بنے سے کالی یا درگاہ کے قادر مطلق ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ شکتی مزکورہ کی مختلف شکلوں میں کالی بہت مشہور ہے۔ اس کو سیاہ رو ہاتھی جیسے دانت نکالے اور منہ کو خون سے سرخ کیے دیکھا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا روپ بھوانی اب ٹھگوں کی دیوی ہے۔

اس کے دو بڑے فرقے ہیں، 'دکشن مارگی' یعنی دائیں بازو کے پوجنے والے اور 'وامامارگی' یعنی بائیں بازو کے پوجنے والے۔ یہ ایک خفیہ فرقہ ہے جو ان کے نزدیک پانچ 'م' نجات کا ذریعہ ہیں، یعنی مادیہ (شراب)، متسیا (مچھلی)، مانس (گوشت)، مدرا (اناج)، میتھن (جنسی اتحاد)۔ ان لوگوں میں ایک مذہبی رسم ہے جسے یہ چکرپوجا کہتے ہیں، اس پوجا میں اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت سے اختلاط کرنا کار ثواب سمجھا جاتا ہے اور وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس کی رومانی بیوی بن جاتی ہے۔ اس فرقہ کی اہم کتابیں تنتر ہے۔ یہ ہری ونش اور مارکنڈیہ پر ان کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔

گنپتی مت

یہ فرقہ گنیش کو رب اعلیٰ مانتا ہے اور اس کو فہم و تدبر کا دیوتا سمجھتا ہے۔ گنیش کو ہاتھی کے سر کے ساتھ دیکھایا جاتا ہے۔

سوریامت

یہ سورج کو دیوتا مانتا ہے اور طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اس کی پوجا کرتا ہے۔

سمارت سوتر

یہ وسیع النظر فرقہ ہے اور ہر دیوتا پر اعتقاد رکھتا ہے اور اپنی خواہش اور ضرورت کے تحت اس کی پوجا کرتا ہے۔

پرستش کے دیوتا

پرستش کے لیے ہندو تین دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ پہلا گرام دیوتا، یعنی بستی کا دیوتا، دوسرا کُل دیوی / دیوتا یعنی خاندان کا دیوتا، تیسرا اِشٹ دیوتا، یعنی محبوب دیوتا۔ اس طرح ایک ہندو کا گرام دیوتا گنیش، کُل دیوی لکشمی اور محبوب دیوتا نندی ہو سکتا ہے۔ گرام دیوتا مندروں میں خاندانی اور محبوب دیوتا گھروں میں رکھے جاتے ہیں۔ ان تین دیوتاؤں کے علاوہ ہر ہندو دوسرے بہت سے دیوتاؤں کو حسب مواقع پر پوجتا ہے۔ درگاہ پوجا کے موقع پر درگا کو، گنیش چترتھی کے موقع پر گنیش کو، کرشن کے جنم اشٹمی کے زمانے میں کرشن کی، دیوالی کے موقع پر لکشمی کو اور شیواتری میں شیو کی پرستش کی جاتی ہے۔

ہندمت کے یہ اہم دیوتا ہیں، مگر ان کی فہرست بہت لمبی ہے اور ان کی تعداد پانچ کروڑ بتائی جاتی ہے، اس لیے ان سب کا جائزہ لینا آسان نہیں ہے، مختصر یہ ہے کہ تمام اہم اور غیر اہم بے شمار دیوتاؤں کے علاوہ بے شمار جانور مثلاً ہاتھی، سانپ، گھڑیال، شیر، مور، ہنس، طوطا، چوہا وغیرہ مختلف دیوتاؤں کی طرف سے ہونے کی وجہ سے مقدس سمجھے جاتے ہیں اور ان کی پوجا ہوتی ہے۔ جانوروں میں سب سے اہم گائے ہے۔ ان کے علاوہ درختوں میں پیپل، انجیر، تلسی اور ببول اور دریاؤں میں گنگا کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اسے مقدس سمجھا جاتا ہے۔

ہندوؤں میں مورتی پوجا

ہندوؤں میں پہلے مورتیوں کی پوجا نہیں ہوتی تھی۔ اس کا رواج بہت میں بعد پڑا ہے۔ سب سے پرانی شہادت وہ 200ق م میں نگری کے کتبہ میں سن کرشن اور باسودیو کی پوجا کے لیے مندر بنانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بت پرستی کی سب سے پرانی اور مستند شہادت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رواج اس وقت تک پڑ چکا تھا۔ رفتہ رفتہ اس میں بہت سے نئے اور پرانے فرقوں میں مورتی پوجا کا رواج ہو گیا۔ کتبوں، تانبے کی منقوش تختیوں اور قدیم کتب میں وشنو کی مورتیوں کی پوجا کا ذکر سب سے پہلے ملا ہے۔

رام جو وشنو کا اہم اتار ہے اور اس کی پوجا کا ہندوؤں میں اب بہت زیادہ رواج ہے۔ مگر دسویں صدی عیسویں تک رام کے نہ مندر تھے نہ مورتیاں تھیں۔ بہت بعد میں رام کی پوجا اور رام دسرہ کے تہوار منائے جانے لگے۔ ان کی پوجا پر سب سے پہلے رامانج نے بارہویں صدی سیتا کی پرستش پر زور دیا اور ان کی مورتیوں کی پوجا کی جانے لگیں۔

البتہ کرشن کی پوجا قدیم زمانے ہو رہی تھی۔ چوتھی ق م میں میگاس تھینیز نے متھرا کے شور سینی جادوؤں کے متعلق لکھا کہ وہ ہیر کلوس (ہری کرشن یا باسیو دیو) کی پوجا کرتے ہیں۔ پانی نے بھی اپنے سوتروں میں باسو دیو کے نام کا تذکرہ کیا ہے۔ غالباً پانی کے زمانے میں باسو دیو کی پوجا شروع چکی تھی۔ اس لیے بھاگوت (ویشنو) فرقہ کی مورتی پوجا اس سے بھی قدیم ہوگی۔ ویشنوئی پنچ گانہ مراسم کے پیرو تھے۔ جس میں مندروں میں جانا، پوجا کے لوازم جمع کرنا، پوجا منتروں کا پڑھنا اور یوگ سے ایشور کا درشن ہونا مانتے تھے۔ دکن میں بھگوت فرقے کا آغاز نویں صدی میں ہوا تھا۔ وہاں کے راجے کرشن کے بھگت تھے۔

وشنو کی مورتی بھی پانچویں صدی سے قبل کی کوئی مورتی نہیں ملی ہے۔ اس نہیں کہا جاسکتا ہے اس کے دو ہاتھ تھے یا چار ہاتھ۔ تاہم بدھ اور سورج کی جو مورتیاں ملیں ہیں وہ دو ہاتھوں والی ہیں۔ البتہ کشان فرمانروا کڈفسس کے سکوں پر پہلی صدی میں شیو کی مورتی بنی ہوئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے جو آج ہندو دیوتاؤں کی مورتیوں میں دو سے زیادہ سے زیادہ ہاتھ دیکھائے جاتے ہیں پہلے اس کا رواج نہیں۔ پہلے پہل بدھ کی مورتی میں چتر بھیج (چار ہاتھوں والی) بنائی گئی تھی۔ بعد میں وشنو اور شیو کی مورتیاں کو بھی چتر بھیج بنانے لگے۔ یہاں تک وشنو کی مورتیوں 41 اور 42 ہاتھوں والی بھی مورتیاں بھی بنائی جانے لگیں اور ان ہاتھوں میں مختلف طرح کے اسلحے تھما دیے گئے۔ وشنو کی تین منہ والی موتیاں بھی ملی ہیں۔ ان میں مکھٹ (تاج) کے ساتھ تین چہرے بنائے گئے ہیں یا بیچ میں وشنو کا تاجدار سر ہے اور دونوں طرد براہ اور نرسنگھ کی موتیاں بنی ہوئی ہیں۔ غالباً یہ مورتیاں بھی شیو کی تثلیث کی نقل ہیں۔

شیو فرقے کے لوگ شیو کی مختلف شکلوں میں مورتیاں بناتے اور پوجنے لگے۔ عموماً یہ ایک چھوتے گول ستوں کی صورت کی ہوتی تھیں یا اوپر کے حصہ گول کر کے چاروں طرف چار منہ بنا دیے جاتے تھے۔ اوپر کے گول حصے برہمانڈ (کائنات) اور چاروں منہ میں پورپ والے سورج، پچھم والے سے وشنو، اتر والے سے برہما اور دکھن والے سے رودر مراد ہوتے تھے۔ کچھ مورتیں ایسی ملی ہیں جن کے چاروں طرف منہ ہیں۔ ان چاروں دیوتاؤں کی مورتیاں ہی بنی ہیں۔ ان چاروں کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا بنانے کا منشا یہ تھا کہ کونین کا خالق شیو ہے اور چاروں طرف دیوتا اس کی صفات کی مختلف صورتیں ہیں۔ شیو کی عظیم الجثہ تری مورتی (تثلیث) کہیں کہیں پائی گئی ہیں۔ اس کے چھ ہاتھ تین منہ بڑی بڑی چٹاؤں سے مزیں تین سر ہوتے ہیں۔ ایک منہ روتا ہوا جو شیو کو رودر کہلانے کی دیلیل ہے۔ اس کے وسط کے دو ہاتھوں میں ایک میں بجورا اور دوسرے میں مالا ہے۔ داہنی طرف کے دو ہاتھوں میں ایک میں سانپ اور دوسرے میں پیالہ۔ بائیں طرف کے دو ہاتھوں میں ایک میں تپلی چھڑی اور دوسرے میں ڈھال یا آئینہ کی شکل کی کوئی گول چیز ہوتی ہے۔ تثلیث مورتی چبوترے کے اوپر اس میں صرف جسم کا بالائی دیوار سے ملا ہوتا ہے۔ اس کے سامنے زمین پر اکثر شیو لنگ ہوتا ہے۔ ایسی تری مورتیان بمبئی سے چھ میل دور ایلنٹا، چتور کے قلعے، سرہی راج وغیرہ کئی مقامات پر دیکھنے میں آئی ہیں۔ جن میں سب سے پرانی ایلفنٹا والی۔ شیو کی رقص کرتی مورتیان دھات یا پتھر کی کئی سے جگہ ملی ہیں۔

اس طرح لکولیش یا نکولیش فرقہ کی مورتیاں راجپوتانہ، گجرات، کاٹھیاوار، دکھن، بنگال اور اڑیسہ ملی ہیں۔ ام مورتیوں میں شیوں کے سر پر اکثر لمبے بال ہوتے تھے۔ دو پاتھ ہوتے تھے جس میں دائین ہاتھ میں ہیجورا اور بائیں ہاتھ میں ڈنڈا یعنی لکولیش ہوتا تھا۔ اس کی نشست پدماسن ہوتی تھی۔
برہما کی یگیوں (قربانی) کا بانی اور وشنو کا اوتار مانا جاتا ہے۔ برہما کی جو مورتی دیوار سے ملی ہوتی تھی اس کے تین منہ ہوتے اور جس مورتی کے چاروں طرف طواف کیا تھا اس کے چار منہ دیکھائے جاتے ہیں۔ ایسی چومکھی مورتیاں بہت کم ہیں۔ برہما کے ایک ہاتھ میں سرود ہوتا ہے جو یگیہ کرانے کی علامت ہے۔ شیو اور پارپتی ک مشترک مورتیوں میں جو کئی جگہ ملی ہیں ان میں برہما پروہت بنایا گیا ہے۔ مورتیوں کے تخیل میں برہما، وشنو اور شیو تینوں ایک پرماتما کی مختلف صورتیں مانی گئی ہیں۔ برہما کی کئی مورتیں ایسی ملی ہیں جن کے کنارے پر وشنو اور دوسرے پر شیو کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں ہیں۔ اس طرح وشنو کی مورتیوں پر شیو اور برہما کی مورتیں اور شیو کی مورتیون پر وشنو اور برہما کی مورتیاں ہوتی ہیں۔ بعد میں ان تینوں دیوتاؤں کی الگ الگ مورتیاں بننے لگیں۔ شیو اور پاربتیوں کی بعض مورتیوں میں آدھا جسم شیو کا اور آدھا پاربتی کا۔ ایسی تینوں کی مجموعی مورتی بھی ملتی ہیں۔ شیو اور وشنو کی مشترک مورتی کی ہر ہر اور تینوں کی مشترک مورتی کو ہری پتامہ کہتے ہیں۔
ابتدا میں پرتما کے دیوتاؤں کی الگ الگ پوجا نہیں ہوتی تھی۔ الگ الگ پوجا بعد کی پیداوار ہیں۔ بلکہ ایشور کی مختلف شکتیوں اور دیوتاؤں کی بیویوں کی بھی مورتیاں بنادی گئیں اور ان کی بھی پوجا ہونے لگی۔ قدیم ادبیات میں ایسی کتنی دیویوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں براہمی، ماہیشوری، کوماری، ویشنوی، باراہی، نارسنگھی اور ایندری کی ان سات شکتیوں کو ماترکا کہتے ہیں۔ کچھ خوفناک اور غضبناک شکتیاں بھی ایجاد کی گئیں۔ ان میں کالی، کرالی، کاپانی، چامنڈآ اور چنڈی، بھوانی زیادہ مشہور ہیں اور ان کا تعلق کاپالکوں اور کالامکھوں سے ہے۔ کچھ ایسی شکتیوں کی بھی ایجاد ہوئیں جو نفس پروری کی طرف لے جانے والی ہیں۔ ان دیویوں میں انند بھیروی، تری پورسندری اور للتا وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے ماننے والوں کے خیال میں شیو اور تری پورسندری کے اختلات سے دنیا وجود میں آئی ہے۔ ان کے مطابق ناگری رسم الخط کے پہلے حرووف سے شیو اور آخری حروف سے تری پورسندری مراد ہیں۔ اس طرح دو حروفوں مل کر اختلات کا اشارہ کرتے ہیں۔
گنیش اور اس کی ماں امیکا کی پوجا کا تذکرہ ملتا ہے مگر چوتھی صدی سے پہلے کی گنیش کی کوئی مورتی ملی ہے اور نہ کوئی کتبہ ملا ہے۔ ایلورا کے غاروں میں دوسرءدیوتاؤں کے ساتھ گنیش کی مورتیاں ملیں وہ بعد کی ہیں۔ نویں صدی کے گھٹیالا کے ستون میں گنیش کی چار مورتیاں ملی ہیں۔ گنیش کے منہ پر سونڈ کب لگائی گئی اس بارے معلومات نہیں ہیں۔ مگر ایلورا اور گھتیالے کی کی موتیوں پر سونڈ بنی ملی ہے۔ مالتی مادھو ناٹک میں گنیش کی سونڈ کا ذکر ہے۔
اسکندیا کارتکیہ کی پوجا بھی قدیم زمانے سے پوجا جاری ہے۔ رامائن میں اسے کنگا کا بیٹا کہا گیا ہے اور بعد میں یہ شیو اور پاربتی کا بیٹا مشہور ہو گیا۔ یہ دیوتاؤں کی فوج کا سپہ سالار ہے۔ پتنجای نے مہابھاشیہ میں شو اور اسکندر کی مورتیوں کا زکر کیا ہے۔ کنشک کے سکوں پر اسکند، مہاسین آدی کمار کے نام ملتے۔ ہیمادری کے ورت کھنڈ میں اسکند کی پوجا کا حال ملتا ہے اور یہ پوجا آج بھی جاری ہے۔
برصغیر میں سورج کی پوجا کا رواج بھی رہا ہے۔ سورج کو ایشور کا روپ مانا جاتا تھا اور اس کا درجہ بہت اونچا ہے۔ سورج کی مورتی دو ہاتھوں والی اور دونوں ہاتھوں میں کنول، سر پر تاج، سینہ پر زرہ اور پیروں میں گھٹنے سے کچھ نیچے لمبے بوٹ ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی پوجنے والی مورتیوں میں صرف سورج کی مورتی کے بوٹ ہوتے ہیں۔ شاید یہ ایران سے آئی ہو، جہاں بوٹوں کا رواج تھا اور اس کے پجاری مگ ایرانی ہوتے ہیں۔ پھوشیہ پر ان میں

لکھاہے کہ سورج کے پیر کھلے نہیں ہونے چاہیے۔ اس پر ان میں ہے کہ راجا سانب جو کرشن اور جاموتی کا بیٹا تھا سورج کی وجہ سے بیماری سے شفا پائی۔ اس نے سورج کا مندر بنانا چاہا مگر برہمنوں نے نہیں مانا۔ اس نے ایران سے مگ قوم کے برہمنوں بلوایا۔ یہ لوگ اپنی پیدائش برہمن کنیا اور سورج سے مانتے تھے اور سورج کی پوجا کرتے تھے۔ سورج پوجا برصغیر مین کب سے رائج ہے یہ کہنا مشکل ہے۔ براہ مہر نے لکھا ہے سورج کی مورتیوں کی پوجا مگ قوم کے لوگوں نے رائج کی ہے۔ البیرونی لکھتا ہے ہندوستان کے تمام سورج مندروں کے پجاری ایرانی مگ ہوتے ہیں۔ راجپوتانہ میں سورج کے ہزاروں مندر بنے ہوئے ہیں اور ان کے پجاریوں کو سیوک اور بھوجک کہتے ہیں۔ شیو مندر میں بیل، وشنو مندر میں گروڑ ان کی سواری ہوتے ہیں۔ اس طرح سورج مندر میں سر کے سامنے چوکور کھمبے کے اوپر ایک کنول کی شکل کا پہیہ ہوتا ہے، یہی سورج کی سواری۔ سورج کے رتھ کو سات گھوڑے کھنچتے ہیں۔ اسے سپتاشو (سات گھوڑون کا سوار) کہتے ہیں اور کئی مندرون میں سورج کے نیچے سات گھوڑے بھی بنے ہوتے ہیں۔ ایک مندر میں نیچے سورج بوٹ پہنے ہوئے ہے اور اوپر برہما، وشنو اور شیو بنے ہوئے ہیں۔ سورج کا سب سے پرانا مندر منڈ سور میں پانچویں صدی کا بنا ہوا ہے۔ ملتان کا سورج کا مندر مشہور ہے۔ اسے مہر کلا نے بنوایا تھا۔ ہن سورج کی پوجا کرتے۔ ہرش کے بزرگ بھی سورج کی پوجا کرتے تھے۔ سورج کے بیٹے ریونٹ کی بھی گھوڑے پر بیٹھی موتیاں ملتی ہیں اور وہ گھوڑوں کا دیوتا ماتا جاتا اور اس کے پیروں میں بھی لمبے لمبے بوٹ ہوتے ہیں۔

آٹھ دگپالیں اندر، اگنی، یم نیرت، برن، مرت، کبیر اور ایش (شیو) کی بھی مورتیں ملتی ہیں۔ یہ آٹھ سمتوں کے نام ہیں۔ یہ مندروں میں پوجی جاتی ہیں اور اکثر مندر میں اپنی ترتیب سے لگی ہوئیں ہیں ان سمتوں کی پوجا قدیم ہے۔ پتنجلی نے اپنے مہابھاشہ میں دھن پتی (کبیر) کے مندر میں مردنگ، سنکھ اور بانسری بجانے کا ذکر کیا ہے۔

اس کے دیوتاؤں کے بعد گرہ، نچھتر، صبح، دوپہر، شام، ہتھیارو، کلی، یوگوں کی، راگوں کی بھی موتیاں بنائی گئیں ہیں۔ آخر میں ہندوؤں کے پانچ پوجنے والے دیوتا سورج، وشنو، دیبی، رودر اور شیو رہ گئے اور ان کی مشترک مورتیاں پنچاء تن کہلاتی ہیں۔ ایسے پنچا تین مندروں میں بھی ملتے ہیں اور گھروں میں بھی ان کی پوجا ہوتی ہے۔ جس دیوتا کا مندر ہوتا ہے اس کی مورتی وسط میں اور باقی چاروں کی مورتیاں کونوں پر بنی ہوتی ہیں۔

ہندومت کی اصلاحی تحریکیں

برصغیر میں بدھ مت سے لے کر سکھ مت تک کی تحریکیں مختصر کامیابی کے بعد صرف چند رسم ورواج تک محدود ہو گئیں۔ بدھ مت کو ہی لیجئے جو کہ ایک زمانے میں پنجاب سے لے کر افغانستان تک اپنی نظریاتی حدیں وسیع کر چکا تھا۔ لیکن تاریخی شہادت یہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ہندومت نے دوبارہ غلبہ حاصل کر لیا اور بدھ مت چند عجائب گھروں تک محدود ہو گیا۔ جین مت اور مختلف دوسری تحریکوں کا بھی یہی انجام ہوا۔ برصغیر میں سب سے آخر میں سکھ مت کی تحریک ابھری جس میں ذات پات جنسی اور طبقاتی نظام کی اصلاح کا پرچار کیا گیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً دو صدیوں کے بعد جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی شکل میں اس تحریک نے ایک علاقے میں حکومت قائم کر لی تو ہندومت کے بنیادی اعتقادات نے دوبارہ غلبہ حاصل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ستی کی رسم تک کو دوبارہ زندہ کر لیا گیا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ سات عورتیں ستی ہوئی تھیں۔

سوال یہ ہے کہ برصغیر میں ہر اصلاحی تحریک کیوں ناکام ہوئی اور ہندومت کے رسم ورواج نے کیوں غلبہ حاصل کر لیا؟ اس کا سطحی جواب تو ہندوؤں کی شاطرانہ چالوں میں ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پچھلے تین ہزار سالوں میں برصغیر کے پیداواری نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ پورے علاقے میں نوے فیصد سے زیادہ آبادی خود کفیل دیہات میں رہائش پذیر رہی اور چھوٹے چھوٹے شہر ان کی وافر پیداوار پر پلتے رہے۔ اس سارے دور میں نہ صرف دیہات خود کفیل تھے بلکہ ان کے اندر خاندانی اکائیاں بھی اپنی ضرورت کی ہر جنس خود آگاتی تھیں اور باقیماندہ ضرورت کی اشیاء مقامی دستکار مہیا کرتے تھے۔ ساٹھ کی دہائی تک صرف نمک، مٹی کا تیل اور دوسری چند اشیاء باہر سے منگوائی جاتی تھیں۔ اس نظام پیداوار نے جس طرح کے نظریات کو جنم دیا تھا وہ ہندومت کی شکل میں سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے مذہب تبدیل کرنے کے باوجود ان کے بنیادی اعتقادات میں تبدیلی نہیں آتی تھی یعنی وہ قدیم ہندومت کے ارد گرد گھومتے رہتے تھے۔ برصغیر کے مختلف مذاہب کے لوگوں کے بنیادی عقائد ایک ہی جیسے تھے اور اسی وجہ سے مذہبی برداشت بھی زیادہ تھی جواب ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔

اصلاحی تحریکیں

شنکر اچاریہ:

آٹھویں صدی کے آخر میں مالا باغ کے ساحل پر کانڈی نامی گاوں میں شنکر اچاریہ پیدا ہوا جو نہایت ہی ذہین وفطین بچہ تھا سولہ سال کی عمر میں تمام فلسفوں اور الہیات پر حاوی ہو گیا تھا۔ جب شنکر اچاریہ نے ہندو دھرم کی ابتر حالت دیکھی تو اس کی اصلاح کا ارادہ کیا۔ اور گھر سے نکل کر پورے ہندوستان میں گھومتے رہے۔ اس دوران اپنے نظریات کے مطابق کتب تحریر کیں ان میں تفسیر و دیانت، تفسیر اپنشد اور تفسیر گیتا قابل ذکر ہیں۔ مہاتمابدھ کی طرح انہوں نے بھی الگ مذہبی جماعت قائم کرنا چاہی۔

نظریات

شنکر اچاریہ نے تمام ہندوؤں کو ایک ویدک دھرم پر جمع ہونے کی دعوت دی اور کہا خدا ایک ہے وہی حقیقت ہے اور باقی سب دھوکا ہے۔ دنیا بے قیمت ہے اس کی حقیقت برہمہ ہے اور تمام انسان اس حقیقت کے جذ ہیں۔ اس کا نظریہ تھا کہ رہبانیت قائم کی جائے اس کے لئے اپنی خواہشات کو رب کے سپرد کیا جائے۔

شنکر رامانج

شنکر 1016 عیسوی میں مدراس میں پیدا ہوا۔ وہ یادوپرکاش کا شاگرد بنا مگر اپنے استاد سے اختلاف ہوا تو جمنا منی کا چیلا بن گیا اس کی وفات پر اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اسی دوران اپنے نظریات اور فلسفوں پر کتب تصنیف کیں۔ بعد ازاں اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے ملک کے دورے کئے۔

نظریات

رامانج حقیت میں بھگتی تحریک کا بانی ہے اس نے شنکر اچاریہ کے مایا (دنیا کے نظریے) کی مخالفت کی۔ شنکر خدا کی صفات کا قائل نہ تھا جبکہ رامانج خدا کی صفات کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں، وہی قادر مطلق ہے وہی روح اور مادہ کو پیدا کرنے والا ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ اس نے خدا کے اوتاروں کو بھی تسلیم کیا۔

رامانج ذاتوں کی پرانی تقسیم کے قائل تھے۔ مگر شودروں کے حق عبادت کو تسلیم کرتے تھے۔

رامانج نے نجات حاصل کرنے کے پانچ درجے بتائے۔

❶ مندر میں جھاڑو دینا۔ ❷ پوجا کے لئے پھول چن کر لانا ❸ خدا کی پوجا کرنا ❹ خدا کے ناموں کے گیت گانا (بھجن گانا) ❺ مراقبہ کرنا

لنگایت

لنگایت اور بعض دوسرے فرقوں میں بھی اسلامی تعلیم کے واضع اثرات نظر آتے ہیں ان کا گرو "**بساو**" تھا ان کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے وہ تمام صفات عالیہ کا مجموعہ ہے۔ وہی تمام مادے اور تمام ارواح کا خالق و مالک ہے۔ وہ ذات پات کا کوئی قائل نہیں تھا۔ اس کے نظریے کی مطابق طلاق کی اجازت تھی اور بیوہ کو دوسری شادی کا حق تھا۔ یہ مُردوں کو دفن کرتے تھے۔ تناسخ کا عقیدہ ان کے نزدیک غلط تھا۔

رامانند:

رامانند 1299 عیسوی میں الہ آباد کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا۔ بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ رامانند در حقیقت رمانج کے مذہب کا پیروکار تھا۔ اس کا فلسفہ سیکھا اور ہندی زبان میں اس کی اشاعت کی۔

اس نے اپنے ماننے والوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو زاہد کہلاتے تھے اور دوسرا گروہ دنیادار زاہدوں کی تربیت رمانج کے طریقہ پر کی اور رمانند ذات پات کا مخالف تھا اس کے مریدوں میں تمام ذاتوں کے افراد تھے۔ اس کے شاگردوں میں ناواجی، سور داس تلسی داس جے دیو، کبیر مشہور ہیں۔ جنہوں نے رامانج کی خواہش کے مطابق ہندو دھرم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ناواجی نے رامانند کی خواہش پر ایک مشہور کتاب بھگت مال لکھی۔ تلسی داس نے رامائن لکھی۔ جبکہ جے دیو اپنے وقت کا مشہور شاعر تھا۔ اس کا کلام وجد اور سماع کی محفلوں میں گایا جاتا تھا۔ بھگت کبیر رامانند کا چیلا بنا اور رامانند کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو گیان کا سبق دیتا تھا۔ وہ ایک خدا کا قائل تھا۔ بت پرستی کو گمراہی ذات پات کی تفریق کو ماتھے کا کلنک کہتا تھا۔

چےتنیہ:

یہ 1488 عیسوی میں بنگال میں پیدا ہوا، 25 سال کی عمر میں سنیاسی بن گیا، پورے ملک کا دورہ کر کے محبت اور امن کا پرچار کیا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ خدا ہر آتما میں موجود ہے اس لئے ہر فرد قابل تکریم ہے۔ یہ ذات پات کا مخالف تھا۔ مساوات کا قائل تھا۔ غُرباء مساکین اور مصیبت زدہ لوگوں سے محبت کرتا تھا اس کے نزدیک برہمن اور شودر میں کوئی تمیز نہیں اس کے نزدیک خدا کی عبادت اور محبت ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

سادھو

مہاراشٹر میں ایک مرہٹہ سادھو نام دیو ایک نیچ ذات خاندان میں پیدا ہوا اس نے توحید کا پرچار کیا۔ بُت پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور ذات پات کا شدید مخالف ہوا۔

گرونانک

گرونانک لاہور کے قریب تحصیل شرق پور کے گاؤں تلونڈی میں 1466 عیسوی میں پیدا ہوا۔ اس نے ہندی پنڈت سے پڑھی جبکہ فارسی ایک مسلمان سے پڑھی۔ نانک نے تلونڈی کے ایک مسلمان کو لے کر مختلف خانقاہوں اور ہندوؤں کے مقدس مقامات کی سیر کی۔

سادھو، سنتوں اور صوفیوں سے فیض حاصل کیا اور پھر اپنی تبلیغ شروع کی۔ نانک نے شیخ اسماعیل بخاری، علی ہجویری، بابا فرید، جلال الدین بخاری اور مخدوم جہانیاں سے فیض حاصل کیا۔ اس لئے اسے بعض محققین مسلمان بھی مانتے ہیں۔ بابا گرونانک نے جو تعلیمات دیں ان کا خدوخال یہ ہے۔

توحید گرونانک خالص توحید کے قائل تھے۔ ان کے خیال میں خالص توحید کا سبق کسی گُرو سے ہی مل سکتا ہے۔

رسالت کا اقرار گرونانک کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانیت کی ہدایت کے لئے رسالت ضروری ہے

قرآن مجید: گرونانک قرآن کو اللہ کا کلام مانتے تھے۔ اور اسے دنیا کی ہدایت کا ذریعہ مانتے تھے۔

بابانانک اوہام پسندی ضعیف الاعتقادی رسوم پرستی، ذات پات کی تمیز کے شدید مخالف تھے۔

رائے داس

یہ بنارس میں پیدا ہوا۔ چمڑے کا کام کرتا تھا۔ سماجی حیثیت سے نیچ ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نذریعہ تھا کہ رام اکیلا ہے۔ وہ عاقل ہے، وہ ابدی ہے۔ وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ جبکہ بندہ بے عقل احمق اور گناہگار ہے۔

ملوک داس

ملوک داس اکبر بادشاہ کے زمانہ میں 1574ء میں اِلہٰ آباد میں پیدا ہوا۔ اس نے ایک فرقہ کی بنیاد رکھی جس میں نیچ ذات کے ہندو شامل ہوتے تھے۔ اس نے ظاہری مذہب کو رد کیا۔ اور باطنی پاکیزگی پر زور دیا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا انسان کی دشمن ہے اور اس سے حفاظت کا راستہ صرف خدا کا نام ہے۔ دنیا فانی ہے۔ دنیاوی رشتے کسی کام کے نہیں۔ آدمی مٹی سے پیدا ہوا اور مٹی میں مل جائے گا۔

ہندو سماج میں طبقاتی نظام

جب سے آریاء لوگ ہندوستان آئے ہیں انہوں نے طبقات کو تشکیل دیا ہے جو آج تک موجود ہیں، اور ان کے خاتمہ کا کوئی راہ دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق یہ اللہ کی تخلیق کردہ ابدی تقسیمات ہیں۔

منو کے قوانین میں طبقات کا ذکر اس طرح آیا ہوا ہے:

① **برہمن** یہ وہ لوگ ہیں جن کو برہمانے اپنے منہ سے پیدا کیا ہے انہیں میں سے معلم، کاہن اور قاضی ہیں، اور انہی کی طرف لوگ شادی اور وفات کے معاملے میں رجوع کرتے ہیں، اور انہی کی موجودگی میں نذر و نیاز دینا جائز ہے۔

② **کھتری** (کشتری): یہ وہ لوگ ہیں جن کو برہمانے اپنے دونوں بازوؤں سے پیدا کیا ہے: یہ لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں، نیاز پیش کرتے ہیں اور دفاع کے لئے ہتھیار اٹھاتے ہیں۔

③ **ویش** یہ وہ لوگ ہیں جن کو برہمانے اپنی ران سے پیدا کیا ہے: یہ لوگ کھیتی باڑی اور تجارت کرتے ہیں، مال کو جمع کرتے ہیں اور مذہبی اداروں میں خرچ کرتے ہیں۔

④ **شودر** (چمار): یہ وہ لوگ ہیں جن کو برہمانے اپنے پاؤں سے پیدا کیا ہے، یہ لوگ اصلی سیاہ فام لوگوں کے ساتھ اچھوت طبقہ کی تشکیل کرتے ہیں۔ ان کا کام اپنے سابقہ تینوں معزز برادریوں کی خدمت کرنا ہے، یہ لوگ حقیر و ذلیل اور گندی پیشوں کو اپناتے ہیں۔

یہ تمام لوگ دینی جذبے سے اس طبقاتی نظام کے تابع ہونے پر متفق ہیں۔

مرد کے لئے اپنے سے اعلیٰ طبقہ سے شادی کرنے کی اجازت ہے، اور اپنے نیچے والے طبقہ سے بھی شادی کر سکتا ہے، لیکن بیوی چوتھے طبقہ شودر (چمار) سے نہیں ہونی چاہئے، اسی طرح شودر (چمار) طبقہ (ذات) کے مرد کے لئے کسی بھی حالت میں اپنے سے اوپر طبقہ سے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

برہمن لوگ یہ سب سے چنیدہ مخلوق ہیں، اور انہیں دیوتاؤں سے بھی جوڑا جاتا ہے، ان کے لئے اپنے غلام شودر کے مالوں میں سے حسب منشا لینے کا اختیار حاصل ہے۔

جو برہمن مقدس گرنتھ (کتاب) کو لکھتا ہے وہ بخشا ہوا ہے اگرچہ اس نے تینوں دنیا (لوگوں) کو اپنے گناہوں سے تباہ کر دیا ہو۔

راجا کے لئے۔ چاہے حالات کتنے بھی مشکل ہوں کسی بھی برہمن شخص سے چنگی یا ٹیکس لینا جائز نہیں ہے۔

اگر برہمن قتل کا مستحق ہے تو حاکم کیلئے صرف اتنا جائز ہے کہ اس کا سر مونڈوا دے، لیکن اس کے علاوہ طبقہ کے لوگوں) کو قتل کیا جائے گا۔

وہ برہمن جس کی عمر دس سال کی ہے وہ اس شودر (چمار) پر فوقیت رکھتا ہے جس کی عمر سو سال کے قریب ہے، جس طرح باپ اپنے بیٹے پر فوقیت و برتری رکھتا ہے۔

برہمن کے لئے اپنے ملک میں بھوک سے مرنا صحیح نہیں ہے۔

منو کے قانون کے مطابق اچھوت لوگ چوپایوں سے زیادہ گرے اور کتوں سے زیادہ ذلیل ہیں۔

اچھوتوں کے لئے سعادت کی بات ہے کہ وہ برہمن کی خدمت کریں اور اس پر ان کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔

اگر کوئی اچھوت کسی برہمن کو مارنے کے لئے اس پر ہاتھ یا لاٹھی اٹھائے، تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، اور اگر وہ اسے لات مارے تو اس کے پیر کو چیر پھاڑ دیا جائے۔

اگر کوئی اچھوت کسی برہمن کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کرے تو راجا کو چاہئے کہ اس کے کولھے داغ دے اور اسے ملک سے جلاوطن کر دے۔

اگر کوئی اچھوت کسی برہمن کو تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو اسے کھولتا ہوا تیل پلایا جائے گا۔

کتا، بلی، مینڈک، چھپکلی، کوا، اُلو اور اچھوت طبقہ کے قتل کا کفارہ برابر ہے۔

ہندومت میں ذاتوں کا ارتقا

قدیم زمانے میں شادی و بیاہ اور کھانے پینے کے متعلق ہر قوم میں کچھ نہ کچھ بندشیں تھیں اور اب بھی ہندو مذہب میں مختلف بندشیں ملتی ہیں جنھیں رواج کا نام دیا جاتا ہے۔ ان ان کی بعض دعوتوں کے کھانے میں اجنبیوں کو بالکل نہیں اور مخصوص لوگوں کو شریک نہیں کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ دعوت کے موقع پر غیروں کو ذات یا رشتہ کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ہر برادری و قبیلہ اگرچہ مختلف طریقہ کار رکھتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ کار ایک زمانے میں پوری دنیا میں جاری تھا۔

ویدوں میں ذات کے لیے ورن کا کلمہ استعمال آیا ہے۔ اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ رنگ ہی ذات کی بنیاد بنا۔ مگر ویدی زمانے میں ذاتوں کا بندھن بہت ڈھیلا ڈھالا تھا اور کوئی پیشہ کسی ذات کے لیے مخصوص نہیں تھا۔ ہر شخص آزاد تھا کہ وہ کسی بھی پیشہ کو اختیار کر سکتا تھا۔ ویدوں میں ایسے بہت سے اشلوک ایسے ملتے ہیں جن میں بڑھی اور کمہار جیسے پیشوں کو جو بعد میں حقیر اور ان کی ذات کو پست بتایا گیا ہے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھا

ہے۔ ساتویں صدی قبل مسیح تک کچھ ایسا ہی دستور ہندوستان میں بھی راءج تھیں۔ برصغیر کی آبادی میں بڑے نسلی گروہ آریا، دراوڑی اور کولاری شامل تھے۔ اس لیے ان کا آپس میں اختلاف رکھنا قدرتی امر تھا۔

ویدی عہد

ویدی دور میں ذاتوں ماخذ ملتے ہیں صرف برہمنی ہیں۔ جس کے مطابق آریا بار بار اپنی گوری رنگت پر نازاں تھے اور چار طبقات یعنی کشتری جو امرا تھے اور اپنی شرافت کا نسب کا جو سات پشتوں تک شمار ہوتا تھا خیال رکھتے تھے۔ یہ رنگ کے گورے، چہرے مہرے پاکیزہ، دیکھنے میں وجیہ اور شاندار۔ اس کے بعد برہمن تھے جو بھینٹ چڑھانے والے پرہتوں کی نسل سے تھے۔ یہ بھی کشتریوں کی طرح شرافت و نسب اور گورے چٹے ہونے کی وجہ سے عوام میں ممتاز تھے۔ تیسرے اہل زراعت کا ویش طبقہ تھا اور سب سے نچلا طبقہ شوردوں کا تھا۔ جن میں بڑا حصہ غیر آریا نسل کا تھا جو مزدوری، دستکاری اور ملازمت کرتا تھا اور ان کا رنگ سانولا تھا۔ لیکن ان چاروں طبقات میں بھی اندونی مراتب تھے۔ جو قدر مبہم اور قدر تغیر پیزیر اور غیر متعین تھے۔

نچلہ طبقہ

آبادی کی یہ تقسیم مکمل نہ تھی اور شودروں سے بھی زیادہ پست، پیچ اور ذلیل ذاتیں (ہنا جاتیو اور ہتا سپتانی) تھیں۔ جن میں چڑی مار، گھسیارے، رتھ ساز کمھار، جلاہے اور چمڑہ ساز شامل تھے۔ بدھ اور جینوں کی کتابوں میں ان قوموں کو چنڈال اور پکس اقوام بتایا گیا ہے جو نہایت حقیر اور پست سمجھے جاتے تھے۔ ہ میں غلاموں کا ذکر ملتا ہے جو نہایت قلیل تھے جو مختلف وجوہ کی بناپر غلام بنائے جاتے تھے اور ان کی اولاد بھی غلام ہوتی تھی۔ مگر ان پر یونانیوں، رومیوں یا عیسائیوں کی طرح ظلم وستم نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ان کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ عموماً گھروں میں کام کرتے تھے۔

پیشوں کی تبدیلی

پہلے تین طبقات جو اعلیٰ طبقہ تھے اور یہ اپنا مقام بدل کر دوسرے طبقہ میں شامل ہو سکتے تھے۔ ایسی بہت سی مثالیں جو کسی نہ کسی وجہ سے محفوظ رہ گئیں ہیں۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ رنگوں اور طبقوں کے درمیاں کوئی حد فاضل نہیں تھی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ قدیم قبائل مثلاً دراوڑی، کولاری اور دوسری قوموں کے امرا اور دوسرے لوگ بھی کسی نہ کسی وجہ سے یا سیاسی اہمت حاصل کرکے ان ذاتوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ان ذاتوں کے بارے میں ہمارے پاس اس کا سب سے بہتر ماخذ بدھ جاتکا (بدھوں کے قصے) ہیں۔ جس میں بدھوں سے پہلے کی ذاتوں اور پیشوں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔

ان جاتکاؤں سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ ذاتوں کے لوگوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ چاہے ذلیل پیشوں میں سے کوئی پیشہ اختیار کرلیں اور ان کے نسب پر کوئی حروف نہیں آتا تھا۔ چنانچہ ایک بدھ جاتکا میں ہے کہ ایک کشتری عاشق اپنی معشوقہ کے لیے پہلے کمھار، پھر ٹوکری ساز، پھر دھوبی اور اس کے بعد مالی اور باوچی کا پیشہ اختیار کرتا ہے۔ ایک اور جاتکہ میں ایک امیر شخص پہلے درزی، پھر کمھار کا کام کرتا ہے، لیکن اس سے ان کے نسب کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔

برہمن

ان جاتکاؤں سے ہی یہ میں معلوم ہوتا ہے کہ برہمن زراعت، گوالے اور گڈریے کی خدمات اجرت پر انجام دیتے تھے۔ اس طرح آپس میں شادی بیاہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ پست ذاتوں کے ساتھ کھانے یا نہ کھانے بارے میں بھی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک برہمن نے کشتری کے ساتھ کھانا کھایا اور ایک دوسری جاتکا میں ایک چنڈال کے ساتھ ہم پیالہ ہوتا ہے اور بعد میں افسوس کرتا ہے۔ پسے ندی کے خاندان ساکیہ کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کے قصہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کشتری اپنی بیٹی جو لونڈی سے پیدا ہو کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اس طرح میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ذاتوں کی خلاف ورزی پر سزا بھی دی جاتی تھی۔ ایک جاتکا میں ایک برہمن کو اس کے برہمن بھائیوں نے اس بات پر برہمنوں کی حیثیت سے محروم کر دیا کہ اس نے پانی کے ساتھ اس پیچ کو جسے استعمال کیا تھا پی لیا تھا اور اسے مار پیٹ کر شہر سے نکال دیا تھا۔

ایک جاتکہ میں ایک برہمن نے ایک کشتری کی متعلقہ سے شادی کرلی۔ مگر اس کی شادی پر اعتراض نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس برہمن کی بد صورتی کا مزاق اڑاتا ہے اور لگتا یہ کہ یہ ایک عام بات ہے۔ بدھ جاتکاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ذات کی عورتوں اور مردوں کے درمیان شادی ہوا کرتی تھیں۔ ان میں اعلیٰ ذات کی عورتیں ادنی درجہ کے مردوں سے بھی شادیاں کرلیتی تھیں۔ اس ظاہر ہوتا ہے کہ ذاتوں کی بندش پر سختی سے عمل نہیں کیا جاتا تھا جو بعد میں رائج ہوگئی تھی۔ اگرچہ بڑی تعداد میں ان شادیوں کا واقع ہونا مشتبہ ہے۔ لیکن مغرور کشتری ذلیل چنڈال کے درمیان کو خلیج واضح نہ تھی۔ اس طرح شمالی ہند میں آریا، کولاری اور دراڑی اقوام کے درمیان بدھ مت کے ظہور تک کوئی امتیازت یا تفریق کے واضح شواہد نہیں ملے ہیں۔ یعنی ذاتوں کی تفریق سے پہلے ان کے درمیان میل جول و اختلاط قائم تھا اور یہ اختلافات اور اجتناب و پرہیز بعد کے دور میں وجود میں آئے ہیں۔

بدھ مت کا اثر

شادیاں و کھانے کے متعلق جو بندشیں اس وقت شمالی ہند میں رائج تھیں وہ اس وقت دنیا کی ہر مہذب اقوام میں موجود تھی۔ اگرچہ یہیں بندشیں بعد میں ہندوستان کی ذات پات کے نظام کی بنیاد بنیں۔ لیکن یہ کہنا کہ بدھ نے ذات پات کے امتیاز کو ختم کیا درست نہیں ہے۔ حقیقت میں صحیح معنوں میں ذاتوں کی تفریق بدھ مت کے زوال اور مسلمانوں کی آمد کے بعد میں نہیں آئی تھی اور بدھ مذہب نے اس ضمن میں کوئی عظیم انقلاب برپا نہیں کیا تھا۔ بدھ مذہب کے دور تک ذاتوں کی بندشیں وہیں تھیں جو بدھ مت سے پہلے تھیں۔

ہندو مذہب

چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کے درمیان ہندو مذہب کو تیزی سے ترقی ہوئی اور پھیلنا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ پورے برصغیر کا مذہب بن گیا۔ وسط ایشیا سے آئے ہوئے قبائل نے برہمنی مذہب قبول کرلیا۔ ان غیر ملکی قبائل نے ہندو مذہب قبول کرنے کے ساتھ برہمنوں کی برتری کو بھی تسلیم کرلیا۔ اس کے صلے میں انھیں گوتریں دیں اور ان کا شجرہ نسب دیومالائی شخصیتوں سے جوڑ دیا اور یہ راجپوت کہلائے۔ اس طرح برہمنوں کو ایک بڑے طاقت ور طبقہ کی حمایت حاصل ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی برہمنوں نے حقیقی فتح حاصل کرنے کے لیے عوام کی طرف توجہ دی۔ انھوں نے عوام کے دیوتاؤں کو قبول کرتے ہوئے ویدی کو ایک طرف کر کے عوام کے دیوتاؤں کی پوجا شروع کی۔ پرانے قصوں میں نئے سرے سے لکھ کر انھیں مقامی روایتوں کے مطابق ڈھالیا گیا۔ اس طرح انھوں نے اپنے آپ کو اب نئے دیوتاؤں کو پوجنے کی وجہ سے عوام میں ان کا تقدس اور برتری

کو قبول کر لیا۔ یہی وجہ ہے ان نئے دیوتاؤں کا پرچار کمارل بھٹ اور شنکر اچاریہ (700ء تا 839ء) نے کیا تو انھیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور مقامی لوگوں نے بدھ مت اور جین مت ترک کر کے برہمنی مذہب قبول کر لیا۔

بیٹی اور روٹی

برہمنوں نے عوام کو یہ باور کرایا کہ دیوتا بھی ان کو مانتے ہیں اور ان کے سامنے ایسی روایتیں پیش کیں کہ برہمنوں کے شراب کے آگے دیوتا مجبور اور بے بس ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اپنے تقدس کو بڑھا کر قانون، معاشرتی اداروں میں ان کا حکم، ذات پات کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا اور۔ درس و تدریس اور ادب پر اپنا حق مقدم رکھا۔ ذاتوں کی سختی سے انھوں نے حدود یں قائم کیں۔ جس میں بیٹی اور روٹی کے اصول قائم کیا کہ کونسی ذات کو کس ذات سے رشتہ اور روٹی کھانا کا تعلق رکھ سکتی ہے۔ اس طرح ذاتوں کے درجات کے وہ اصول متعارف کرائے گئے۔ جس سے معاشرے میں انچ پنچ قائم ہو گئی اور چھوت چھات قائم ہو گئی۔ ان اصولوں کو اتنی سختی سے نافذ کیا کہ معاشرہ بری طرح ذاتوں کے شکنجہ میں جکڑ گیا۔ جو ان اصولوں کو نہیں مانتا تھا وہ ذات اور برادری سے باہر کر دیا جاتا تھا۔

<u>**ہندو مت کو اسلام کی دعوت**</u>

ہندو مت اور اسلام ایک مطالعہ

- ہندو ویدوں اور پرانوں میں ایک خدا کا حوالہ
- ویدوں میں "کلکی اوتار" دراصل نبی محمد ﷺ ہیں
- اسلام کی نمایاں خصوصیات
- سچا ایمان امن اور خوشی میں اضافہ کا سبب
- آخرت کی زندگی — اسلام میں جنت اور جہنم
- ایمان اور تقویٰ دنیاوی فوائد کیسے بڑھاتے ہیں
- مثالی کردار اور اخلاق
- عبادت کے سائنسی فوائد
- اللہ کا دوست کیسے بنا جائے.

بِلا شُبہ ہندو وید، پران اور دیگر بُنیادی صحائف میں یک خدائی (توحید) کا ذکر ملتا ہے۔

صحیفہ	حوالہ	اصل متن اور معنی (اردو)	کلیدی تصور
رگ وید	1.164.46	इन्द्रं मित्रं वरुणिमिाहुरथो मिव्यः स सुपणो गरुत्मान् । एकं समिप्रा बहुधा विन्त्यमिं यिं िातररश्वानिाहुः ॥ اُسے اِندر، مِتر، وُرُن، اگنی کہتے ہیں... جو **ایک** ہے، دانشور اُسے کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔	**خدا ایک ہے**؛ کئی نام، ایک حقیقت
رگ وید	10.48.1	अहं भुवं वसुनः पूव्ययस्पमतरहं धनामन सं जयामि शश्वतः । िां हवन्ते मपतरं न जन्तवोऽहं िाशुषे मव भजामि भोजनि् ॥ ایشور ہی ہر جگہ موجود ہے اور ساری کائنات کا منتظم ہے۔	**واحد**، ہر جگہ موجود **خدا**
رگ وید	10.48.5	अहमिन्द्रो न परा मजग्य इद्धनं न िृत्यवेऽव तस्थे किा चन । सोिमि ा सुन्वन्तो याचता वसु न िे पूरवः सख्ये ररषाथन ॥ ایشور ساری دنیا کو روشن کرتا ہے... وہی دنیا کا خالق ہے۔	**خالق صرف ایک ہے**

رگ وید	8.1.1	िा मचिन्ममि शंसत सखायो िा ररषण्यत । इन्द्रमित्स्तोता वृषणं सचा सुते िुहुरुक्था च शंसत ॥ اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو، صرف اسی کی ستائش کرو	**شرک کی نفی**
یجر وید	32.3	न तस्य प्रमतिा अस्ति यस्य नाि िहद्यश महरण्यिणयः शुमचः सूयय आत्मा यस्य नोपिा अस्ति ॥ اس کی کوئی شبیہ / مورت نہیں۔ وہ (ذات) پیدا ہونے والی نہیں، اور اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔	**بت پرستی کی ممانعت، صرف ایک خدا**
رگ وید	6.45.16	य एक इत्तिु ष्टुमह कृ ष्टीनां मवचषयमणः । पमतजयज्ञे वृषक्रतुः ॥ اس کی حمد کرو جو بے مثل اور یکتا ہے۔	**خدا بے مثال ہے**
یجر وید	40.8	स पययगाच्छुक्रिकायिव्रणिस्नामवरं शुद्धिपापमवद्धि् । خدا بے جسم اور پاک ہے۔"	**کوئی جسمانی شکل نہیں**
یجر وید	40.1	ईशावास्यमििं सवं यस्तिञ्च जगत्यां जगत् । یہ دنیا ایک اور فقط ایک 'ایشور' کے ذریعے چلائی جاتی ہے۔	**واحد منبع و حاکم**
اپنیشد	چھاندوگیہ اپنیشد 6.2.1	एकिवामितीयि् خدا ایک ہے اور فقط ایک، کوئی دوسرا نہیں۔	**ایکم ایوَاَدوتیم** (فقط ایک، بے مثال)
اپنیشد	شویٹ اشوتَرا اپنیشد 4.19	न तस्य प्रमतिा अस्ति यस्य नाि िहद्यशः । اس کی کوئی مثال یا مانند نہیں۔	**خدا یکتا و منفرد ہے**
برہما سوتر	1.1.1	अथातो ब्रह्ममजज्ञासा ॥ १.१.१ ॥ صرف ایک ہی خدا ہے، کوئی دوسرا نہیں، ہر گز نہیں، ذرہ برابر بھی نہیں۔	**حتمی اور مطلق وحدانیت**
بھگوت گیتا	7.7	ित्तः परतरं नान्मस्तिमञ्चिस्ति धनञ्जय । िमय सवयमििं प्रोतं सूत्रे िमणगणा इव ॥ اے ارجن! میرے سوا کوئی چیز برتر نہیں۔ ہر چیز مجھ میں پروئی ہوئی ہے، جیسے موتی ایک دھاگے میں۔	**خدا ایک ہے**، وہی حتمی سرچشمہ ہے
بھگوت گیتا	9.4	िया ततमििं सवं जगिव्यक्तिूमतयना । ित्स्थामन सवयभूतामन न चाहं तेष्ववस्तस्थतः ॥ میری غیر مظہر صورت میں یہ سارا کائنات مجھ سے معمور ہے۔ تمام مخلوقات مجھ میں موجود ہیں، لیکن میں ان میں سماتا نہیں ہوں	خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اور ساری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔
بھگوت گیتا	9.17-18	मपताहिस्य जगतो िाता धाता मपतािहः । वेद्यं पमवत्रोङ्कार ऋक् सािि यजुरेव च ॥ गमतः भताय प्रभुः साक्षी मनवासः शरणं सुहृत् । प्रभवः प्रलयः स्थानं मनधानं बीजिव्ययि् ॥	خدا ہی سب کچھ ہے —— واحد سرچشمہ، پناہ گاہ اور پالن ہار

		میں ہی اس دنیا کا باپ بھی ہوں اور ماں بھی، میں ہی سب کو پالنے والا اور سب کا بزرگ ہوں۔ میں ہی اصل علم ہوں، پاک کرنے والا ہوں، مقدس لفظ اوم ہوں اور سب ویدوں (رِگ، سام اور یجر) کا ماخذ بھی میں ہوں۔ میں ہی انسان کی آخری منزل ہوں، سہارا ہوں، مالک ہوں، سب پر نظر رکھنے والا ہوں، رہنے کی جگہ ہوں، پناہ ہوں اور سچا دوست بھی میں ہی ہوں۔ میں ہی سب چیزوں کی ابتدا بھی ہوں اور انجام بھی، میں ہی اصل بنیاد ہوں، سب دولت اور خزانے کا مالک ہوں اور ہمیشہ باقی رہنے والا بیج بھی میں ہی ہوں۔	
بھگوت گیتا	10.20	**अहित्मा गुडाके श सवयभूताशयस्तस्थतः । अहिामिश्च िध्यं च भूतानाान्त एव च ॥"** اے ارجن! میں ہی وہ آتمہ (ذات) ہوں جو تمام مخلوقات کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں ہی تمام جانداروں کا آغاز، درمیان اور انجام ہوں۔	**خدا ایک ہی ذات ہے** جو سب کے اندر موجود ہے
بھگوت گیتا	13.16	**बमहरन्तश्च भूतानाािचरं चरिव च । सूक्ष्मत्वात्तिमवज्ञेयं िूरस्थं चास्तन्तके च तत् ॥** وہ سب کے باہر اور اندر موجود ہے، وہی ہے جو حرکت نہیں کرتا اور وہی ہے جو حرکت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ نہایت باریک (لطیف) ہے اس لیے وہ سمجھ سے پرے ہے۔ وہ بہت دور بھی ہے اور بہت قریب بھی۔	**خدا ایک ہے**، ہر شے سے ماورا بھی اور ہر شے میں موجود بھی
مختلف پران	شیو / ویشنو مت توحید	**मशवपुराणे मवष्णुपुराणे च—एकिव परिं तत्त्वं मवमवधानाि् नाारूप ः कीत्ययते ।** ہر پران ایک دیوتا کو حتمی اعلیٰ قرار دیتا ہے، لیکن مرکزی خیال ایک ہی اعلیٰ ترین خدا کا ہے۔	**حاکمِ اعلیٰ صرف ایک ہے**

اہم الفاظ کو نمایاں کردہ (Bold words) جو توحید کے بنیادی خیالات کی طرف توجہ دلاتے ہیں جیسے: ایک خدا، خالق، بت پرستی کی ممانعت، یکتا، واحد ماخذ، کامل وحدت، بے مثال — ایسی زبان اور انداز میں جو اسلام کی توحید سے ہم آہنگ ہو۔

اصل ہندو صحیفے اس عقیدے پر زور دیتے ہیں کہ خدا صرف ایک ہے، اس کی کوئی شکل، تصویر یا صورت نہیں۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں نے مختلف دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دی، جنہیں وہ اپنی ذاتی ضروریات یا دنیاوی حاجات سے جوڑتے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ فلاں دیوتا کی عبادت کرنے سے ان کی مشکل حل ہو جائے گی یا برکت حاصل ہو گی، اور یوں یہ عمل رفتہ رفتہ کئی خداؤں کی پرستش میں بدل گیا۔ لیکن صحیفوں کا

اصل پیغام بالکل واضح ہے: صرف ایک ہی برتر ہستی ہے جو ہر نام، شکل اور صورت سے بالاتر ہے۔ توحید کا تصور اصل تعلیمات میں مضبوطی سے موجود ہے—سچائی کی حقیقت یہ ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔

References:

Vedas and Monotheism, The arya Samaj, Swami Dayanand (2017)

Rigveda – English Translation, Satyaprakash Narayan & Satyakam Vidhyarangan

Upanishad – English Translation, S. Radhakrishnan

Rise of Hindu Monotheism, Devdutt Pattanaik (2024)

Puranas – Wikipedia: Monotheism context

Rig Veda says God is 'ONE' and God is atman (2017)

1. https://advatic.blogspot.com/2017/06/rig-veda-says-god-is-one-and-god-is.html
2. https://thearyasamaj.org/articles?=1167_Vedas_and_Monotheism
3. https://bmyahya.tripod.com/Faq/hindu_scriptures.html
4. https://www.reddit.com/r/hinduism/comments/3v45xt/why_is_there_monotheism_in_hinduism/
5. https://en.wikipedia.org/wiki/Puranas
6. https://devdutt.com/rise-of-hindu-monotheism/
7. http://vedictruth.blogspot.com/2014/05/there-is-only-one-god.html
8. https://en.wikipedia.org/wiki/Vedas
9. https://bpb-us-w2.wpmucdn.com/voices.uchicago.edu/dist/b/398/files/2024/07/monotheism-for-religion-and-culture-1.pdf
10. https://www.islam-hinduism.com/hinduism-one-god-multiple-gods/

ویدوں میں 'کلکی اوتار' دراصل حضرت محمد ﷺ ہیں۔

یہ ہیں براہِ راست وسائل اور علمی حوالہ جات "کلکی اوتار اور محمد صاحب (कल्कि अवतार और मुहम्मद साहब)" کی تحقیق کے لیے، جسے ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے نے 1969 میں لکھا۔ یہ مؤثر تصنیف یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ویدوں (رِگ وید، یجر وید، اتھر وید، سام وید) میں کلکی اوتار کی پیشین گوئی دراصل نبی محمد ﷺ کی زندگی اور مشن کو بیان کرتی ہے۔

زبان	عنوان / وسیلہ	مصنف / لنک	فارمیٹ	سنہ
انگریزی	Kalki avtar(پی ڈی ایف، ترجمہ شدہ متن)	ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے دیکھیں / ڈاؤن لوڈ کریں[1]	PDF	1969
انگریزی	Muhammad in the Hindu Scriptures (جس میں Kalki avtar شامل ہے)	ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے دیکھیں / پڑھیں[2]، آرکائیو لنک[3]	archive/ academia	1970، 2020
ہندی	Kalki avtar aur Muhammad Saheb (कल्कि अवतार और मुहम्मद साहब)	ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے پڑھیں / ڈاؤن لوڈ کریں[4]	محفوظ شدہ	1969-70
اردو	کالکی اوتار از پنڈت وید پرکاش اُپادھیائے	ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے پڑھیں / ڈاؤن لوڈ کریں[5]	PDF	1969-70

1969 کی یہ کتاب ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے (برہمن ہندو، سنسکرت اسکالر اور محقق) نے خود شائع کی تھی۔ اشاعت **ساراسوت ویدانت پرکاش سنگھ، گاؤں برہمپر، الہ آباد (یو۔پی۔)** کے ذریعے ہوئی۔ 6 7

- اس کتاب میں چاروں ویدوں سے تفصیلی حوالہ جات اور پرانوں کے معاون متون درج ہیں، جنہیں ایک ایک شلوک کی روشنی میں نبی محمد ﷺ کی زندگی کے واقعات اور حقائق سے ملایا گیا ہے — مثلاً غار میں تعلیم دینا، اعلیٰ نسب، عالمی مشن، روحانی تجربہ (معراج / بُراق سے متعلق)، اور منفرد اخلاقی کردار۔ 8 6
- متعدد معتبر ہندو علما اور محققین نے اس علمی کام کا جائزہ لیا اور اس کی صداقت کی گواہی دی۔ 7 6
- انگریزی اور ہندی ایڈیشن مختلف تحقیقی ذخائر میں پائے جاتے ہیں، اور انگریزی تراجم بین المذاہب مطالعات میں وسیع پیمانے پر گردش کرتے ہیں۔ 1 2 3 4

> قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (158)
>
> کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول اُمّی نبی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے سب کلاموں پر یقین رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔ (سورہ اعراف:۱۵۸)

References:

Kalki avtar aur Muhammad Saheb, Dr. Ved Prakash Upadhyay, Saaraswat Vedant Prakash Sangh, allahabad (1969)

Kalki avtar (English translation, PDF)

Muhammad In The Hindu Scriptures, Dr. Ved Prakash Upadhyay (English)
Kalki avtar aur Muhammad Saheb (Hindi PDF)
Kalki avatar By Pantid Ved Parakash Upadhyay (Urdu)
Muhammad In The Hindu Scriptures By Dr. Ved Prakash Upaddhay (academia.edu)

1. https://archive.org/download/Kalkiavtar-in-English/KalkiavtarInEnglish.pdf
2. https://archive.org/details/muhammad-in-the-hindu-scriptures-dr-ved-prakash-upadhyay-prayag-university-1970-english
3. https://www.academia.edu/43646689/Muhammad_In_The_Hindu_Scriptures_By_Dr_Ved_Prakash_Upaddhay
4. https://archive.org/details/kalki-avatar-aur-muhammad-sahab-by-dr-ved-prakash-upadhyay-prayag-university-1970-Hindi
5. http://www.bazmeurdu.net/kalki-avatar-by-pantid-ved-parakash-upadhyay/
6. https://syedjehu.wordpress.com/2012/06/26/kalki-v-p-upadhyay-and-hazrat-mohammadd/
7. https://syedjiaulhussainblog.wordpress.com/2011/12/23/kalki-v-p-upadhyay-and-hazrat-mohammadd/
8. https://www.alqurantranslation.com/kalki-autar-denotes-great-man-muhammed-saw/
9. https://en.islamonweb.net/Prophet-Muhammad-in-Vedic-Texts:-a-Scholarly-Review-of-Dr.-Ved-Prakash-Upadhyay's-Work
10. https://www.youtube.com/watch?v=YL2hby4rkQk
11. https://www.scribd.com/document/16736181/Kaliki-avtar

موہن داس گاندھی، جو ایک مشہور ہندو رہنما تھے، نبی کریم ﷺ کے کردار کے بارے میں کہتے ہیں:

"میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ اُس ہستی کا بہترین پہلو کیا ہے جس نے آج لاکھوں انسانوں کے دلوں پر بلا مقابلہ حکومت قائم کر رکھی ہے... مجھے اس بات کا پختہ یقین ہو گیا کہ اسلام کو اُس دور میں زندگی کے نظام میں جگہ دلانے والی تلوار نہیں تھی۔ بلکہ یہ حضور ﷺ کی سخت سادہ زندگی، آپ کی مکمل بے نفسی، وعدوں کی کڑی پاسداری، اپنے ساتھیوں اور ماننے والوں سے گہری محبت و وفاداری، آپ کا حوصلہ و بہادری، خدا پر کامل بھروسہ اور اپنی ذمہ داری پر پورا یقین تھا... یہی اوصاف تھے، نہ کہ تلوار، جنہوں نے سب رکاوٹوں کو عبور کیا اور ہر مشکل پر غالب آئے۔ جب میں نے نبی کریم ﷺ کی سیرت کی دوسری جلد ختم کی تو مجھے افسوس ہوا کہ پڑھنے کے لیے اس عظیم زندگی کے اور اوراق باقی نہیں تھے۔"

پروفیسر رام کرشن راؤ، جو ایک ہندوستانی پروفیسر آف فلاسفی ہیں، اپنی کتابچہ "محمد، دی پرافیٹ آف اسلام" میں رسول اکرم ﷺ کو **"انسانی زندگی کے لیے کامل نمونہ"** قرار دیتے ہیں۔

پروفیسر رام کرشن راؤ اپنی بات کو یوں واضح کرتے ہیں:

"محمد ﷺ کی شخصیت کے پورے پہلو کو سمجھنا نہایت مشکل ہے، میں تو بس ایک جھلک ہی دیکھ سکتا ہوں۔ کتنے دلکش اور بامعنی مناظر کا تسلسل ہے! ایک طرف محمد، نبی؛ محمد، مجاہد؛ محمد، تاجر؛ محمد، مدبرِ ریاست؛ محمد، خطیب؛ محمد، مصلح؛ محمد، یتیموں کا سہارا؛ محمد، غلاموں کا محافظ؛ محمد، عورتوں کا نجات دہندہ؛ محمد، منصف؛ محمد، ولی۔ ان سب عظیم کرداروں اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں وہ ایک ہیرو کی طرح نظر آتے ہیں۔"

تفصیلی مطالعہ کے لیے پروفیسر رام کرشن راؤ کا مضمون "Muhammad the Prophet of Islam" قابلِ توجہ ہے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیات-ایک مثالی ایمان پر مبنی معاشرہ

ا۔سب کے لیے مساوی مواقع-رنگ، دنیاوی حیثیت، عہدہ یا مال و دولت کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں

﴿يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبر دار ہے۔(القرآن، سورۃ الحجرات 49:13)

اسلامی مساوات کی مثالیں:

- **مختلف پس منظر کے لوگ :** نبی کریم ﷺ کے صحابہ مختلف علاقوں، زبانوں اور رنگوں سے تعلق رکھتے تھے، مگر سب ایک ہی امت بن گئے۔
- **مسجد کی صفیں :** نماز میں کوئی طبقاتی امتیاز نہیں، جو پہلے آئے وہ آگے جگہ پاتا ہے، خواہ غریب ہو یا امیر۔
- **حج کا پیغام :** حج کے دوران تمام مرد بادشاہ ہوں یا فقیر، ایک جیسے سفید کپڑوں میں ہوتے ہیں، جو اللہ کے سامنے مساوات کی علامت ہے۔
- **حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اعزاز :** غلام رہنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلند مقام دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا" :اے بلال! مجھے بتاؤ اسلام میں کون سا عمل تمہیں سب سے زیادہ امید والا لگتا ہے؟ میں نے جنت میں تمہارے قدموں کی آہٹ سنی ہے۔ "بلال رضی اللہ عنہ نہ صرف معزز خاندان میں شادی کے حق دار ٹھہرے بلکہ مؤذنِ رسول ﷺ بنے۔
- **حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اعزاز :** نبی کریم ﷺ کے سابق خادم زید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی چچازاد بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ قرآن میں صرف انہی صحابی کا نام آیا:

  "پھر جب زید اس سے حاجت پوری کر چکا تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا ("القرآن سورۃ الاحزاب 33:37)
- **حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عاجزی :** جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس گئے تو خچر پر خادم سوار تھا اور خود خلیفہ پیدل چل رہے تھے۔
- **رسول ﷺ کا میل جول :** نبی کریم ﷺ عام لوگوں کے گھروں میں کھانے کی دعوت قبول فرماتے، سماجی رکاوٹیں ختم کرتے۔
- **قیادت کا انتخاب :** نبی ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنی اولاد یا قریبی رشتہ دار کو جانشین مقرر نہ کیا، بلکہ اہلیت کی بنیاد پر انتخاب ہوا۔
- **مساوی تنخواہ :** خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ماہانہ وظیفہ عام شہری کے برابر تھا۔

۲۔اصل تعلیمات کی مکمل حفاظت

اسلام کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اصل تعلیمات آج تک محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گی۔

- **قرآن مجید :** قرآن اپنے اصل متن کے ساتھ نازل ہوا اور آج تک بغیر کسی کمی بیشی کے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(سورۃ الحجر:9)

بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"(القرآن، سورۃ الحجر 15:9)

- **حدیث و سنت :** رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کو محفوظ کیا گیا ہے—گھریلو زندگی، خوراک و لباس، اقوال و افعال، عبادات اور اخلاق تک۔
- **علمائے کرام کے فیصلے :** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے فتاویٰ اور اقوال مکمل طور پر ضبط تحریر میں آئے اور امت تک منتقل ہوئے۔
- **علم الرجال و سوانح :** صرف رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی نہیں بلکہ احادیث کی سند میں موجود ایک لاکھ سے زیادہ اوائل مسلم شخصیات کی سوانح عمریاں بھی باقاعدہ مرتب کی گئیں، تاکہ دین کی روایت میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

۳۔ مکمل اور جامع تعلیمات

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾(سورۃ المائدہ 5:3)

" آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے "

(القرآن، سورۃ المائدہ 5:3)

اسلام ایک **مکمل ضابطہ زندگی** پیش کرتا ہے جس میں شامل ہیں: ایمان، عبادات، لین دین، خاندانی زندگی، اور روحانی پاکیزگی۔

۴۔ آسانی، لچک، اور اعتدال

- **آسانی:** ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى﴾(القرآن، سورۃ اللیل 92:7)

"ہم اسے آسانی کی طرف لے جائیں گے۔"(القرآن، سورۃ اللیل 92:7)

- **اعتدال:**

نبی ﷺ نے فرمایا:

"یہ دین آسان ہے، جو اس میں سختی اختیار کرے گا وہ اس پر بوجھ ڈالے گا، پس اعتدال اختیار کرو۔"

- **بہتر عمل کے ذریعے برائی کا مقابلہ:**

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾

"اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، (برائی کا) دفعیہ اس بات سے کیجیے جو اچھی ہو پھر ناگہاں وہ شخص جو تیرے اور اس کے درمیان دشمنی تھی ایسا ہو گا گویا کہ وہ مخلص دوست ہے۔"(القرآن، سورۃ فصلت 41:34)

۵۔ انسان اور معاشرے کی فوری تبدیلی:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾(القرآن، سورۃ الحشر 59:21)

"اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے جھک کر پھٹ جاتا۔"(القرآن، سورۃ الحشر 59:21)

﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾(القرآن، سورہ النصر 110:2)

"اور تم دیکھو گے کہ لوگ کثرت سے اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔"(القرآن، سورہ النصر 110:2)

قرآن اس وقت نازل ہوا جب روحانی تاریکی عمیق تھی۔ نبی کریم ﷺ کو ایسے معاشرے میں بھیجا گیا جہاں اخلاقی اقدار بالکل معدوم تھیں۔ آپ ﷺ پر یہ عظیم ذمہ داری عائد ہوئی کہ ایک ایسے قوم کی اصلاح کریں جو غلط فہمیوں، گمراہ عقائد، ظلم و بربریت میں ڈوبی ہوئی تھی، اور اخلاقی معیار سے عاری تھی۔

حضرت ﷺ کے متاثر کن اقوال اور اعمال نے ان کے اندرونی اور بیرونی زندگی میں انقلاب برپا کیا۔ نسلوں تک گمراہ لوگ راستبازی کی طرف متوجہ ہوئے، روحانی طور پر سست لوگ اپنی سستی سے بیدار ہوئے، کافر ایمان لائے، اور گمراہ لوگ دوسروں کے لیے رہنمائی کا ذریعہ بن گئے۔

رسول ﷺ کی تعلیمات نے ظلم، نسل پرستی، اور چھوٹے جھگڑوں کو ختم کیا اور ان کی جگہ خود کنٹرول، اللہ پر بھروسہ، برداشت، اور دنیاوی خواہشات سے دوری جیسی فضائل قائم کیں۔

ایسے جاہل اور ضدی لوگوں کو علم اور تہذیب کے مینار بنانے کا کام نہایت مشکل تھا، لیکن آخر کار وہ مختلف شعبوں میں ماہر بن گئے، یہاں تک کہ دنیا بھر کے علماء ان کی حکمت طلب کرنے آئے۔ انہوں نے اپنے گھروں اور خاندانوں کو چھوڑ کر سمندر، پہاڑ اور صحرا طے کیے تاکہ انسانیت کو زندگی کے مقصد، صحیح عقیدہ، عبادت، انسانی تعلقات، اور سماجی زندگی کے بارے میں تعلیم دیں اور بے مثال اخلاقی معیار قائم کریں۔ نتیجتاً ایک خدا خوف، سچا اور دیندار معاشرہ ابھرا۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ﴾(القرآن، سورۃ آل عمران 3:103)

اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے،(القرآن، سورۃ آل عمران 3:103)

معجزہ قرآن : https://mercy4humanity.org/the-holy-quran-the-miraculous-book-of-guidance

۶۔ ساری انسانیت اور ہر زمانے کے لیے تعلیمات

اسلام کا پیغام آفاقی ہے، جو صرف کسی خاص قوم یا وقت کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت اور ہر زمانے کے لیے ہے۔

- **اسلام کا عالمگیر پیغام:**

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾(القرآن، سورۃ الاعراف 7:158)

"کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت آسمانوں اور زمین میں ہے۔"(القرآن، سورۃ الاعراف 7:158)

- **رسول اکرم ﷺ کا مقصد اور دائرہ کار:**

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(القرآن، سورۃ سبأ 34:28)

"اور ہم نے آپ کو جو بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(القرآن، سورۃ سبأ 34:28)

- **انسانی مساوات کا اعلان:**

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" تمام انسان آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ کسی گورے کو کسی کالے پر، اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت ہے، سوائے تقویٰ اور نیک اعمال کے۔ "

- **تاریخی شواہد:**

رسول اللہ ﷺ نے روم، فارس اور ہندوستان سمیت مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط بھیجے، جو اسلام کے عالمگیر پیغام اور اس کی بین الاقوامی دعوت کی واضح دلیل ہیں۔

۷۔ دین میں جبر نہیں:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ (القرآن، سورۃ البقرہ ۲:۲۵۶)

" دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے بالکل واضح ہو چکی ہے۔" (القرآن، سورۃ البقرہ ۲:۲۵۶)

- اسپین اور ہندوستان میں اسلامی حکومت نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بقائے باہمی اور اقلیتوں کے تحفظ کی عملی مثال پیش کی۔
- یہ اصول عالمگیر ہے: کسی فرد کو اس کی مرضی کے خلاف دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

۸۔ تمام انبیاء اور دیگر مذاہب کا احترام:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (القرآن، سورۃ الانعام ۶:۱۰۸)

"اور ان لوگوں کو برا نہ کہو جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، کہیں وہ دشمنی میں جہالت کے باعث اللہ کو برا نہ کہہ بیٹھیں۔" (القرآن، سورۃ الانعام ۶:۱۰۸)

سچا ایمان امن و سکون بڑھاتا ہے

ایمان اور روحانیت انسان کو درست زاویۂ نظر عطا کرتے ہیں، جس کے ذریعے باطنی سکون، خوشی، مثبت سوچ، حوصلہ اور زندگی کے مسائل کا مقابلہ کرنے کی طاقت بڑھتی ہے۔ یہ ایک اعلیٰ اور پاکیزہ مقصدِ حیات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

محبت کرنے والا اور رحم فرمانے والا رب

زندگی اور موت، صحت اور بیماری، خوشی اور غم، کامیابی اور ناکامی — سب کچھ ایک اللہ کے مکمل اختیار میں ہے۔ اللہ غریبوں، محتاجوں، معذوروں اور بے بسوں کی فریاد اور دعا کے جواب میں ان کی تکالیف کو دور فرما سکتا ہے۔

اللہ کی طرف نظر رکھو، وہ تمہاری دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ اللہ کی طرف متوجہ رہو، وہ تمہارے سامنے ہے۔ اللہ سے محبت کرو، وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ اللہ کی اطاعت کرو، وہ تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ اللہ کا سہارا پکڑو، وہ تمہیں گرنے سے بچاتا ہے۔ محبت بھرا دل، روحانی سکون، معافی اور رحمت سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

اللہ کے خزانوں کی کوئی حد نہیں۔ جب ہم اپنے دل کو لالچ اور خواہشات سے پاک کرتے ہیں، بلند مقصد اور پاکیزہ نیتیں اپناتے ہیں، تمام انسانیت پر رحم کرتے ہیں، اپنی خطاؤں پر معافی مانگتے ہیں، اور قول و فعل میں پرہیزگاری اور حقیقی عاجزی لے آتے ہیں تو برکتوں کے نئے دروازے کھل جاتے ہیں۔ حالات، آزمائشیں، انسان، اسباب اور وسائل سب امتحان ہیں۔ جو شخص اپنے خالق کے ساتھ تعلق درست کر لیتا ہے، اس کی تمام مخلوق کے ساتھ تعلقات بھی درست ہو جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے نیک ساتھیوں نے اسی حقیقت کو سمجھا تھا اور ان کی مخلصانہ دعائیں انہیں خالق کے لامحدود خزانوں سے نوازتی تھیں۔

یہ زندگی ہی سب کچھ نہیں ! نہ سب سے طاقتور انسان ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور نہ ہی سب سے زیادہ مالدار شخص ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے، جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾(القرآن، سورۃ الحدید: ۲۰۔۲۱)

" جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زیبائش اور ایک دوسرے پر آپس میں فخر کرنا اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں زیادتی چاہنا ہے، جیسے بارش کی حالت کہ اس کی سبزی نے کسانوں کو خوش کر دیا پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تو اسے زرد شدہ دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں سخت عذاب ہے، اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے، اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے اسباب کے اور کیا ہے۔ اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کے برابر ہے، ان کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے،"(القرآن، سورۃ الحدید: ۲۰۔۲۱)

یہ دنیا دراصل ایک امتحان اور آزمائش ہے جہاں انسان کو نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾(القرآن، سورۃ الانبیاء 21:35)

" اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی سے آزمانے کے لیے جانچتے ہیں، اور ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔(القرآن، سورۃ الانبیاء 21:35)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾(القرآن، سورۃ البقرۃ 2:153)

اور فرمایا: " اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"(القرآن، سورۃ البقرۃ 2:153)

صبر کا اجر:

ایک ملازم پورا مہینہ صبر کے ساتھ محنت کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ مہینے کے آخر میں اسے تنخواہ ملے گی۔ اگر وہ کام کے دوران زخمی ہو جائے یا اسے زیادہ سخت کام سونپے جائیں تو اسے اضافی معاوضہ دیا جاتا ہے اور وہ ان مشکلات کو برا نہیں مانتا۔ اسی طرح ایک ایمان والا اور

روحانیت رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے اختتام پر اسے اُس ذات سے اجر اور معاوضہ ملنے والا ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے اور جس کے پاس تمام طاقت اور وسائل ہیں۔ اسی یقین کی بنیاد پر وہ زندگی کے حالات کا مقابلہ صبر، برداشت اور سکون کے ساتھ کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں (یعنی آنکھوں) کے ذریعے آزماؤں اور وہ صبر کرے تو میں اس کے بدلے اسے جنت عطا کروں گا۔"

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی فقر و تنگی میں گزاری۔ آپ ﷺ کو ایک اللہ پر ایمان کی دعوت دینے کے سبب زبانی اور جسمانی اذیتیں پہنچائی گئیں، آپ کے خاندان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا، آپ ﷺ نے مہینوں صرف کھجور اور پانی پر گزارا کیا، آپ کی زیادہ تر اولاد آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئی۔ اس سب کے باوجود آپ ﷺ ہمیشہ معاف کرنے والے، مسکراتے رہنے والے، بلند حوصلہ رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے والے تھے، اور پوری کوشش فرماتے تھے کہ لوگوں کو اللہ کے قریب کر سکیں۔

بے شمار نعمتیں

جب ہمارا نفس اور شیطان ہمیں ان چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہیں اور ہمیں غمگین کرتے ہیں، تو دین ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کی قدر کریں جو اُس نے ہم پر عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس وقت سے محفوظ رکھا جب ہم اپنی ماں کے رحم میں ایک ننھے سے خلیے اور گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں تھے، یہاں تک کہ جب ہم بے بس ہو کر پیدا ہوئے تو اُس نے ہمارے والدین کے دلوں میں محبت ڈال دی تاکہ وہ ہماری پرورش کریں اور ہم سے پیار کریں۔

ہر دن اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام چلا رہا ہے: دن اور رات کا آنا جانا، ہواؤں کا بادلوں کو جمع کرنا اور انہیں بارش کے لیے زمین کی طرف لے جانا، بیجوں کا زندگی پا کر اگنا اور خوراک مہیا کرنا، ہمارے دل کا مسلسل دھڑکنا اور ہمارے تمام اعضاء کا بلا مانگے ہمارے لیے کام کرتے رہنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(القرآن، سورۃ النحل 16:18)

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو انہیں گن نہ سکو گے۔ "(القرآن، سورۃ النحل 16:18)

اور جب ہم مستقبل کی فکر میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (القرآن، سورۃ الطلاق: ۲۔۳)

جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اس کو کافی ہے "(القرآن، سورۃ الطلاق 65:2-3)

خوشی کی تلاش؟

نوجوانوں میں اکثر ایک دوسرے کے دباؤ (Peer Pressure) کے تحت خوش لباس دکھائی دینا، 'مناسب' جسمانی ڈھانچے کا ہونا، اور نمایاں نظر آنا ضروری سمجھا جاتا ہے، جس سے ان کی خود اعتمادی کے مسائل بڑھتے ہیں۔ سوشل میڈیا نے اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے، جہاں مسلسل دوسروں سے پسندیدگی (likes) اور تعریف (validation) کی خواہش بڑھتی رہتی ہے۔

لیکن دین ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل چیز دل کی پرہیزگاری ہے، نہ کہ ہماری ظاہری شکل یا نمود و نمائش۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔"

دین ہمیں باحیا لباس پہننے، غیر محرم مرد و عورت کو دیکھنے سے نگاہیں نیچی رکھنے، سادگی، عبادت اور دوسروں کی خدمت پر توجہ دینے کی تعلیم دیتا ہے۔

اپنے وقت کی قدر کریں

دین ہمیں واضح طور پر نیک و بد کے اصول سکھاتا ہے اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ مزید یہ کہ دین ہر انسان کو عزت دیتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمارے فرائض کو متعین کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو مسلمان صبح کے وقت اپنے کسی بیمار بھائی کی عیادت کرے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں، اور جو شام کو عیادت کرے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں، اور اس کے لیے جنت کے پھل تیار ہو جاتے ہیں۔"

اہلِ ایمان دن میں پانچ بار باجماعت نماز کے ذریعے اپنے رب سے رہنمائی اور مدد مانگتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان کے درمیان بلکہ ان کے اور ان کے خالق کے درمیان ایک مضبوط تعلق پیدا کرتا ہے۔

مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَۗ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ (القرآن، سورة لقمان 31:14)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہے تو (انسان) میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کرے، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔" (القرآن، سورۃ لقمان 31:14)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **"برکتیں تمہارے بزرگوں کے ساتھ ہیں۔"**

آج بھی ایمان پر مبنی معاشروں میں بزرگ مرد و خواتین کو ان کے اہلِ خانہ کی طرف سے بے پناہ محبت، عزت اور احترام کے ساتھ زندگی کے آخری وقت تک سنبھالا جاتا ہے۔

جنت کی خواہش

انسان اکثر اس دنیا میں فوری خوشی اور وقتی لذت کے پیچھے بھاگتا ہے، لیکن اصل کامیابی انجام میں ہے! جس طرح ایک بہترین طالب علم اپنی دنیاوی امتحانات میں صبر اور محنت کے ساتھ لکھتا ہے، اور پھر ہمیشہ کے لیے شاندار نتیجے اور کامیابیوں سے لطف اندوز ہوتا ہے — بالکل اسی طرح ایمان والے ہمیشہ کی لذتوں، خوبصورتی اور خوشیوں سے بھری آخرت کی زندگی میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ(23) سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ(24)﴾(القرآن، سورۃ الرعد ۲۳-۲۴)

"ہمیشہ رہنے کے باغ جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی جو نیکوکار ہیں، اور ان کے پاس فرشتے ہر دروازے سے آئیں گے۔ کہیں گے تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے، پھر آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے۔" (القرآن، سورۃ الرعد 13:23-24)

کائنات کی اصل روح خالق کی یاد ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾(القرآن، سورۃ الرعد 13:28)

"جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دل اللہ کے ذکر سے سکون پاتے ہیں۔ خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔"(القرآن، سورۃ الرعد 13:28)

اپنی توجہ مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف لگاؤ، غم واندوہ سے ہٹ کر مثبت سوچ پیدا کرو!

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾(القرآن، سورۃ النمل 27:62)

"بھلا کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے اور برائی کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں نائب بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے، تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔(القرآن، سورۃ النمل 27:62)

اپنا دل اس ذات کے حوالے کرو جو حقیقی سکون اور خوشی کا سرچشمہ ہے!

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾(القرآن، سورۃ الاعراف 7:205)

"اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرتا رہ صبح اور شام بلند آواز کی بجائے ہلکی آواز سے، اور غافلوں سے نہ ہو۔"

(القرآن، سورۃ الاعراف 7:205)

آخرت کی زندگی—جنت اور جہنم اسلام میں

اسلام میں جہنم (جَہَنَّم) اور جنت (جَنَّت) پر ایمان سماجی اور اخلاقی اصلاح میں گہرا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ محض ماورائی تصورات نہیں بلکہ ایسے عملی اصول ہیں جو انسان کے رویّے، اخلاقیات اور معاشرتی ڈھانچے کو تشکیل دیتے ہیں۔

1۔ اخلاقی جواب دہی

- **تصور:** اسلام میں ہر فرد اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ نیک اعمال جنت کی طرف لے جاتے ہیں، جب کہ برے اعمال جہنم کی طرف۔
- **سماجی اثر:** یہ ذاتی ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، جو جرائم، ناانصافی اور ظلم کو روکتا ہے۔ لوگ دوسروں کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ وہ الٰہی انجام سے آگاہ ہوتے ہیں۔

- **مثال :** تجارت میں دیانت داری، ہمسایوں کا احترام، اور یتیموں، عورتوں اور غریبوں جیسے کمزور طبقے کا تحفظ، اس لیے زور دیا گیا ہے کہ اللہ ہر عمل کو دیکھتا ہے۔

2۔ عدل وانصاف کا فروغ

- **تصور :** جنت کا وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو انصاف، مساوات اور مہربانی کو قائم رکھتے ہیں، جبکہ جہنم ظالموں اور جابروں کے لیے ہے۔
- **سماجی اثر :** یہ حکمرانوں کو منصفانہ عدل پر مجبور کرتا ہے۔ الٰہی عذاب کا خوف بدعنوانی، استحصال اور ظلم سے روکتا ہے۔
- **مثال :** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" : خبردار! جو حکمران لوگوں پر ظلم کرے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ "(صحیح مسلم)

3۔ معاشرتی برائیوں کی روک تھام

- **تصور :** جھوٹ، دھوکہ، ظلم، رشوت اور استحصال جیسے اعمال جہنم میں سزا کے مستحق ہیں۔
- **سماجی اثر :** یہ معاشرتی برائیوں کے خلاف رکاوٹ کا کام کرتا ہے، جیسے :
  - جہیز کے نام پر ظلم
  - گھریلو تشدد
  - رشوت اور کرپشن
- **مثال:**

﴿ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ ﴾(سورۃ الانعام 6:93)

"اور اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے۔ "(سورۃ الانعام 6:93)

4۔ صدقہ وفلاحی خدمات کی ترغیب

- **تصور :** جنت کا وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو سخاوت کرتے ہیں، غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔
- **سماجی اثر :** یہ ہمدردی اور فلاحی معاشرتی کلچر پیدا کرتا ہے، جس میں لوگ محروم طبقات کے لیے مددگار بنتے ہیں۔
- **مثال :** اسلام میں زکوٰۃ (فرضی صدقہ) اور صدقہ (نفلی خیرات) کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾(سورۃ البقرۃ 2:272)

" اور جو اچھی چیز تم خرچ کروگے اس کا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ "(سورۃ البقرۃ 2:272)

5۔ اخلاقی خاندانی اور معاشرتی زندگی کی ترغیب

- **تصور :** جنت کا وعدہ ان لوگوں کے لیے ہے جو صحیح خاندانی تعلقات قائم رکھتے ہیں، والدین کی خدمت کرتے ہیں، بچوں کی اخلاقی تربیت کرتے ہیں اور بیوی / شوہر کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔

- **سماجی اثر :** اس سے گھریلو تشدد، غفلت اور خاندانی جھگڑوں میں کمی آتی ہے اور معاشرتی ڈھانچہ مضبوط ہوتا ہے۔
- **مثال :** قرآن کریم میں ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾

"جو کوئی ایک نیکی کرے گا اس کے لیے دس گنا اجر ہے، اور جو بدی کرے گا سوا سے اسی کے برابر سزا دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ "(سورۃ الانعام 6:160)

6. نفسیاتی اور سماجی اصلاح

- **تصور :** جزا و سزا کا یقین خود ضبط، صبر اور گناہوں کے خوف کو پروان چڑھاتا ہے۔
- **سماجی اثر :** یہ لوگوں کو قوانین کی پابندی کرنے، تباہ کن عادات سے بچنے اور معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، نہ صرف انسانی سزا کے خوف سے بلکہ الٰہی جواب دہی کے احساس سے۔

خلاصہ

اسلام میں جنت اور جہنم کے تصورات معاشرے کو اس طرح اصلاح کرتے ہیں کہ وہ اخلاقی ذمہ داری، درست رویہّ، سماجی انصاف، شفقت اور ظلم سے بچنے کے خوف کو دلوں میں بیدار کرتے ہیں۔ یہ افراد اور کمیونٹی دونوں کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ معاشرتی ہم آہنگی، انصاف اور انسانی عظمت کو قائم رکھیں۔

ایمان اور تقویٰ سے دنیاوی فوائد کیسے بڑھتے ہیں؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾(القرآن، سورۃ الاعراف 7:96)

"اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

(القرآن، سورۃ الاعراف 7:96)

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۞ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۞ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾(القرآن، سورۃ نوح: ۱۰۔۱۲)

پس میں نے کہا اپنے رب سے بخشش مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر (موسلا دھار) مینہ برسائے گا۔ اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنادے گا اور تمہارے لیے نہریں بنادے گا"۔ (القرآن، سورۃ نوح: ۱۰۔۱۲)

﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۞ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾(القرآن، سورۃ الطلاق: ۲۔۳)

"جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے۔ اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو، اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اس کو کافی ہے، بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک پیمائش مقرر کر دی ہے"۔ (القرآن، سورۃ الطلاق: ۲-۳)

اسلام کی عملی رہنمائی

اسلام ایسا طرزِ زندگی پیش کرتا ہے جو انسان کو امن، توازن اور عملی فوائد عطا کرتا ہے:

- **نماز:** پانچ وقت نماز پڑھنے سے انسان میں نظم و ضبط، یکسوئی اور دل کا سکون پیدا ہوتا ہے۔
- **احترام انسانیت:** دوسروں کی عزت کرنے سے مضبوط خاندان اور صحت مند معاشرے تشکیل پاتے ہیں۔
- **مدد و سخاوت:** غریبوں کی مدد اور صدقہ و خیرات دینے سے معاشرتی ناہمواری کم ہوتی ہے اور ہمدردی و محبت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔
- **اخلاقی اوصاف:** سچائی، صبر اور نرمی جیسے چھوٹے اعمال روزمرہ زندگی اور تعلقات کو بہتر بنا دیتے ہیں۔
- **تقویٰ:** اللہ کی ہر لمحہ یاد انسان کو خود پر قابو پانے اور بہتر فیصلے کرنے کی قوت عطا کرتی ہے۔

اسلام کی امتیازی خصوصیات

خصوصیت	بنیادی پہلو	قرآنی بنیاد	عملی اظہار
توحید -Unity of allah) Tawheed)	صرف ایک اللہ کی عبادت	**لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ** (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں)	پنج وقتہ نماز، کلمہ شہادت
آفاقیت(Universality)	اسلام پوری انسانیت کے لیے ہے، کسی ایک قوم یا نسل تک محدود نہیں	"یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے" (البقرہ 2:185)	اسلام کا تمام براعظموں تک پھیل جانا
کمال اور تکمیل (Completeness and Perfection)	زندگی کے ہر پہلو کے لیے مکمل رہنمائی	"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا" (المائدہ 5:3)	عبادات، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی قوانین
اعتدال اور توازن (Balance and Moderation)	انتہاپسندی اور کوتاہی کے درمیان درمیانی راستہ	"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت بنایا" (البقرہ 2:143)	اسراف و بخل سے بچنا، دین و دنیا کا توازن

جدول: اسلام کے ارکان اور بنیادی عقائد

زمرہ	جزو	مقصد / اہمیت
ارکانِ اسلام (Pillars of Islam)	شہادت (کلمۂ توحید و رسالت)	ایمان کی بنیاد اور مسلمان کی پہچان
	نماز (Salah)	اللہ سے براہِ راست تعلق اور روحانی پاکیزگی
	زکوٰۃ (Zakat)	سماجی انصاف اور غریبوں کی مدد
	روزہ (Sawm)	ضبطِ نفس اور ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی
	حج (Hajj)	امتِ مسلمہ کا اتحاد اور روحانی سفر
ایمانیات (articles of Faith)	اللہ پر ایمان	توحید کا بنیادی عقیدہ
	فرشتوں پر ایمان	غیبی مخلوقات پر یقین
	الہامی کتابوں پر ایمان	آسمانی ہدایت پر ایمان
	انبیاورسل پر ایمان	انسانیت کی رہنمائی کے لیے اللہ کے پیغامبر
	یومِ آخرت پر ایمان	مرنے کے بعد حساب و جزا پر یقین
	تقدیر پر ایمان	ہر معاملے میں اللہ کی حکمت اور فیصلہ

جدول: مسلمان کا کردار اور اخلاقیات

وصف (Virtue)	قرآنی حوالہ	پیغمبر ﷺ کی عملی مثال
سچائی (صدق)	"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو" (التوبہ 9:119)	نبوت سے پہلے ہی آپ ﷺ کو الصادق (سچے) کہا جاتا تھا
عدل و انصاف	"بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے" (النحل 16:90)	دشمنوں کے ساتھ بھی عدل پر قائم رہتے تھے
صبر	"اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو" (البقرہ 2:155)	ظلم و ستم کے باوجود صبر کیا
شکر	"اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں اور زیادہ دوں گا" (ابراہیم 14:7)	ہر حال میں شکر ادا کرتے تھے
تواضع (انکساری)	"اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں" (الفرقان 25:63)	باوجود قیادت کے سادہ زندگی اختیار فرمائی
معافی و درگزر	"اور جو معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے" (الشوریٰ 42:40)	دشمنوں کو بھی معاف کر دیا

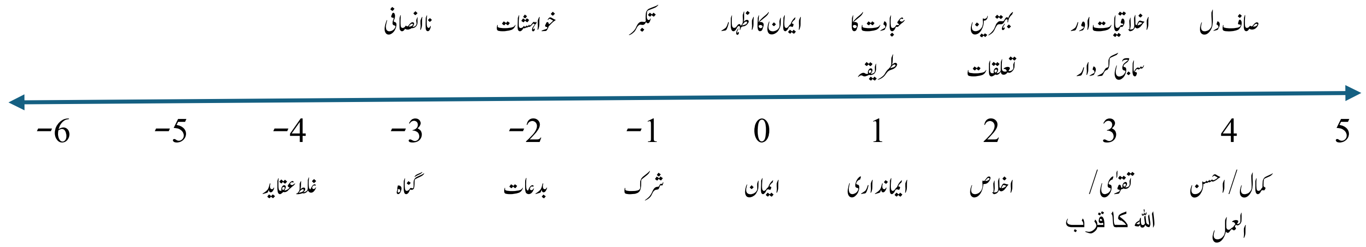
جدول: اسلامی عبادات کے سائنسی و صحت بخش فوائد

اسلامی عبادات نہ صرف روحانی طور پر نفع بخش ہیں بلکہ سائنسی اعتبار سے بھی فائدہ مند ہیں، جو اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ ان کے پیچھے الٰہی حکمت کارفرما ہے۔ یہ ایک متوازن طرزِ زندگی فراہم کرتی ہیں جو جسم، دماغ اور روح کی پرورش کرتی ہے — یہ بھی اس بات کی ایک اور نشانی ہے کہ ایک عظیم خالق نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لیے وہ طریقے مقرر کیے جو اس کی فلاح و بہبود کے لیے بہترین ہیں۔

عبادت (act of Worship)	سائنسی / صحت بخش فوائد (Scientific / Health Benefits)	تفصیل (Details)
وضو (ablution)	صفائی اور ذہنی تازگی	چہرہ، ہاتھ، پاؤں اور منہ دھونے سے جراثیم دور ہوتے ہیں، جلد صحت مند رہتی ہے، اور اعصاب تازہ ہوتے ہیں۔ ٹھنڈا پانی خون کی روانی اور بیداری بڑھاتا ہے۔
	تناؤ میں کمی	پانی کے لمس اور وضو کی ریتمی حرکت دماغ پر سکون اثر ڈالتی ہے اور بے چینی کم کرتی ہے۔
نماز (Prayer)	توجہ اور یادداشت میں بہتری	جسمانی حرکات اور تلاوت دماغی یکسوئی، نظم و ضبط اور ارتکاز کو بڑھاتی ہے۔
	غصے پر قابو اور سکون	نماز اعصابی نظام کو پرسکون کرتی ہے، کارٹیسول (Stress Hormone) کو کم کرتی ہے اور اندرونی سکون عطا کرتی ہے۔
	جسمانی صحت	بار بار جھکنے، اٹھنے اور بیٹھنے کی حرکات سے جوڑوں کی لچک، خون کی روانی اور جسمانی ساخت بہتر ہوتی ہے۔
روزہ (Fasting)	خلیاتی تجدید (autophagy)	روزہ جسم کے بوسیدہ خلیوں کو ختم کر کے نئے اور صحت مند خلیے پیدا کرتا ہے۔
	میٹابولزم اور دماغی نشوونما	انسولین کے توازن، چربی کے میٹابولزم میں بہتری اور BDNF کی زیادتی سے یادداشت اور سیکھنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔
	جذباتی مضبوطی	صبر، ضبطِ نفس اور برداشت پیدا کرتا ہے۔
زکوٰۃ و صدقہ (Charity)	خوشی اور سماجی تعلقات	دینے سے دماغ کے خوشی سے متعلق حصے متحرک ہوتے ہیں، مسرت اور تعلق کا احساس بڑھتا ہے۔
	تناؤ میں کمی	سخاوت دباؤ اور بے چینی کم کرتی ہے اور زندگی میں مقصدیت اور شکر گزاری پیدا کرتی ہے۔
	دانائی اور ہمدردی	دوسروں کی ضروریات کا شعور اور جذباتی ذہانت بڑھاتی ہے۔
حج (Hajj)	روحانی و نفسیاتی صفائی	زندگی بدل دینے والا سفر جو جذباتی زخموں کو مندمل کرتا ہے، عاجزی اور روحانی تازگی پیدا کرتا ہے۔

عبادت (act of Worship)	سائنسی / صحت بخش فوائد (Scientific / Health Benefits)	تفصیل (Details)
	اتحاد اور مساوات	دنیا بھر کے لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ اجتماع سے اخوت، ہمدردی اور تعلق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
	جسمانی برداشت	طویل فاصلے طے کرنے اور جسمانی محنت سے دل کی صحت اور برداشت میں اضافہ ہوتا ہے۔

<u>اللہ کے دوست کیسے بنیں</u>–تاریکی سے روشنی کی طرف



ظلم، خواہشات، غرور، بدعات، شرک، جھوٹے گناہ، اور غلط عقائد سے دل کو صاف کرنا اللہ کا دوست بننے کا سفر شروع کرنے کی پہلی منزل ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں انسان اپنی خواہشات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے جو روح کو اپنے رب سے دور کھینچتی ہیں، اور ان کی جگہ عاجزی، توبہ، اور ثابت قدم ایمان اختیار کرتا ہے۔

اللہ کا حقیقی دوست صحیح عقیدہ رکھتا ہے، عبادت میں خلوص اور شعور کے ساتھ کامل ہوتا ہے، دوسروں کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آتا ہے، اور اپنے تمام معاملات میں اعلیٰ اخلاقی کردار کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ دوستی احسان (ایسا عبادت کرنا جیسے اللہ کو دیکھ رہے ہوں) سے مکمل ہوتی ہے، جو ایمان، تقویٰ، اخلاص، صدق اور توکل کے ذریعے بڑھتی ہے۔

ایسا شخص رہنمائی کا چراغ بن جاتا ہے، اپنے خالق کے محبوب اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کے لیے رحمت بن جاتا ہے۔

انسان کے دل میں بے مثال جواہرات چھپے ہیں۔ اگر انہیں تلاش کر کے بروئے کار لایا جائے، تو عام لوگ بھی اپنی کمیونٹی کے لیے رہنمائی کا ذریعہ، روشنی کے چشمے، عدل و رحمت کے علمبردار بن سکتے ہیں، دنیا کو علم کا گہوارہ بنا سکتے ہیں اور کائنات کو الٰہی علم سے منور کر سکتے ہیں۔

ہر ایک سے محبت اور خدمت – انسانیت کی خدمت بغیر کسی رنگ، مذہب، نسل یا قومیت کے امتیاز کے – ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔ اپنے خالق کی عبادت کرنا، علم حاصل کر کے ایک مثالی مؤمن بننا، انسانیت کی خدمت کرنا، اور لوگوں تک زندگی کے مقصد کی وضاحت پہنچانا ہماری زندگی کا مشن ہونا چاہیے۔ خلوص دل، نیک نیت، عاجزی، محبت اور خدمت کے ساتھ کیے گئے اعمال زندگی کے مشن کو مکمل کرتے ہیں۔

کیا اللہ مجھے معاف کرے گا؟

﴿رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ﴾(سورۃ الانعام : ۱۴۷)

"تمہارا رب بڑا مہربان اور سب کچھ گھیرا ہوا ہے۔"(قرآن مجید سورہ انعام:6:147)

" اے میرے بندے! یقیناً جب تک تو میری عبادت کرتا ہے اور مجھ پر امید رکھتا ہے، میں تیرے کیے ہوئے گناہوں کو معاف کر دوں گا؛ اے میرے بندے! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہوں کے ساتھ آئے لیکن میرے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرائے، تو میں تجھ پر وہ معافی نازل کروں گا جو ساری دنیا کے برابر ہو گی۔"[حدیث مبارکہ، احمد]

ایک مسلمان کیا یقین رکھتا ہے؟

میں اللہ (سب سے بڑی طاقت رکھنے والے) پر ایمان رکھتا ہوں، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے پیغمبروں پر، قیامت کے دن پر، اور یہ کہ قسمت، خواہ اچھی ہو یا بری، اللہ کی طرف سے ہے، اور موت کے بعد دوبارہ زندگی پر ایمان رکھتا ہوں۔

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔

مزید مطالعہ:

انگریزی کتابیں:

1. Muhammad the Prophet of Islam by Prof. Ramakrishna Rao
2. “Kalki avtar aur Muhammad Saheb” (कल्कि अवतार और मुहम्मद साहब) by Dr. Ved Prakash Upadhyay, 1969
3. The Truth Revealed by S. abdur Rahmaan

اردو کتابیں:

1. اسلام میرا مذہب–مولانا عبد الشکور فاروقی: یہ کتاب اسلام کی 4 ممتاز خصوصیات بیان کرتی ہے، ہر خصوصیت کے ساتھ ذیلی نکات بھی شامل ہیں اور مسلم تاریخ کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔
2. اعجاز القرآن–علامہ شبیر احمد عثمانی

دعائے انسانیت:

اے اللہ! تو سب سے زیادہ مہربان اور نیک ہے،	اے اللہ! تو سب سے طاقتور اور غالب ہے،
اے اللہ! تو سب کچھ جاننے والا، سب کچھ دیکھنے والا اور ہر بات سننے والا ہے،	اے اللہ! تو ہمیشہ موجود اور ابدی ہے،
اے اللہ! تیرے سب سے خوبصورت نام ہیں۔	اے اللہ! تو سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ ہے،
اے اللہ! تو سب سے زیادہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے،	اے اللہ! تو زمین و آسمان کا نور ہے،
اے اللہ! ہم محتاج، کمزور، غریب، گناہگار اور قصوروار ہیں۔	اے اللہ! ہمیں سکون عطا فرما اور ہم سب کو سیدھے راستے کی ہدایت دے!

④ :بُدھ مت* (Budhism)



مہاتما گوتم بُدھ کو خدا ماننے والے بُدھوؤں کی تعداد تقریباً 521 ملین ہے جو کُل دنیا کی آبادی کا تقریباً 5.5 فیصد ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے مہاتما بُدھ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور یہ دُنیا کا چوتھا بڑا مذہب ہے۔

بدھ مت ایک مذہب اور فلسفہ ہے جو مختلف روایات، عقائد اور طرز عمل کو محیط کیا ہوا ہے، جس کي زیادہ تر تعلیمات کی بنیاد سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہیں، عام طور پر بدھا) سنسکرت " ایک جاگت ") کے نام سے بھي جانا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک مذہب بدھ مت بھی ہے۔ بدھا کچھ چوتھي سے پانچوی صدی قبل مسیح کے درمیان شمال مشرقی برصغیر میں رہتے تھے اور تعلیمات دیتے تھے۔ انہیں بدھ مت لوگ "ایک جاگت" یا "روشن خیال ٹیچر" کے نام سے مانتے ہیں۔ انھوں نے حیات احساسی کو مشکلات سے نجات حاصل کرنا، نروانہ کو حاصل کرنا اور تکلیف اور دوسرے جنموں کی مشکلات سے بچنا سکھایا۔

چار اہم صداقتیں

1. زندگی دکھ ہی دکھ ہے
2. دکھ کا سبب خواہشاتِ نفسانی ہیں۔
3. خواہشاتِ نفسانی کو قابو کر لیا جائے تو دکھ کم ہو جاتا ہے۔
4. خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کرنے کے لیے مقدس ہشت اصولی مسلک پر چلنا چاہیئے۔

اس مسلک میں راسخ عقیدہ، راست عزم (ترک خواہشات نفسانی اور اہنسا وغیرہ) راست گفتاری، راست روی، کسب حلال، کوشش صالح، نیک نیتی یا راست بازی اور حقیقی (Right Ecstasy) شامل ہیں۔

گوتم بدھ کا تعارف

بدھ مت مذہب کے بانی گوتم بدھ کو بدھا اور بدھ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ ان کا اصل نام سدھارتھ تھا۔ یہ 563 قبل مسیح یا 480 قبل مسیح میں میں ہمالیہ کی ایک ریاست کپل وستو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد وجودہ نیپال میں واقع اسی ریاست کے راجے تھے۔ جہاں آریائی قبیلہ ساکیہ یا شاکیہ آباد تھا، گوتم کی ماں کا نام مایا یا مہامایا تھا۔ گوتم کے سال ولادت میں سخت اختلاف ہے۔ عام طور پر 563 ق م بتایا جاتا ہے۔ نیز یہ مسئلہ تنازع فیہ ہے کہ گوتم کا اصل نام کیا تھا۔ بعض لوگوں نے سدارتھ پہلا نام اور گوتم قبائلی نام بتایا ہے۔ مگر جدید تحقیق کے مطابق ان کا اصل نام گوتم تھا اور سدارتھ، ساکیہ منی، ساکھیہ سہنا، جن بھاگوا، لوک ناتھ اور دھن راج وغیرہ ان کے القاب تھے، جو ان کے متعقدین نے انھیں دیے تھے۔

گوتم کے بچپن کے حالات مستند کتابوں میں نہیں ملتے ہیں اور جو ملتے ہیں وہ عقیدت مندوں کی عقیدت سے اس طرح متاثر ہوئے ہیں کہ تاریخی معیار پر پورے نہیں اترتے ہیں۔ بہر حال اتنا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے رواج کے مطابق علوم و فنون اور سپہ گری میں مہارت پیدا کی اور کمسنی میں ان کی شادی یشودھرا سے کر دی گئی۔ آخر بعض روایات کے مطابق گوتم کی عمر جب تیس کی ہوئی تو ان میں ذہنی تبدیلی ہوئی اور کچھ طبعی رجحان اور کچھ زندگی کے تلخ واقعات نے گوتم کو مجبور کیا کہ وہ ابدی سکون و مسرت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کے حصول کا طریقہ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اس ذہنی خلفشار کے زمانے میں ان کا ایک بیٹا پیدا ہو گیا تو وہ بول بڑے مجھے یہ نیا رشتہ توڑنا پڑے گا۔ آخر بعض روایات کے مطابق

گوتم اسی شب گھر کو چھوڑ کر جنگل نکل گئے۔ جہاں انھوں نے چھ سال تک مختلف ریاضتوں میں گزارے۔ جس میں گھاس بھونس پر گزارہ، بالوں کے کپڑوں کا پہنا، گھٹنوں کھڑے رہنا، کانٹوں میں لیٹ جانا، جسم پر خاک ملنا، سر اور ڈارھی کے بال نوچنا۔ اس طرح کے سخت مجاہدات میں مشغول رہے۔ آخر ان پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ جسم کی آزادی اور اس طرح کے مجاہدات سے تسکین ناممکن ہے اور یہ طریقہ مسائل حل کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ انھوں نے باقائدہ کھانا پینا شروع کر دیا اور اپنے چیلوں سے یہ کہا کہ ریاضت کے یہ تمام طریقہ غلط ہیں۔ چنانچہ وہ انھیں چھوڑ کر چلے گئے۔

حالات (کچھ کتابوں میں اس طرح کے حالات درج ہیں)

اب سے تقریباً 25 سو برس پیشتر قدیم برہمنوں کے عہد کے اختتام پر کوشل کی طاقتور سلطنت کے کچھ مشرق میں ساکیہ کشتری آباد تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی قوم تھی۔ سدھوون ان کا راجا تھا۔ کپل وستو اس کی راجدھانی تھی۔ یہ شہر بنارس سے سو میل کے قریب شمال میں واقع تھا۔ سدھوون بڑا بہادر جنگجو راجا تھا اور چاہتا تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا گوتم بھی ایسا ہی بہادر اور جنگجو ہو۔ اس نے اسے سپہ گری کے سب فن سکھائے مثلاً نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر زنی۔ گوتم جب 18 برس کا ہوا تو ایک خوبصورت شہزادی مسماۃ یشوراسے اس کی شادی ہوئی اور شادی کے دس سال بعد ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ گوتم جب پیدا ہوا تو نجومیوں نے اس کے باپ کو بتایا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر یا تو بادشاہ بنے گا یا پھر سادھو مگر جو بھی بنے گا اس جیسا دنیا میں کوئی اور نہ ہو گا۔ اگر بادشاہ ہوا تو بہت بڑا بادشاہ ہو گا اور اگر سادھو بنا تو رہتی دنیا تک اس کا نام رہے گا۔

اس لیے اس کے باپ نے اس کو بادشاہ بنانے کے لیے اسے سپہ گری کے سب فن سکھائے مگر قدرت نے سدھارتھ کو سادھو بنانا تھا۔ گوتم بچپن ہی سے غور و فکر اور سوچ بچار میں رہا کرتا تھا۔ زبان کا میٹھا اور دل کا نرم تھا۔ تمام مخلوقات پر ترس کھاتا اور رحم کرتا تھا۔ شکار کو چلا ہے تیر چلے پر چڑھا ہوا ہے شست لگالی ہے، کچھ کچھ کمان بھی تان لی ہے، مگر دیکھتا ہے کہ بھولا بھالا ہرن بے خبر بے کھٹکے ننھے ننھے دانتوں سے پتلی پتلی گھاس کی پتیاں کھا رہا ہے بس وہیں کمان کو چھوڑ دیا ہے اور فکر میں ڈوبا ہوا ہے! افسوس! اس معصوم جانور نے میرا کیا بگاڑا ہے؟ یہ کسی کو ستاتا ہے جو میں اسے ماروں؟ تیر ترکش میں ڈال لیا ہے۔ اور واپس گھر چلا گیا ہے۔ گھڑ دوڑ میں شامل ہے، گھوڑے کو ہوا کر رکھا ہے، اغلب ہے کہ بازی جیتے گا مگر منزل پر پہنچنے سے ذرا پہلے گھوڑے کے ہانپنے اور زور زور سے سانس لینے کی طرف دھیان جا پڑا ہے، بس وہیں رک گیا ہے اور پشیمان ہے افسوس! کیا تفریح کی خاطر اس بے گناہ وفادار جانور کو ایسا ستانا روا ہے؟ تفریح جائے مگر گھوڑے کو دکھ دینا واجب نہیں ہے۔ گھڑ دوڑ سے علاحدہ ہے اور گھوڑے کو چمکارتا دلاسا دیتا ایک طرف لے گیا ہے۔ ایک روز بہار کے موسم میں باپ نے کہا کہ آؤ باہر چلو، دیکھو درختوں اور کھیتوں پر کیا جوبن چھایا ہوا ہے۔ باپ بیٹا آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے جدھر دیکھتے تھے بہار کا عالم تھا۔ باغ ہی باغ نظر آتے تھے۔ کونٹیں چل رہی تھیں۔ زمین پر ہری ہری گھاس کا فرش تھا۔ ہری بھری کھیتیاں لہلہا رہی تھیں۔ درختوں کی شاخیں میوے کے بوجھ سے جھکی جاتی تھیں۔ گوتم اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ ایک کسان ہل چلا رہا ہے بیل کمزور ہے اس کی پیٹھ پر زخم ہے۔ کسان تک تک کر رہا ہے اور اس کو لکڑی سے مارے چلا جاتا ہے اور بیل ہے کہ بچارا درد کا مارا بیٹھا جاتا ہے۔ پھر کیا دیکھا کہ باز نے کبوتر پر جھپٹا مارا اور اسے کھا گیا۔ آگے بڑھ کر اسی قسم کی ایک اور بات دیکھی۔ ایک کبوتر مکھیوں پر ٹھونگ مارتا ہے اور دانے سے چبارہا ہے۔ ان سب باتوں نے باغ اور بہار کے تماشے کا مزہ تلخ کر دیا۔ دل میں یہ خیال آیا کہ دنیا ہیچ ہے۔ جی کا بیری جی ہے۔ کیسا تماشا؟ چل اپنے گھر۔

اس کے کچھ دنوں بعد گوتم نے خواب میں دیکھا کہ ایک مرد پیرانہ سال ہے جو بڑھاپے کی کمزوری سے نہ چل سکتا ہے۔ نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور کوئی خواب ہی میں گوتم سے کہتا ہے کہ ایک دن تو بھی ایسا ہی بوڑھا اور بے کس ہو جائے گا۔ پھر دیکھا کہ کوئی بیمار ہے درد سے کراہ رہا ہے اور وہی آواز کہہ رہی ہے کہ اے گوتم! ایک دن تو بھی بیمار ہو گا اور اسی طرح درد سے کراہے گا۔ پھر دیکھا کہ ایک شخص زمین پر پڑا ہے، موت سے ٹھنڈا ہو چکا ہے اور جسم کے اعضا لکڑی کی طرح سخت ہو چکے ہیں اور وہی آواز کہہ رہی ہے کہ گوتم! ایک دن تجھے بھی مرنا ہے۔

اس کے کچھ عرصے بعد گوتم ماں، باپ، بیوی، بچے، راج پاٹ کو چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔ اب اس کی عمر 30 سال کے قریب تھی۔ اپنے لمبے لمبے بال، جیسے کہ کشتری رکھا کرتے تھے، منڈوا ڈالے۔ محلوں میں جو قیمتی لباس و زیورات پہنا کرتا تھا اتار دیے اور فقیروں کے سے پھٹے پرانے چیتھڑے پہن لیے۔ سات برس تک بن میں جوگ اختیار کر کے اس فکر و تلاش میں پھرا کہ دنیا میں جو دکھ درد اور گناہ ہے اس سے کس طرح رہائی ہو۔ راجگڑھ کے قریب جو مگدھ کی راجدھانی تھی، جنگل میں دو برہمن عبادت گزار رہتے تھے۔ گوتم ان کے پاس گیا لیکن وہ اس کو دنیا کے غم و اندوہ سے بچنے اور سچی خوشی حاصل کرنے کی راہ نہ بتا سکے۔ پھر پٹنہ سے جنوب کو گیا کے پاس گھنے جنگلوں میں چلا گیا۔ 6 برس برابر تپسیا (بمعنی عبادت / ریاضت) کی، فاقے کیے اور جسم کو مارا۔ آخر معلوم ہوا کہ ابدی خوشی حاصل کرنے کا طریقہ یہ بھی نہیں ہے۔ بدھ گیا کا مندر اس بات کی یادگار ہے کہ یہاں گوتم بدھ نے 6 برس تپسیا کی تھی۔

آخر وہ دن آیا کہ گوتم بدھ نے راحت و تسکین حاصل کی۔ گوتم بدھ گیا میں ایک املی کے پیڑ کے نیچے دھیان دھرے بیٹھا تھا، اس کے دل میں ایک قسم کی روشنی محسوس ہوئی، دل کو اطمینان سا آ گیا۔ معلوم ہوا کہ فاقے اور جسم کو ایذا دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دنیا اور عقبیٰ میں خوشی اور راحت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نیک اور پاک زندگی بسر کر۔ سب پر رحم کر اور کسی کو مت ستا۔ گوتم کو یقین ہو گیا کہ نجات کا سچا راستہ یہی ہے۔

اب گوتم نے بدھ یعنی عارف کا لقب اختیار کیا، بن سے نکلا اور دنیا کی تعلیم و تلقین کی غرض سے دیس بدیس پھرنا شروع کیا۔ پہلے کاشی یعنی بنارس پہنچا۔ یہاں مرد عورت سب کو دھرم سنایا۔ تین مہینے کے قیام میں 60 چیلے جمع کیے اور ان کو روانہ کیا کہ جاؤ ہر طرف دھرم کا چرچا کرو۔ پھر راج گڑھ گیا۔ یہاں راجا پرجا سب اس کے دھرم کے پیرو بنے۔ پھر کپل وستو میں گیا جہاں اس کا بوڑھا باپ راج کرتا تھا، وطن سے رخصت ہونے کے وقت وہ شہزادہ تھا، اب جو واپس آیا تو زرد لباس' ہاتھ میں کاسۂ گدائی، سر منڈا جوگی تھا، باپ، بیوی، بیٹے اور ساکیہ قوم کے سب مرد عورتوں نے اس کا وعظ سنا اور چیلے ہو گئے۔ اس کے 45 برس کے بعد یعنی 80 برس کی عمر تک بدھ دیو نے جا بجا پھر کر اپنے مذہب کو پھیلایا۔ اس طرح سے سارا مگدھ اور کوشل یعنی بہار اور صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ میں یہ مت عام ہو گیا۔

چیلوں کے چلے جانے کے بعد گوتم سخت ہیجان میں مبتلا ہو گئے۔ آخر وہ بدھ گیا میں جو اس وقت غیر آباد علاقہ تھا، وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اس واقعہ کے بعد انھوں نے تہیہ کر لیا کہ جب تک ان پر حقائق ظاہر نہ ہوئیں گے وہ اسی طرح مراقب رہیں گے۔ دفعتاً غروب آفتاب کے وقت ان کے ذہن میں ایک چمک پیدا ہوئی اور ان پر یہ حقائق منکشف ہوئے کہ "صفائے باطن اور محبت خلق" میں ہی فلاح ابدی کا راز مضمر ہے اور تکلیف سے رہائی کے یہی دو طریقہ ہیں۔ انھوں نے حیات کے چشمہ موت اور زندگی کا ایک لامتناہی سلسلہ دیکھا۔ ہر حیات کو موت سے اور موت کو حیات وابستہ پایا۔ ہر سکون اور ہر خوشی کو نئی خواہش نئی مایوسی اور نئے غم کے دوش بدوش پایا۔ زندگی کو موت سے ملاقاتی ہوتے پھر اپنے کرم کے مطابق جنم لیتے دیکھا۔ اس نوری کیفیت اور انکشاف کے بعد وہ بدھ یعنی روشن ضمیر ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ غلطی اور جہالت کے دھندلکوں

سے آزاد ہو چکے ہیں۔ ان کی زندگی خواہشوں اور الائشوں سے آزاد ہو چکی ہے اور انھیں تناسخ کے چکر سے نجات مل چکی ہے۔ انسانی مصائب کا علاج جان لینے کے بعد وہ بنارس آئے اور وہاں ایک مقام مگادیہ میں قیام کیا۔ ان کے چیلے جو انھیں چھوڑ گئے یہاں آن ملے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چیلوں کو اپنی تعلیمات سے روشناس کرایا اور زندگی و موت کے حقائق انھیں سمجھائے۔ آخر وہ ان سے متاثر ہو کر ان کے دین میں داخل ہو گئے، پھر انھوں نے اپنی دعوت کو عام کیا اور تین ماہ یہاں قیام کیا۔ ان کی بزرگی و علم کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور بہت سے لوگ ان کی کرامتوں کو دیکھ کر ان کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے گوتم راج گڑھ گئے۔ اس وقت مگدھ کا راجا بمبارا تھا۔ اس نے گوتم کا خیر مقدم کیا اور ایک باغ ان کے قیام کے لیے وقف کر دیا۔ یہاں گوتم نے کئی سال گزارے۔ وہ ہر سال گرمی اور جاڑے میں تبلیغ کے لیے نکلتے اور برسات میں واپس آجاتے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ راجا بہار ادر اجات سترہ نے گوتم سے ملاقاتیں کیں اور انھوں نے بدھ مذہب قبول کر لیا تھا۔ الغرض چند سال کے اندر گوتم کا مذہب تیزی سے پھیل گیا۔ پھر کپل وستو میں باپ کے بلانے پر آئے اور گھر والوں سے ملاقاتیں کیں، مگر راج گڑھ واپس آگئے اور تقریباً چوالیس سال تک گوتم اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے رہے اور اس سلسلے میں ہندوستان کے مختلف مقامات پر گئے۔ ان کی حیات میں ان کا مذہب تیزی سے مقبول ہو گیا اور دور دور تک ان کے مبلغین ہندوستان کے ہر حصہ میں پہنچ گئے اور لوگوں کو اس نئے مذہب سے روشناس کرایا۔ عام روایات کے مطابق گوتم نے 80 سال کی عمر میں 384 ق م میں وفات پائی۔ ہندو رسم کے مطابق ان کی لاش نذر آتش کر دی گئی۔

تعلیمات

گوتم کے زمانے میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ اس لیے ایک عرصہ تک ان کی تعلیمات زبانی منتقل ہوتی رہیں۔ تقریباً تین سو سال کے بعد 252 ق م میں اشوک کے عہد میں پہلی مرتبہ انھیں ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی۔ یہ کتابیں تری پٹک یعنی تین ٹوکریوں کے نام سے منسوب ہوئیں۔ مگر حقیقت میں یہ تین سے زائد ہیں، یعنی ہر کتاب کئی کتابوں پر مشتمل ہیں۔ یہ اشوک کے عہد میں بہار کی زبان پالی میں قلمبند کی گئیں تھیں۔ مگر اصل جلدیں بہت جلد ناپید ہو گئیں۔ ان کی نقل مہندلنکا لے گیا تھا۔ وہاں ان کا ترجمہ سنگھالی زبان میں ہوا۔ وہ نقل بھی اصل کی طرح معدم ہو گئیں۔ مگر سنگھالی زبان کا ترجمہ رہے گیا، جسے 143ء میں ایک گیا کے راہب گھوش نے اصلی تسلیم کرتے ہوئے اس کا پالی میں ترجمہ کیا۔ پاک و ہند میں اب یہی تری پٹک سے مستند اور قدیم سمجھی جاتی ہیں۔ حافظہ کی کمزوری اور ترجمہ کے ہیر پھیر کے بعد گوتم کی تعلیمات کہاں تک پہنچی یہ بتانا مشکل ہے۔ بدھ مذہب کی کتابیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک بانی مذہب کی طرح نہیں بلکہ ایک مصلح یا فلسفی کی حثیت سے اپنی تعلیمات کا سارا زور اخلاق و اعمال پر پیش کیا گیا ہے اور ان بنیادی عقائد کو نظر انداز کر دیا ہے، جن پر ایک مذہب کی تعمیر ہوتی ہے۔ گوتم نے نہ تو خدا کے وجود پر کوئی بات صاف کہی ہے اور نہ کائنات کی تخلیق کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے اور نہ روح کی وضاحت کی ہے، بلکہ اسے مادہ کا جز کہے کر خاموشی اختیار کی ہے۔ جنت و جہنم، حشر و نشر اور آخرت و قیامت جیسے مسائل کو انھوں نے پس پشت دال دیا ہے اور آواگون کے ہندو عقیدے کو اہمیت دے کر راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عالم کی چیزیں اسباب کے تحت وجود میں آتی ہیں اور ہر لمہ غیر محسوس طریقہ سے بدلتی رہتی ہیں اور انہی اسباب کے تحت فناء ہوتی ہیں۔ گویا پوری کائنات میکانکی طور پر وجود میں آئی ہے اور اسی طور پر چل رہی ہے۔ اس میں کوئی شعور اور ارادہ کار فرما نہیں ہے۔ گوتم نے ان تمام مسائل کی وضاحت اور تشریح کے بغیر اخلاقی احکام کی تلقین کی ہے، جس کے ذریعے نروان حاصل کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں گوتم نے والدین، اولاد، استاد و شاگرد، خادم و آقا اور شوہر و بیوی کے فرائض، حقوق اور زمہ داریاں بتائیں ہیں۔

انھوں نے والدین کو حکم دیا ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ دیں اور انھیں برائی سے بچائیں، نیز ان کے لیے ترکے کی شکل میں معاش مہیا کریں۔ اولاد کو حکم دیا کہ وہ والدین کی اطاعت اور احترام کریں۔ اس طرح دوسرے لوگوں کو شفقت، محبت، ہمدردی، احترام، وفاداری، ہنرمندی، مساوات، حسن سلوک، ادب اور تعظیم کی ہدایت کی ہے۔ گویا ایک فلسفی کی موجودات کے اجزاء ترکیبی سے بحث کی ہے۔ پھر انسان کی خصوصیات اور صفات وروپ پر ایک تفصیلی بحث کی ہے، جس سے ایک مذہب کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے۔ گوتم مذہب کے تمام فطری مسائل کو حل کرنے سے قاصر رہے۔ یہی وجہ ہے بدھ مذہب ان لوگوں کے درمیان میں تو پھیل سکا، جو بت پرست اور اوہام پرست تھے۔ مگر اہل مذہب کے مقابلے میں قطعی ناکام رہا۔

نروان

نروان (سنسکرت निर्वाण :تلفظ: نِرواݨ؛ پالی निब्बान :تلفظ: نِبّانا) کے معنی "نجات، چھٹکارا، مادّہ سے آزادی، ختم ہونے یا بجھنے کے ہیں "اس لفظی مطابقت کے مطابق جسے نروان حاصل ہو جاتا ہے اس کی زندگی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے لیکن یہ ذات کا فنا ہونا نہیں ہے کیونکہ بدھ مت میں ذات کا وجود ہی نہیں ہے یہ فریب نفس کی فنا ہے اور اس کے ساتھ تمام چیزوں کی جو اس فریب کی معاون ہیں یعنی خواہش نفس کی کیونکہ بدھ مت کے مطابق نروان کوئی مردہ شے نہیں ہے بلکہ پناہ محفوظ مقام ہے، سیلابوں کے درمیان میں جزیرہ ہے، پرامن اور بابرکت مقام ہے، سلامتی کا گھر ہے، دکھ کا خاتمہ اور مسرت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس کی تعبیر بدھسٹوں کی زبان میں کی جاسکتی ہے کہ نروان وہ حالت ہے جہاں نہ کوئی ٹھوس ہے نہ سیال، نہ حرارت ہے نہ برودت نہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے گویا یہ جنتی یا ابدی سعادت کا دنیوی زندگی میں ایک تجربہ ہے۔ نروان کا مطلب نجات ہے اور جس کو نجات حاصل ہوگئی اس کی ہر خلش دور ہوگئی ابدی مسرت اس کا مقدر بن گئی، گوتم بدھ کو یہ دولت مراقبہ کی حالت میں حاصل ہوئی تھی اس کے حصول کے بعد گوتم بدھ برابر اپنے خطبات میں عوام کو اس طرف راغب کرتے رہے نیز چار عظیم سچائیوں کو اس کے حصول میں مددگار قرار دیا۔ نروان ایک ایسی حالت کا نام ہے جو ذہنی سانچوں سے بالاتر ہے۔ اس کی حقیقت کو الفاظ کے ذریعہ بیان کرنا ممکن نہیں بس الفاظ میں گوتم بدھ کی زبانی اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ "زندگی کی مصیبتوں سے چھٹکارا نروان کی بدولت ہی ممکن ہے" اس لیے کہ نروان ہی اس فانی دنیا میں انسان کا مطلوب و مقصود حقیقی ہے۔

سنگھ

بودھ مذہب کا آغاز ترک دنیا سے ہوا تھا۔ اس لیے جیسے جیسے معتقدین کا حلقہ بڑھتا چلا گیا تو راہبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ مگر جلد ہی گوتم نے محسوس کر لیا کہ ہر شخص تارک الدنیا نہیں ہو سکتا ہے اور مذہب کو محض راہبوں تک محدود درست نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے پیروکاروں کو دو حصوں، راہبوں اور دنیاداروں میں تقسیم کر دیا۔ راہبوں کی ایک انجمن بنائی گئی، جو سنگھ کے نام سے موسوم ہے۔ سنگھ کے ممبروں کو بھکشو کا خطاب دیا گیا اور ان کے لیے اہم شرائط واحکام وضع کیے گئے۔ اوائل میں سنگھ کے تمام ممبر سمجھے جاتے تھے۔ پھر ان میں عہدہ دار ابھرنے لگے اور ان کا صدر مذہبی پیشوا بن گیا۔

سنگھ کی مجالس

عام روایات کے مطابق سنگھ کی پہلی مجلس گوتم کی موت کے فوراًبعد راج گڑھ میں منعقد ہوئی تھی اور دوسری مجلس سو سال کے بعد ویشالی میں بلائی گئی تھی اور اس میں نزاعی مسائل زیر بحث آئے تھے۔ مگر ان دونوں مجالس کے انعقاد کی مستند ذرائع سے تصدیق نہیں ہوتی ہے، اس لیے تین سو سال کے بعد اشوک کے عہد کے میں جو مجالس بلائی گئی، وہی پہلی مجلس سمجھی جاتی ہے۔ اس میں تقریباً ایک ہزار راہبوں نے شرکت کی تھی اور اس میں اختلافی مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا تھا کہ گوتم کی تعلیمات کو تین کتابوں میں جمع کی گئیں، نیز تبلیغ کے لیے دور دراز مبلغ بھیجے گئے۔ سنگھ کی دوسری مجلس کنشک کی سرپرستی میں سری نگر کے قریب تقریباً 541ءمیں منعقد ہوئی جس میں اختلافات ختم کرنے کی آخری کوشش کی گئی۔ نیز بدھ کی تعلیمات پر صخیم کتاب لکھی گئی، جس کو تانبے پر کندہ کرا کر ایک خاص استوپہ میں رکھیں گئیں۔

فرقے

بودھ مذہب میں اختلافات گوتم کی زندگی میں ہی پیدا ہو گئے تھے۔ ایک بھنگی کو سنگھ میں داخل کرنے پر اعلیٰ ذات کے ممبروں نے برہمی کا اظہار کیا تھا۔ ذات کے علاوہ اور بہت سے مسائل نزاع کا باعث بن گئے تھے۔ مگر پھر بھی گوتم کی زندگی میں انھیں ابھرنے کا موقع نہیں ملا اور گوتم کی موت کے بعد انھوں نے شدت اختیار کرلی اور بہت جلد بدھ کے تابع اٹھارہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اشوک اور کنشک کی سرپرستی میں جو مجالس منعقد ہوئیں، ان میں اختلافات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر دور نہ ہو سکے اور بالا آخر بدھ مذہب دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ جو ہنیان اور مہایان کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر مرکب اصغر (Lesser Wehicle) اور ثانی الذکر مرکب اکبر (Great Wehicle) بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں میں سے ہر ایک متعدد ذیلی فرقوں میں تقسیم ہے۔ ہنیان فرقہ جزویات کو چھوڑ کر کلیات میں قدیم مذہب پر کاربند ہے۔ یہ گوتم کی تعلیمات کے مطابق روح اور خدائی کا قائل نہیں ہے، نیز گوتم کو ہادی مانتا ہے۔ مہایان اس کے برعکس گوتم کو ما فوق الانسان سمجھتا ہے اور اس کی مورت کو بحثیت دیوتا پوجا کرتا ہے۔ یہ گوتم کے علاوہ دوسرے دیوتاؤں کا قائل ہے اور ان کی پرستش بھی کرتا ہے۔ اس فرقے کی اشاعت کنشک کے دور میں زور شور سے ہوئی، اس لیے منگولیا، چین، جاپان اور تبت میں اسی کو غلبہ حاصل ہوا۔ مگر لنکا، برما، سیام اور مشرقی جزائر میں ہنیان نے پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن بالا آخر اسے وہاں مغلوب کر لیا گیا۔

بدھ مت کی ترقی کا سبب

بودھ مت کی ترقی و مقبولیت کا راز اس کے بانی کی بے داغ زندگی میں تھا۔ اس کے علاوہ بودھ مت کے اصول نہایت سادہ تھے۔ مذہبی و راہبانہ جماعت سنگھ نے اس کی اشاعت میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ابتدا میں راجاؤں اور سرداروں نے بھی اس کی سرپرستی کی۔ عام رواداری اور محبت کا پیغام عوام کے لیے جو برہمنی نظام کی قیود میں بندھے ہوئے تھے۔ بودھ مذہب کو ابتدا میں نیچی ذات کے لوگوں اور ویشوں نے اختیار کیا تھا۔ پھر سرحدی ریاستوں کے راجاؤں نے اختیار کیا۔ جب اشوک نے بھی بودھ مت کا پیرو ہو کر اسے اپنی سلطنت کے سرکاری مذہب کا درجہ دیا، تو اس کی شہرت دور دور تک پھیل گیا۔ یہ مذہب وادی سندھ سے افغانستان اور وسط ایشیاء میں داخل ہوا اور براہ چین کے راستے کوریا تک پہنچ گیا۔ اس طرح لنکا، برما، تبت، سیام، نیپال اور ملایا کے لوگوں نے اسے خوشی خوشی قبول کر لیا۔ اشوک کے مبلغ یا بھکشو گاؤں گاؤں پھرتے اور اہنسا کا پرچار کرتے اور لوگوں کو جانوروں کی قربانی سے منع کرتے۔ رفتہ رفتہ ان بھکشوؤں کے لیے وہار اور استوپے تعمیر ہونے لگے اور یہ جگہیں تعلیم اور عبادت کا مرکز بن گئیں۔ ان میں سب سے بڑا مرکز ٹیکسلا تھا۔ ٹیکسلا کی پاٹ شالائیں جو وید کے بھجنوں اور اپنشد کے اشلوکوں سے گونجتی تھیں،

بودھ مت کی درسگاہوں میں تبدیل ہوگئیں۔ موریا سلطنت کے زوال کے بعد باختر کے یونانیوں نے ٹیکسلا کو پایہ تخت بنایا، تو انھوں نے بھی بودھ مذہب قبول کر لیا۔ اشوک کے عہد میں بہت سے یونانیوں نے بودھ مذہب قبول کر لیا تھا۔ چنانچہ مشہور بھکشو دھرم راجیکا، جس سے ٹیکسلا کا ایک اسٹوپہ منسوب ہے، یونانی تھا۔ اشوک نے اسے یونانی نوآبادیوں میں تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ منیانڈر نے پٹنہ تسخیر کر لیا، مگر وہاں سے آکر اشوک کی طرح جنگ و جدل سے تائب ہو کر بودھ مت اختیار کر لیا اور آخر عمر میں راج پاٹ سے کنارہ کشی کر کے بِھکشو بن گیا۔ منیانڈر کے دربار میں بدھ مذہب اور ہندو پنڈِتوں میں بحث مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ بدھ مت کے سنتوں میں منیانڈرر کا درجہ بہت اونچا ہے۔ اس کے گرو ناگا سین نے منیانڈر کے جو مکالمات اور اقوال 'ملندا شا' کے نام سے مرتب کیے وہ آج بھی لنکا، برما اور تھائی لینڈ میں گوتم بدھ کا سب سے مقدس صحیفہ سمجھے جاتے ہیں۔ جب کشن قوم کے راجا کنشک نے اپنی سلطنت قائم کی تو اسنے بھی بدھ مت قبول کر لیا۔ اس نے اس کی ترقی و ترویج کے لیے بحت سے اقدامات کیے۔ جن میں بودھ مت کے فرقوں کے اختلافات ختم کرانے کے لیے مجلس کا انعقاد اور اپنے دار الحکومت پرش پورہ (پشاور) میں ایک اسٹوپا کی تعمیر شامل ہے۔ اس طرح وردھن خاندان کے راجا ہریش نے بھی بودھ مت قبول کر لیا تھا۔ وادی سندھ میں بودھ مت کی مقبولیت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور چینی سیاح ہیونگ سانگ یہاں سے گذرا تو فقط سندھ میں کئی سو سنگھران موجود تھے اور بھکشوؤں کی تعداد بھی دس ہزار سے زائد تھی۔ حالانکہ اس وقت بودھ مت کو زوال آچکا تھا اور ہندو مذہب دوبارہ حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

بودھ مت کا زوال

بودھ مت پانچ سو سال تک برابر ترقی کرتا رہا اور رفتہ رفتہ ہندوستان کے علاوہ افغانستان، چین، برما، سیام اور مشرقی جزائر میں پھیل گیا۔ گو ایشیا کے ایک بڑے حصہ پر قابض ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس کی ترقی رک گئی اور اس کا زوال شروع ہو گیا۔ ہندوستان میں اس کے پیروؤں کی تعداد دن بدن گھٹتی گئی، آخر نویں صدی عیسوی آخر تک ہندوستان میں یہ بالکل ناپید ہو گیا۔ برصغیر میں بودھ مت کے زوال کا اہم سبب برہمنوں کی مخالفت تھی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اس مذہب کی ترقی میں ان کی موت پوشیدہ ہے، اس لیے وہ اسے ہر قیمت پر مٹانا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف گوتم کو شیو کا اوتار تسلیم کر کے اس مذہب کی انفرادیت ختم کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف لوگوں کو تشدد پر اکسایا۔ کمارل بھٹ اور شنکر اچاریہ جیسے پرجوش ہندو مبلغین نے باضابطہ بدھوں کے خلاف مہم چلائی اور اپنی تقریروں سے لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت اور دشمنی کا جذبہ پیدا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا اس کے خلاف اکثر مقامات پر بلوے ہوئے اور بڑی بے دردی سے بودھوں کا قتل عام کیا گیا۔ بلا آخر بودھ مت اس سرزمین سے ناپید کر دیا گیا۔

گوتم نے جن بنیادی عقائد پر ایک مذہب کی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے، انھیں نظر انداز کر دیا اور نہ وجود اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ بتایا اور نہ آخرت کا خوف لوگوں کے دلوں میں بٹھایا، بلکہ روح کے وجود سے انکار کر کے اخلاقی احکامات کی تمام بندشوں کو ڈھیلا کر دیا۔ اس بنیادی کمزوری کی وجہ سے یہ مذہب علم کے لوگوں میں مقبول نہیں ہو سکا۔ انھوں نے اسے ایک اصلاحی تحریک سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ نیز مسائل محتاج تشریح کی رہنے کی وجہ سے اس کے متبعین میں وہ شدت پیدا نہیں ہو سکی جو ہونی چاہیے تھے۔ اس مذہب کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ اس نے رہبانیت اور ترک دنیا پر زور دیا تھا۔ حلانکہ یہ تعلیم چند افرد کے لیے مناسب ہے، لیکن عام لوگوں کے لیے ناقابل قبول اور ناممکن عمل ہے۔ یہ نقص اس مذہب کو ہمہ گیر بنانے میں سخت حائل رہا۔ علاوہ ازیں اس سے ایک طرح بودھوں کے اندر مختلف سفینہ حیات کو ترقی دینے اور منوانے کے جذبہ کو مردہ کر

دیا۔ دوسری طرف راجاؤں کی سرپرستی ان کے اخلاقی انحاد کا باعث بنی۔ راہبانہ زندگی میں راجاؤں کی قربت اور نوازشات ان کی اخلاقی طاقتوں کے لیے صبر آزما ثابت ہوئی۔ فطرتی کمزوریاں انھیں آرام طلب عیش پسند اور حریص بننے سے نہیں روک سکیں اور کچھ دنوں کے اندر ان کے سنگھ برائیوں کے مرکز بن گئے۔ اس مذہب کے اندر ایک اہم نقص عدم تشدد کی تعلیم تھی۔ جو اس کے زوال کا اہم سبب بنی۔ یہ تعلیم ممکن ہے راہبانہ زندگی کے لیے اہمیت رکھتی ہو، مگر اجتماعی زندگی میں بہت تباہ کن اور مہلک ثابت ہوئی۔ بودھوں نے اس اصول پر ان لوگوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جو کرشن کے عدم تشدد کے قائل تھے اور انھوں نے تشدد کے لفظ کو بے معنی بنا دیا تھا۔ ایسی حالت مین جب کرشن کے ماننے والے ان کے خلاف آرستہ ہوئے، تو بچاؤ کی کوئی صورت پیدا ہو نہ سکی اور وہ تباہ ہو گئے۔

چار عظیم سچائیاں

گوتم بدھ کے وضع کردہ مذہب کے کلیدی فکری نظام کی پوری عمارت جس بنیاد پر استوار ہے اس کی تشکیل **چار عظیم سچائیاں** کرتی ہیں۔ یہ سچائیاں بدھ فکر میں اساسی درجہ کی حامل ہیں جن میں گوتم کا بنیادی فلسفہ مضمر ہے۔ ان حقائق کو مہاتما بدھ نے شب نجات تیسرے پہر نروان حاصل کرنے سے کچھ دیر پہلے دریافت کیا۔ ان سچائیوں کی تشریح کے لیے گوتم کی تعلیمات میں جو حصہ ہمیشہ سند گردانا جاتا رہا ہے وہ ان کا پہلا اپدیش یا وعظ ہے۔ اس وعظ میں گوتم نے اپنے منحرف شاگردوں سے جو کچھ کہا اس کے مطابق "چار عظیم سچائیاں" مندرجہ ذیل ہیں:

1. **دکھ:** زندگی میں تکلیف ہیں۔
2. **سمُدے:** تکلیف کی وجہ ہے۔
3. **نرودھ:** تکلیف سے نجات ہے۔
4. **مارگ:** نجات پانے کا راستہ ہے۔

پہلی عظیم سچائی: دُکھ

پہلی عظیم سچائی "دُکھ" ہے۔ یہ زندگی کی اصل حقیقت ہے۔ گوتم بدھ کے خیال میں جسمانی تکالیف، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کا جبر، عزیزوں سے جدائی اور قابل نفرت لوگوں کی صحبت کے علاوہ زندگی کی عارضی مسرتیں اور عیاشیاں بھی آخر کار دکھ کا باعث ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ خوشیاں مستقل نہیں ہوتیں اسی لیے جب غم ان کی جگہ گھیرتا ہے تو دُکھ کی افزائش ہوتی ہے۔ تغیر پزیر، کسی مستقل عنصر سے محروم اور کھوکھلی زندگی بجائے خود دُکھ کا بڑا باعث اور اِنسان کے لیے غیر تسلی بخش صورت حال پیدا کرنے کی محرک ہوتی ہے۔

دُکھ کی اقسام

بدھ مت میں پہلی سچائی یعنی "دُکھ" کی تین مختلف اِقسام بتائی گئی ہیں جو کچھ اِس طرح ہیں۔

1. وہ دُکھ جسے اس کے عمومی مظاہر کے ساتھ ہر شخص محسوس کرتا ہے۔
2. وہ دُکھ جسے زندگی میں مستقل عنصر کی موجودگی کے بغیر ایک سلسلہ علت و معلول کی پابند نمود کے باعث محسوس کیا جائے۔
3. وہ دکھ جو بے ثبات اور تغیر پزیر زندگی کے باعث پیدا ہوتا ہے۔

گوتم بدھ کا فرمان

"بھکشوؤ! یہی دُکھ ہے، یہ اولین سچائی ہے۔ پیدائش بھی دُکھ، بیماری بھی دُکھ اور موت بھی دُکھ۔"

دوسری عظیم سچائی: دُکھ کی علت

دوسرا عظیم سچ یہ ہے کہ دُکھ کے اس ازلی اور ابدی کارواں کی کہیں نہ کہیں کوئی بنیادی اور حقیقی علت ضرور ہوتا ہے۔ دُکھ کے لامحدود سلسلے کا اصلی سبب اور علت گوتم کے مطابق خواہش ہے۔ یہی خواہش، طلب اور آرزو انسان کو اس دنیا میں جنم لینے پر مجبور کرتی ہے اور پھر زندگی بھر اسے مختلف صورتوں میں اپنی تسکین کے سامان ڈھونڈنے پر لگائے رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان جس طرح ناآسودہ اس دنیا میں آتا ہے اسی طرح غیر مطمئن رخصت ہو جاتا ہے، لیکن طلب کے جال اسے کسی اور جنم پھنسا کر پھر اس لافانی دنیا میں لا پھینکتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ ازل تا ابد قائم رہتا ہے۔ نہ کسی انسان کے اولین جنم کی معلوم ہوتی ہے اور نہ جنم مرن کے اس چکر کی انتہا ہی کسی کی سمجھ میں آتی ہے۔ گوتم کے مطابق اس جنم در جنم سلسلے کے پس منظر میں بھی قوت محرکہ کے طور پر خواہش ہی کارفرما ہے۔

گوتم بدھ کا فرمان

"بھکشوؤ! میری نظر میں خواہش اور طلب جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے جس سے بندھی ہوئی مخلوقات ایک کے بعد دوسرے جنم میں طویل عرصہ سے چکر کاٹ رہی ہیں۔ یقین جانو بھکشوؤ! اسی خواہش کی زنجیر میں جکڑی ہوئی مخلوقات وجودوں کی طلسمی نگری میں منڈلاتی رہتی ہیں"۔

تیسری عظیم سچائی: دُکھ کی انسداد

تیسری عظیم سچائی یہ ہے کہ دُکھ کے اس سلسلے کا اگر کوئی بنیادی سبب ہے جیسا کہ دوسری سچائی سے ثابت ہے تو پھر اس کا انسداد بھی ممکن ہے۔ خواہش یا حرص و آز کو صرف جاری زندگی یا آئندہ زندگیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دُکھ کا بنیادی سبب قرار دینا اس لیے بھی مناسب ہے کہ جاری زندگی میں اگر اس علت کو کسی ڈھنگ سے متاثر کر دیا جائے تو بقیہ زندگی اور آئندہ جنم میں دُکھ کا انسداد ناممکن الحصول امر رہتا۔ البتہ گذشتہ جنموں کے اسباب چونکہ پہلے سے متعین ہو چکے ہوتے ہیں لہٰذا اس سچائی کا اطلاق ماضی کی بجائے صرف حال اور مستقبل کی زندگی پر ہی ہو سکتا ہے۔ اس سچائی کے مطابق خواہش کو متاثر کر کے دُکھ کا ازلی اور ابدی جال توڑا جا سکتا ہے اور انسان جنم اور مرن کے چکر سے ہمیشہ کے لیے نجات پا کر نروان کی منزل حاصل کر سکتا ہے۔

گوتم کے بقول یہ اسی لیے ممکن ہے اگر سبب اور مسبب کے فطری قانون کے تحت وجود کا کاروان درجہ بدرجہ سفر کرتا ہے تو اسی منطق کی رو سے ایک سبب غائب ہونے پر اس کا مسبب بھی ختم ہو جائے گا۔ تیسرے عظیم سچ کا مقصد ہے دُکھ کے سبب کے خاتمہ سے سلسلہ دکھ کا مکمل خاتمہ۔[5]

چوتھی عظیم سچائی: دُکھ سے نجات کا راستہ

چوتھی عظیم سچائی وہ آٹھ نکاتی راستہ ہے جس پر چل کر دکھوں کے سلسلہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی تین سچائیاں بدھ مت کے نظریاتی اصولوں سے متعلق ہیں اور چوتھی سچائی وہ عملی طریقہ بیان کرتی ہے جن کے اختیار کرنے سے دکھ دور ہوتے ہیں اور نجات قریب آجاتی ہے۔ دکھ سے نجات کا یہ ہشت پہلو راستہ چونکہ آٹھ عملی اصولوں پر مشتمل ہے لہٰذا اسے " **اشٹانگ مارگ** " کہا جاتا ہے۔

زندگی دکھ ہی دکھ ہے

1. دکھ کا سبب خواہشاتِ نفسانی ہیں۔

2. خواہشاتِ نفسانی کو قابو کر لیا جائے تو دکھ کم ہو جاتا ہے۔

3. خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کرنے کے لیے مقدس ہشت اصولی مسلک پر چلنا چاہیئے۔

اس مسلک میں راسخ عقیدہ، راست عزم (ترک خواہشات نفسانی اور اہنساوغیرہ) راست گفتاری، راست روی، کسب حلال، کوشش صالح، نیک نیتی یا راست بازی اور حقیقی (Right Ecstasy) شامل ہیں۔

عقیدے کی تفصیل

دین دار کی منزل مقصود یہ ہے کہ وہ خواہشات کی قید سے نکل کر وجود) نروان (میں پہنچ جائے۔ فرد ایسے عناصر سے بنا ہے جو اس سے پہلی موجود تھے اور جو اس کے مرنے کے بعد منتشر ہو جائیں گے۔ اور جو دوبارہ تقریباً اسی شکل میں مرتب کیے جاسکتے ہیں۔ آدمی اسی آواگون کے چکر سے نکلنے کے لیے مذہبی زندگی کے ذریعے کوشش کرتا ہے۔

اس مذہب میں ذات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ مردوں ،عورتوں، جوان اور بچے سب کو رحم دلی اختیار کرنے اور تکلیفیں سہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اس سے فائدہ حاصل ہوتا ہے "ساکیہ منی" (گوتم بدھ) کے نزدیک نجات ایک خاص حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان کو خوشی ورنج، دوستی و دشمنی بلکہ تمام مصائب اور خواہشوں سے چھوٹ مل جاتی ہے۔

ایک بودھ مت کے فرقے کا قول ہے کہ خدا کچھ چیز نہیں سب سے بڑا "بودھ" ہوتا ہے۔ اب تک کئی بدھ ہو چکے ہیں گوتم بدھ پچیسواں بدھ ہے۔ اس مذہب کے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ خدا موجود ہے لیکن اس نے دنیا کو پیدا نہیں کیا اور نہ اس کو دنیا کے کاموں اور انسانوں کے نیک و بد سے کوئی واسطہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پھر بھی تمام چیزیں خدا کی مرضی سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ بدھ مت کے اکثر پیروکار ہندوؤں کے دیوتاؤں کو بھی مانتے ہیں لیکن ان کا درجہ بدھ سے کم مانتے ہیں۔ بدھ مت کے تصور معبود پر ہندو مذہب کی چھاپ پائی جاتی ہے۔ اس مذہب میں خواہشات کو سب مصیبتوں کی جڑ گردانا گیا ہے۔ خواہشات پر قابو پانے کے لیے آٹھ اصول (**ہشت پہلو راستہ**) بیان کیے ہیں:

1۔ صحیح علم وعقیدہ
2۔ صحیح ارادہ
3۔ صحیح کلام
4۔ صحیح عمل
5۔ صحیح سلوک
6۔ صحیح کوشش
7۔ صحیح یادداشت
8۔ صحیح غور وفکر ہیں۔

بودھ مت کے کچھ خصوصی اجزاء

کرم یا کرما

لفظی معنی کام یا عمل کے ہیں۔ پس انسان کی زندگی پر بلکہ ہر زندہ جان کی زندگی پر اس کے اپنے اعمال کا اثر ہوتا ہے، خصوصاً دکھ کا سبب ہمیشہ انسان کے اپنے غلط یا مضر اعمال ہوتے ہیں۔ گوتم بدھ کا کہنا ہے کہ دکھ سے نجات موجودہ دنیا کے دائرۂ تکلیف میں حاصل کرنا ناممکن ہے۔

اینتیہ

دنیا فانی ہے اس کا ثبوت اس بات میں ہے کہ وہ چیزیں جن سے ہم خوشی کی توقع کرتے ہیں مثلاً شہرت، اقتدار، بندھن اور پیسہ آخر کار دکھ کا باعث بنتے ہیں۔

اودیہ

بے حسی۔ بنیادی طور پر انسان حقیقت سے محروم ہے اور اپنی زندگی بے حسی میں گزارتا ہے۔ اس کا نتیجہ بھی دکھ ہے اور دکھ سے نجات پانے کے لیے اور نروان حاصل کرنے کے لیے انسان کو آگاہی کی تلاش کرنا ہوگی۔

بدھی

اس آگاہی کا نام بدھ یا بدھی ہے۔ سدھارتھ گوتم بودھ مت کے پہلے بدھ ضرور تھے لیکن ان کے بعد بھی کئی لوگ بودھ بن چکے ہیں۔ اس مذہب کے پیروکار نہ صرف گوتم بدھ بلکہ اور بودھوں کے طریقے کی بھی پیروی کرتے ہیں۔

ارہٹ

وہ ذات جو دنیاوی بندھنوں کو مکمل طور سے چھوڑ کر نروان حاصل کرلیتا ہے۔

ناخدا پرستی

بودھ مت ناخدا پرست ہے۔ لیکن بدھ کے نظریات میں کہیں خدا کی مخالفت میں اشارہ نہیں ملتا۔ بدھ کے نظریہ ناخدا پرستی کا صرف یہی مطلب ہے کہ خدا کی پرستش نہ کرکے بھی نجات مل سکتی ہے۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ فلسفہ سانکھیہ کی بنیادوں سے ملتا جُلتا نظریہ ہے۔

بودھ مت کے فرقے

مہایان

مہایان فرقہ نے وسیع المشرب اور آزاد خیال بدھی مکتب فکر کی حیثیت سے چوتھی صدی قبل مسیح میں اپنے بنیادی خدوخال مرتب کیے۔ مہایانوں نے گوتم بدھ کے روایتی افکار اور خیالات کی بہت سے نئے زاویوں سے تشریح وتفسیر کی۔ اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علما نے مہاتما بدھ کے وضع کردہ اصول وضوابط کو لچک اور تحرک سے نواز کر لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو متاثر کیا۔

بھگتی کا رجحان

بنیادی اعتبار سے بدھ مت ایک فلسفیانہ مذہب تھا جس میں عقلیت اور تجزیاتی انداز فکر کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ تھیرو وادی فرقہ نے ابتدائی بدھ مت کی اس روایت کو سچی اور غیر متزلزل وفاداری کے ساتھ زندہ رکھا۔ لیکن بدھ مت کو عوام میں مقبولیت دلانے کے جذبے نے ترقی پسند مہایان مکتب فکر کو بدھی تعلیمات کی ایسی تعبیرات کرنے پر اکسایا جس میں فلسفیانہ عناصر سے زیادہ مذہبی جذبہ کی تسکین کا سامان موجود تھا۔ گوتم کو مادی انسان سے رفتہ رفتہ دیوتا کے مرتبہ تک پہنچا دینا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن اس امر پر رائے زنی کرنے سے پہلے یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ مہایان کی ابتدائی نشو و نما کے دور یعنی دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں، ہندوستان میں بھگتی اور اس سے متعلق مذہبی رسومات کافی بااثر ہو چکی تھیں۔ چنانچہ اگر مہایان نے گوتم بدھ کو ایک استاد سے بڑھا کر دیوتا کے رتبہ تک پہنچا دیا تو اس کی ایک بنیادی وجہ اس دور کے ہندوستان میں نفوذ پزیر بھگتی کا رجحان بھی تھا جس کے کافی اثرات مہایان نے قبول کیے۔

دوسری صدی قبل مسیح تک مہایان کی تعلیمات میں گوتم اور اس سے ظہور میں آئی مقدس ہستیوں کی پرستش کو نجات کا ذریعہ تصور کیا جانے لگا۔ تمام خانقاہیں، پیروکاروں کے گھر اور دیگر مقدس مقامات ان ہستیوں کی مورتیوں سے اٹ گئے اور پوجا کی مختلف رسومات مثلاً مورتیوں کو سجانا، خوشبوئیں لگانا، آرتی اتارنا اور مرادیں مانگنا وغیرہ رائج ہو گئیں۔

تری کایا کا عقیدہ

جذباتیت اور بھگتی کو بدھ مت میں داخل کرنے کے علاوہ مہایان نے مذہبی تصورات و عقائد میں بھی تھیرواد سے مختلف اور ممتاز راہیں اختیار کیں۔ تھیرواد نے ابتدائی بدھ مت کی بنیاد مذہب میں اخلاقیات کو مرکزی مقام دے کر رکھا تھا لیکن مہایان نے بدھ کی شخصیت کو محور و مرکز بنایا اور اس قسم کے عقائد کو رواج دیا کہ گوتم ہی واحد بدھ نہیں تھے بلکہ اس س پہلے بھی مختلف ادوار میں متعدد بدھ دنیا میں آچکے ہیں اور ملکوتی دنیاؤں میں بہت سے بدھ اور ان سے متعلقہ ہستیاں موجود ہیں۔ اپنے ارتقا کے چند کلیدی مراحل طے کرنے کے بعد یہ عقیدہ "تری کایا" کی شکل میں کمال تک پہنچا۔ اس تصور کے مطابق بدھ کی تین صورتیں ہیں۔

بدھ کے روپ

اوپر بیان کردہ عقیدہ کے رو سے بدھ کی پہلی شکل صورت "دھرم کایا" ہے۔ اس حیثیت میں وہ "حقیقت اعلیٰ" کا مترادف ہے اور مختلف صورتوں میں تمام بدھ دراصل اسی "جوہر بدھ" کے مختلف مظاہر ہیں۔ بدھ کی دوسری صورت "سمبھوگھ کایا" ہے، اس میں "روح بدھ" ملکوتی دنیا کی ہدایت کے لیے مخصوص نورانی بدھاؤں کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ بدھ کی تیسری صورت "نرمان کایا" ہے جو ان آسمانی اور نورانی بدھوں کا اس مادی دنیا میں ظہور ہے جو بظاہر ایک مادہ جسم کی صورت میں ہوتا ہے۔

بدھاؤں کے اس سلسلے میں گوتم بدھ کی تاریخی شخصیت دھندلا گئی اور تھیروادی تعلیمات یا ابتدائی بدھ مت کے تصورات کے برعکس مہایانیوں کے ہاں بدھ ایک مقدس ملکوتی ہستی بن گیا جس کی مختلف صورتوں کی مورتیاں پرستش کے لائق بھی ٹھہریں۔

بودھی ستو کا تصور

مہایان نے مزید آگے بڑھتے ہوئے ایسی مقدس ہستیوں کے تصور کو بھی فروغ دیا جو بدھاؤں کی جانشین اور روحانی اولاد ہونے کی حیثیت سے مخلوقات کی رہنمائی اور دست گیری کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتی ہیں ایسی ہستیاں تھیروادی عقائد میں بودھی ستو کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ مختلف آسمانی بدھاؤں کے ساتھ ساتھ ان ملکوتی بودھی ستوؤں کی پرستش بھی مہایانی پیروکاروں کی مقبول ترین عبادت ہے۔

حصول برکات وفیوض کا تصور

ابتدائی بدھ مت نے واضح طور پر نروان کے حصول کو ہر انسان کی ذاتی سعی پر منحصر کیا تھا، لیکن مہایان نے اس سلسلہ میں انقلابی قدم اٹھایا اور یہ تصور پیش کر دیا کہ متعدد بدھوں اور بودھی ستوؤں نے اپنی متعدد زندگیوں کے دوران نیکیوں کا ایک لامحدود خزانہ جمع کر رکھا ہے اور وہ اس کی مدد سے تمام مخلوقات کو نجات دلا سکتے ہیں۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ان ہستیوں کی پرستش سے جو برکات وفیوض حاصل ہوں گے وہ یقیناً نجات کے حصول میں سہارا بنیں گے لہٰذا اس تصور نے مہایان فرقہ میں عقیدت مندی، عبادات اور مورتی پوجا کے رواج کو مزید مستحکم کر دیا۔ مہایانی پیروکار

سمجھتے ہیں کہ ان مقدس ہستیوں کی عقیدت اور پوجا کی وجہ سے ہر متنفس آخر کار حصولِ نروان کی منزل تک ضرور جا پہنچے گا کیونکہ مہایانی تعلیمات کے مطابق بودھی ستوؤں نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ تمام عالم کو "مقام بدھ" تک پہنچانے کے بعد ہی خود اس میں داخل ہوں گے۔

مہایان کا فلسفیانہ ارتقا

فلسفیانہ اعتبار سے بھی مہایان نے ابتدائی بدھ مت اور تھیرواد کی فکری حدود سے بہت آگے تک پرواز کی اور اپنے ارتقا کے دوران بدھ فلسفہ کے مختلف مکتب فکر قائم کیے۔ ان میں سب سے اہم مدھیامک مکتب فکر ہے جس کے تصورات مہایان کے بنیادی فلسفہ بن گئے۔

مہایانی عقائد کی نمایاں خصوصیات

مہایان فرقہ بدھ مت کی بنیادی تعلیمات کی تردید کیے بغیر نئی تشریحات و تعبیرات کے حق میں ہے۔ یہ مکتب فکر فلسفیانہ اور مذہبی ارتقائی عمل پر کسی طرح کی پابندی قبول نہیں کرتا، وسیع المشرب اور آزاد خیال ہے۔ مہایانی عقائد تھیرواد کی ضوابط کی طرح جلد اور مقلدانہ نہیں ہیں۔ اس مکتب فکر میں وسعت نظری اور کشادہ قلبی ہے یہ حصول نجات کے عمل کو مخصوص لوگوں کے لیے ہی قابل حصول قرار نہیں دیتا بلکہ تمام مخلوقات کو نجات پالینے کا اہل خیال کرتا ہے۔

اس مذہب کے مطابق زندگی کا مقصد نروان کی تلاش ہے اور دائرۂ تکالیف سے نجات ہے۔ اس کی کھوج میں کئی نیک افراد اپنی زندگی گزارتے ہیں تاکہ وہ خود بدھ بن سکیں۔ بودھ بننے کے بعد ان افراد کا فرض اور مقصد اور لوگوں کو انتیہ کا احساس دلانا ہے۔ ان افراد کو "بودھی ستوا" کہتے ہیں۔ یہ نروان حاصل کرسکتے ہیں لیکن گوتم بدھ کی طرح اپنے نروان کی قربانی دے کر وہ اوروں کو نروان کے راستے پر چلاتے ہیں۔ اس مذہب کے پیروکار تبت، منگولیا، کوریا، جاپان، ویتنام اور چین میں پائے جاتے ہیں۔

تھیرواد

اس مذہب کے مطابق زندگی کا مقصد نروان حاصل کرنا ہے۔ اس لیے انسان کی بہترین شکل "ارہٹ" کی شکل ہوتی ہے۔ چونکہ نروان زندگی اور موت سے بعید ایک اور ہی حالت ہوتی ہے۔ ہر انسان کی کھوج نروان کے لیے ہونی چاہیے۔ سری لنکا، تھائی لینڈ، لاؤس، برما اور کمبوڈیا میں اس مذہب کے پیروکار پائے جاتے ہیں۔

عقیدے کی تفصیل

دیندار کی منزل مقصود یہ ہے کہ وہ وجود کی قید سے نکل کر راہاراحت عدم وجود (نروان) میں پہنچ جائے۔ فرد ایسے عناصر سے بنا ہے جو اس سے پہلی موجود تھے اور جو اس کے مرنے کے بعد منتشر ہو جائیں گے۔ اور جو دوبارہ تقریباً اسی شکل میں مرتب کیے جاسکتے ہیں۔ آدمی اسی آواگون کے چکر سے نکلنے کے لئے مذہبی زندگی کے ذریعے کوشش کرتا ہے۔

بدھ مت کو اسلام کی دعوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے ایک رہنما ہے جو اسلامی روحانیت سیکھنا چاہتے ہیں اور مسلم مبلغین جو بدھ مت کے پیروکاروں کو دین اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بدھ مت کی بنیادی اخلاقی وروحانی تعلیمات جنہیں وہ قدرِ مشترک سمجھتے ہیں، ان سے کہیں بلند، مکمل اور بہتر انداز میں وہی تعلیمات دین اسلام میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ ایسے حقائق ورہنمائیاں بھی اسلام میں پائی جاتی ہیں جو بدھ مت میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ کتاب کا مرکزی محور یہ ہے کہ ان قدرِ مشترک نکات کو بنیاد بنا کر بدھ مت کے ماننے والوں کو حکمت، شفقت اور فہم وبصیرت کے ساتھ اسلام کی طرف راغب کیا جاسکتا ہے۔

عقیدہ:

نروان حاصل کرو۔ روح رہے گی جسم ختم ہو جائے گا۔

خدا، یا کسی اعلیٰ طاقت پر یقین نہیں ہے بلکہ نفس پر محنت ہے۔ یہ ان کا مذہب ہے۔

ان کا فلسفہ ہے کہ دکھ، غم اور پریشانیوں کی وجوہات دنیا طلبی، نفسانی خواہش، سہولتوں کی تلاش اور برتری کا جذبہ ہے۔ لہذا ان سے نجات کے لیے اپنے نفس کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کرنا۔ اخلاقیات، انسانی احترام، روحانیت، مراقبہ، ذکر واذکار، زہد، نفس امارہ پر فتح (لالچ، ہویٰ، ہوس، شہوات سے پاک ہونا) اور عدم تشدد کی صفات اختیار کی جائیں۔

تاریخ وجغرافیہ:

2025ء کے اعداد وشمار کے مطابق بدھ مذہب سے وابستہ افراد کی آبادی کا تخمینہ 34 کروڑ ہے۔

بدھ کا مطلب: دانا، بیدار ضمیر، روشن خیال۔

گوتم بدھ حضرت عیسی علیہ السلام سے تقریبا پانچ سو سال قبل آئے۔ نیپال کے گاؤں میں پیدا ہوئے، شاہی خاندان سے تعلق تھا اور جنگل میں جاکر رہبانیت اختیار کی۔

بعض لوگوں کے خیال میں یہ نبی کی قبیل میں سے تھے۔ صرف اخلاق اور ادب کی تعلیم ہوتی تھی۔ نہ تو مقدس کتاب لکھی نہ مذہب کی تدوین کی۔ جب دنیا سے چلے گئے تو بعد میں ان کے ملفوظات لکھے گئے۔ تین سو سال زبانی تعلیم ہوئی اور اس کے بعد کتابوں کی تدوین شروع ہوئی۔ کتابوں کے بعد فرقے بن گئے۔ سیاح اور ہندو بادشاہوں نے اس مذہب کی نشرواشاعت میں بڑا کردار ادا کیا۔ تھائی لینڈ کے ایک بادشاہ 26 سال تک بدھ راہب تھے۔

یہ مذہب شروع مشرق سے ہوا اور مغرب تک پھیل گیا۔ دوصدی پہلے 1907ء میں برطانیہ میں بدھ سوسائٹی قائم ہوئی۔ 1879ء میں ایڈون آرنلڈ نے بدھ مت پر انگریزی زبان میں ایک کتاب ***The light of asia*** لکھی۔

بدھ مذہب کی اصل کتاب لانا ناممکن ہے۔ بدھ مذہب میں جو تحریف ہوئی ہے اس کا حل ہے کہ اسلام کا مطالعہ کریں اس پر عمل کریں تو نجات ملے گی۔

دین اسلام کی اصل تعلیمات ہمارے پاس محفوظ ہیں، قرآن پاک کی آیات جیسے ہی نازل ہوتی تھیں آپ ﷺ اس کے پہلے حافظ تھے۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی اور انہوں نے وہ آیتیں یاد کیں پھر آپ ﷺ نے کاتبین وحی کو بلایا اور انہوں نے وہ آیتیں لکھ لیں (جو اس زمانے میں لکھنے کے طریقے تھے یعنی لکڑی پر، چمڑے کے ٹکڑوں پر اور ہڈیوں پر)۔ قرآن پاک پہلے دن سے حفظ کیا گیا اور لکھا گیا۔ یہ خصوصیت کسی اور مذہب کی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی۔

Quran Word of God https://www.youtube.com/watch?v=UCz9GiNBZQU

دعوت کا طریقہ:

- اول و آخر میں توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بڑائی کسی بھی مذہب کے آدمی کے لیے فائدہ مند اور ضروری ہے
- دنیا بھر کے دانشور لوگوں نے اسلام سے متعلق جو اچھی باتیں کی ہیں وہ ان کے سامنے پیش کی جائیں۔
- تالیف قلب کے لیے ان باتوں پر غور کیا جائے:
  - بدھ مذہب کی اچھی صفات اور کمالات - زہد، سادگی، رحم دلی اور روحانیت، یہ اسلام میں بہترین اور مستند طریق سے موجود ہیں۔
  - بدھ مذہب میں ان چیزوں کی کمی ہے: توحید، رسالت، آخرت۔ چونکہ ان کے عقائد و اعمال میں غلطیاں، تحریف اور کمی ہو گئی ہے اس لیے مستند اور مدلل عقائد کو وہ اسلام سے لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور حضرت محمد ﷺ کے مکمل دین پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔

مشترک مذہبی خصوصیات:

(1) **زھد، توکل اور سادگی:** انبیاء علیہم السلام کے قصے، حیات الصحابہ اور حکایات اولیاء

(۲) رحم دلی، انسانوں کی خیر خواہی، خدمت اور اکرام سیرت پاک، صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام کے واقعات

ارْحموا مَنْ في الأرض يرحمكم من في السماء (ترمذی) زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

(۳) ریاضت اور مجاہدے سے روحانی کمالات:

اسلامی تصوف، احسان، تزکیہ، ادب، مراقبے، اذکار، یہ پوری سائنس ہمارے مذہب میں موجود ہے اور عمل میں ہے۔ مجاہدے سے روحانی ترقی اور جو صفات مطلوب ہیں وہ سب احسن ہیں اور ہمارے بزرگوں کے پاس بھی موجود ہیں۔ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ہاں یہ سارے طریق معروف ہیں۔ البتہ بدھ مذہب میں ان صفات کو حاصل کرنے کے لیے رہبانیت اور دوسرے لوگوں سے ضرورت کے لیے بھیک مانگنا وغیرہ جیسے طریقے اختیار کیے گئے ہیں اس کے برعکس ہمارے یہاں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق میں بیک وقت کمال حاصل کیا جاتا ہے، جیسے: خلفائے راشدین بیک وقت ایک عالم، مفتی، مسجد کے امام اور اسی طرح اللہ کے راستے میں وہ دین کی محنت کرتے تھے اور اسی کے

ساتھ وہ پکے زاہد، صوفی اور اولیاء اللہ تھے، تصوف کی بلندیوں پر تھے۔ صفائی معاملات، عدالت، معاشرت اور حقوق و فرائض، ہر شعبے کا انتظام کرتے ہوئے بیک وقت وہ پانچ دس میدانوں کے شہ سوار تھے!

ہر قوم، جغرافیے اور علاقے میں مصلح، روحانی معلم اور استاد آئے

﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾(سورۃ الفاطر:۲۴)

ترجمہ:

ہم نے تمہیں حق بات دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم خوشخبری دو اور خبر دار کرو، اور کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی خبر دار کرنے والا نہ آیا ہو۔ (آسان ترجمہ قرآن سورہ فاطر آیت نمبر 24)

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾(سورۃ الرعد:۷)

ترجمہ:

اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: بھلا ان پر (یعنی آنحضرت (ﷺ) پر) ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ (اے پیغمبر ﷺ) بات یہ ہے کہ تم تو صرف خطرے سے ہوشیار کرنے والے ہو، اور ہر قوم کے لیے کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہوا ہے جو ہدایت کا راستہ دکھائے۔ (آسان ترجمۂ قرآن سورہ الرعد آیت نمبر 7)

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾(سورۃ ابراہیم:۴)

ترجمہ:

اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا، خود اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے۔ پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دے دیتا ہے۔ اور وہی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل۔ (آسان ترجمۂ قرآن: سورہ ابراھیم آیت نمبر 4)

ہر قوم جغرافیے اور علاقے میں جب کبھی کوئی مصلح، روحانی معلم اور استاد آئے ہیں تو ان کی تربیت کا ایک دور ایسا گزرا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبوت کا منصب ملنے سے پہلے اپنی قوم کی بت پرستی سے بیزار ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے نکل کر مدین چلے گئے اور حضور اکرم ﷺ غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں جا کر خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

اسی طرح گوتم بدھ بھی ایک درخت کے نیچے چلے گئے اور وہاں جا کر خلوت نشینی اختیار کی۔

مراقبہ:

مغرب میں مراقبے کا تصور بدھ مذہب سے لیا گیا ہے۔ مختلف رسوم، مراقبے اور اعمال ایسے ہیں کہ جو سکون کے لیے کیے جاتے ہیں تو سکون حاصل ہو جاتا ہے، لیکن کیا اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوئی؟

اسلام میں یہ ہے کہ سکون اور راحت اللہ کی یاد، نمازوں کی ادائیگی میں ہے۔ اسلام میں نماز کے فضائل، تقویٰ، مراقبہ، اللہ کا دھیان، دوسروں پر رحم، روحانی ترقی کے لیے پورا نظام موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر ہمارے پاس انبیاء کا لایا ہوا نظام ہے جو اللہ کے منتخب انسان ہوتے تھے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ خوب سمجھ لیں کہ دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے۔	
Zikr cards	Names of allah
https://tinyurl.com/25dt5vf3	http://islameasy.org/99-Names-of-allah.php

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خلق قرآن تھا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر لمحہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے۔

Faith increases happiness https://mercy4humanity.org/Faith-happiness

خدائی نظام:

بدھ مذہب میں اللہ کی توحید کا تصور نہیں ہے۔ ان کے ہاں یہ تصور ہے کہ خواہشات پر قابو پاؤ تو غم ختم ہو جائیں گے۔

اسلام کی جامع تعلیم میں توحید ہے:

Creator of Universe https://www.youtube.com/watch?v=Yqoo1zVetm0

allah https://www.youtube.com/watch?v=X3aHW0flKDw

توکل کے ساتھ مشکلات پر صبر ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورة البقرة: ١٥٥)

ترجمہ:

اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے اور (کبھی) بھوک سے (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں ان کو خوشخبری سنا دو۔ (آسان ترجمہ قرآن: سورہ البقرۃ آیت نمبر 155)

بادشاہ ہو کہ فقیر، غم کا آنا ضروری ہے۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق ایک شخص جس کی زندگی مصیبتوں اور مشقتوں میں گزری تو قیامت کے دن اس کو جنت کی ایک جھلک دکھلائی جائے گی اور پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا دنیا میں کوئی غم دیکھا تو وہ قسم کھا کر کہے گا کہ میں نے کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔

Everlasting beauty https://mercy4humanity.org/everlasting beauty

آخرت کا صحیح تصور:

آخرت کا صحیح تصور بدھ مذہب میں موجود نہیں ہے۔ ان کے ہاں یہ عقیدہ ہے کہ روح پر ایسی محنت کرو کہ نروان مل جائے۔ جبکہ ہمارے ہاں آخرت کا تصور ہے، جزا و سزا کا نظام ہے۔ ایک ایسی ذات موجود ہے جو ہر چیز دیکھتی ہے اور اس کے ہاں تمام حساب کتاب ہو گا، کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں ہو گی اور کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر ظلم نہیں ہو گا۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾(سورہ ق:۱۸)

ترجمہ:

انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار۔(آسان ترجمۂ قرآن : سورہ ق آیت نمبر 18)

﴿وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾(سورہ التکویر :۱۰)

ترجمہ:

اور جب اعمال نامے کھول دئے جائیں گے۔(آسان ترجمۂ قرآن : سورہ التکویر :۱۰)

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾(سورہ الزلزال:۴)

ترجمہ:

اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتادے گی۔(آسان ترجمۂ قرآن: سورہ الزلزال آیت نمبر 4)

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾(سورہ یٰس :۶۵)

ترجمہ:

آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے، اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے، اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کمائی کیا کرتے تھے۔
(آسان ترجمۂ قرآن :سورہ یٰس آیت نمبر 65)

خالق کائنات سے رابطہ:

نروان کو حاصل کرنے کے لیے اسلام میں یہ کامل تصور موجود ہے۔
کیا کوئی ایسی ہستی ہے جس سے ہم بات کر سکیں؟ ہاں ایسی ذات ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾(سورۃ البقرۃ:۱۸۶)

ترجمہ:

اور (اے پیغمبر) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، لہذا وہ بھی میری بات دل سے قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، تا کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔(آسان ترجمۂ قرآن:سورہ البقرۃ آیت نمبر 186)

صلہ رحمی، حسن خلق:

حضور ﷺ نے فرمایا:

"صِلْ من قطعك، واعف عمن ظلمك"، واحسن إلى من اساء إليك "

یعنی جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو۔ اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو اور جو تمھارے ساتھ برا معاملہ کرے تم اس کے ساتھ بہترین معاملہ کرو۔

حدیث میں ہے کہ جو آدمی حق پر ہو اور جھگڑا چھوڑ دے تو ایسے شخص کے لیے جنت میں محل ہے۔

سب سے پہلا درجہ عدل ہے یعنی جس قدر زیادتی ہوئی ہے اس کے بقدر بدلہ لیا جائے۔

دوسرا درجہ "عفو" کا ہے یعنی زیادتی کا بدلہ نہ لیا جائے بلکہ معاف کر دیا جائے۔

تیسرا درجہ "احسان" ہے یعنی بدلہ نہ لیا جائے، معاف کیا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر برائی کرنے والے کے ساتھ حسن سلوک اور اچھائی کا معاملہ کیا جائے۔

Noble Character https://mercy4humanity.org/ideal-human-manners

سادگی، روحانیت اور زہد کی بہت اعلیٰ تعلیم اسلام میں ہے:

تم جس زہد و سادگی کی تلاش میں ہو ہمارے پاس یہ نظام مکمل اور کامل موجود ہے۔

حضور ﷺ نے سادگی کے ساتھ اعلیٰ مقاصد پانے کی تعلیم دی اور اعلیٰ مقاصد سادگی کے ساتھ حاصل کر کے دکھائے۔

- مشکوٰۃ شریف میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا! "تم ناز و نعمت کی زندگی (یعنی مزے اڑانے سے بچتے رہو کیونکہ اللہ کے (نیک) بندے ناز و نعمت میں زندگی نہیں بسر کرتے۔"
- رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اے عائشہ اگر تم (آخرت یعنی جنت میں) میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اتنی دنیا تمہارے لیے کافی ہونی چاہیے جتنا سامان کسی مسافر کے پاس ہوتا ہے۔ اور خبردار مالداروں کے پاس مت بیٹھنا، اور کپڑا پرانا ہو جائے تو اسے مت اتار پھینکو بلکہ پیوند لگا کر پہنو" (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اضافی لباس تھا اور اس ایک جوڑے میں پورے شہر کی شادیاں ہو جاتی تھیں۔

- روز قیامت کافروں سے کہا جائے گا:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ (سورۃ الاحقاف:۲۰)

ترجمہ:

اور اس دن کو یاد کرو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں اور ان سے خوب مزہ لے لیا، لہٰذا آج تمہیں بدلے میں ذلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے۔ (آسان ترجمۂ قرآن: سورہ الاحقاف آیت نمبر 20)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کے پاس تشریف لے جاتے اور جا کر ان کے اَحوال معلوم کرتے تھے کہ آیا سرداری اور گورنری کی وجہ سے ان کے مزاج میں سادگی برقرار ہے یا وہ ناز و نعمت میں مبتلا ہو گئے ہیں لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ حضرت اَبو عبیدہ بن جراح اور حضرت اَبو درداء رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور ان حضرات کی سادگی قناعت، زہد اور رہن سہن دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوا۔ اسی طرح کی یہ سادگی مسلم حکمرانوں اور سلاطین میں بھی رہی جیسا کہ معلوم ہے کی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ پر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی انھیں حج ادا کرنے کا موقعہ ملا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے اور آپ کا دفتر درخت کے نیچے لگتا تھا، لہذا یہ بات ذہن میں بٹھالی جائے محنت ریاضت اور سادگی سے دین اور دنیا میں اعلیٰ درجے ملتے ہیں اور کمال حاصل ہوتا ہے۔

شاعر کا کہنا ہے: ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آجا، اب تو خلوت ہو گئی

بدھ مت والے ڈاکٹر عائض القرنی کی کتاب "لا تحزن" پڑھیں (اردو ترجمہ "غم نہ کریں")۔ پیغمبر اسلام کی تعلیمات کے مطابق دیندار فقیر قیامت کے دن وی آئی پی VIP شخصیت ہو گا اور مالداروں سے 5 سو سال پہلے جنت جائے گا۔

انسان ایسی دنیا سے دل لگا بیٹھا جس کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اگر اس دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ تعالی کبھی کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نصیب نہ کرتا۔ جو آدمی دنیا کے اسباب و اشیاء کا لالچی ہو تو وہ آسمان والوں کی نظر میں ذلیل ہو جاتا ہے۔

داعی کو یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ غربت، فقر، رشتہ داروں کی ناراضگی، جادو سے واسطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پڑا تھا اور داعی کو بھی پڑے گا۔ لہذا داعی پہلے سے تیار رہے اور اللہ تعالی سے مدد مانگے۔ چونکہ مسلمان دنیا میں مشغول ہو گئے ہیں اس لیے دعوت کا کام نہیں ہو رہا اور دنیا میں دین اسلام نہیں پھیل رہا جیسا کہ پھیلنے کا حق ہے.

مشرق و مغرب کا اتحاد اسلام میں:

عیسی علیہ السلام سے ساڑھے چار سو سال پہلے بدھ مذہب کی تحریک چلی جس پر تمام مشرق جمع ہو گیا، پھر مغرب میں تمام تحریکوں کا اتحاد ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ہستی کو بھیجا جس نے مشرق و مغرب کے فرق کو ختم کر کے سب کو ایک ہی مرکز پر جمع کر دیا! اس وجہ سے بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مغرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب تھے، اسی طرح گوتم بدھ مشرق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب تھے۔ لہذا جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے تمام سابقہ ملتوں اور شرائع کو ختم کر دیا۔

رحمۃ للعالمین، رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دانشوروں اور تاریخ دانوں کے خیالات

https://islameasy.org/pdf/Prophet_of_Mercy.pdf

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، حلم، عفو، احسان کے واقعات پڑھئے۔ سخت برتاؤ نہیں، لعنت نہیں کرتے، بد دعا نہیں کرتے

حقیقی روحانیت کے درجات

کائنات کے غیر محدود کمالات دراصل حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے مختلف مدارج و تجلیات ہیں۔ انسان اللہ تعالی کا خلیفہ ہے، لہذا اس پر ذمہ داری ڈالی گئی۔

ہر انسان اپنے اختیار کی تصحیح کیلئے اپنے ناقص علوم کے بجائے اللہ کے کامل محیط علم کا محتاج ہوا ہے، تکلیف و تشریع کا قانون (نبوت)-بلند ترین فطرت والے نفوس (انبیاء علیہم السلام) براہ راست اللہ تعالی کے شاگرد بن کر علم پائے اور ان کے واسطے سے امت خدائی تعلیم پا کر اپنے اختیارات کے حدود پہچانتی اور عمل کرتی ہے۔

(جذبہ امانت) انسان اپنی مرضی نہ چلائے، اعمال و افعال میں خالق کی مرضی کا پابند (دین).

. انسان کے پیچھے خواہشات کا ایسا لشکر لگا جس نے اس کی شرافت کو ملیامیٹ کر دیا۔

خواہش کی مثال جنگل کی آگ ھویٰ اور ھُدیٰ کا مقابلہ، خیر و شر کی صلاحیت

۔ نفس کو چھوڑ دو اور آ جاؤ(معرفت) ایک قدم نفس پر دوسرا قدم جنت میں

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (٤٠) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى﴾(سورہ النّٰزِعٰتِ ۴۱-۴۰)

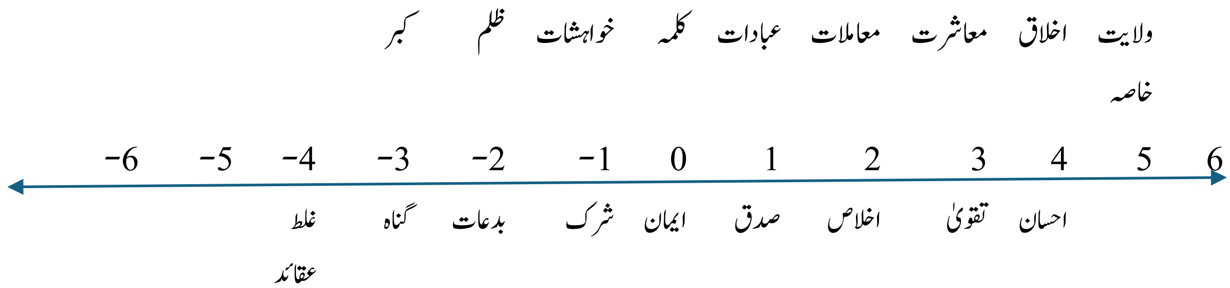
ترجمہ:

"لیکن وہ جو اپنے پرورد گار کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا تھا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا تھا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہو گی۔"(آسان ترجمۂ قرآن: سورہ النّٰزِعٰتِ آیت نمبر 40-41)

غفلت سے نکل کر اللہ کا ولی بننا

توبہ کی سواری ہے، اسفل سافلین سے خیر البریۃ تک (Darkness to Light) دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔

اخلاق، معاشرت، معاملات، عبادات، ایمان	شرک، بدعات، گناہ، غلط عقائد
ولایت خاصہ: احسان، تقویٰ، اخلاص، صدق	خواہشات: ظلم، کبر



رسول اللہ ﷺ ہر لحہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے ذکر، مراقبہ، دعا، دعوت، تعلیم، مسنون دعائیں جو بھی صورت ہوتی اس کی تفسیر، سیرت کی کتابوں میں ہیں۔ رسول ﷺ کا بستر کہیں ٹاٹ، بوریا، (canvas) کا ٹکڑا۔ کبھی چٹائی کے نشان بدن پر، کبھی مہینوں گھر میں کھانا پکانے کی آگ نہیں جلتی۔ غربت، فاقہ، رشتہ داروں کا بائیکاٹ، جلاوطنی، جنگ، جادو، بیماری۔۔ ہر حال سے گزرے مگر دین کی عظیم الشان محنت فرماگئے۔ آپ ﷺ کے نکاح ولیمے نہایت سادگی سے ہوئے۔(علیکم بسنتی کتابچے کا مطالعہ کریں)۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ برسہابرس خلوت میں رہے، پھر اللہ نے ان سے دین کا کام لیا۔ شیخ موسی روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نابینا بزرگ کا قصہ لکھا ہے جو 30 سال تک ایک غار میں اکیلے رہے اور ایک پرندہ ان کی خدمت کرتا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نوجوانی میں برسہابرس اپنے شیخ کے ساتھ سفر میں رہے۔ شیخ موسی روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی قصے مجاہدے، تصوف، اور روحانیت کے بیان کیے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ صبر، برداشت، حلم اور اخلاق کے زندہ پیکر ہوتے تھے مگر ان کی زندگی یا وفات کے بعد ان کے مجسمے نہیں بنائے جاتے!

ابتدائی کمالات کے لیے تو مسلمان ہونا بھی شرط نہیں ہے، غیر مذاہب والے ابتدائی کمالات میں کھو کر ان کو مقصد سمجھ کر گمراہ ہوئے اور اعلیٰ مقامات توحید اور قرب الٰہی سے محروم رہے!

جب آدمی توجہ، focus اور مراقبہ کرتا ہے اور مجاہدہ (کم بولنا، کم کھانا، کم سونا)، تو اس میں تجلیات قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے، عقل اور فہم تیز ہوتی ہے۔ حکمت اور الہام ہوتا ہے، عجائبات قدرت کھلتے ہیں، زمینی عناصر اور آسمان کے حقائق اس کو سمجھ میں آتے ہیں۔ یہ عالم اجسام کے کمالات ہیں، اس کے اوپر عالم اَمثال کے کمالات ہیں (ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا اور زمین کو جلدی سے طے کر لینا)، اس کے اوپر عالم ارواح کے کمالات ہیں (تصرف، سحر اور جادو) تو یہ کمالات ایسے ہیں کہ بعض اوقات بغیر ایمان اور بغیر تقوٰی والوں کو بھی ان کا راستہ مل جاتا ہے مگر اوپر کا راستہ بند ہے۔

اولیاء کاملین اور عارف باللہ جب ایمان، تقوی، توحید، درست عقیدہ اور رسول ﷺ کے اعمال، اخلاق، اذکار اور مراقبے میں محنت کرتے ہیں، دائمی فکر، مراقبہ، مشاہدہ، معائنہ میں رہتے ہیں، قرب نوافل اور قرب فرائض میں ترقی کرتے ہیں، فنائیت کے درجات کو پہنچتے ہیں تو ان کو اعلی درجے کے کمالات حاصل ہو سکتے ہیں، نہ صرف عالم اجسام، عالم امثال اور عالم ارواح، بلکہ اس کے اوپر عالم اسماء وصفات کے کمالات بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ جس کی تفصیل تصوف کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سیر فی اللہ،	سیر الی اللہ،	سیر السلوک الی ملک الملوک

آدمی جس قدر اپنی صلاحیت و قربانی اور محنت مشقت، انکسار اور ٹوٹ پھوٹ کو اور تعب کو پہنچتا ہے، اتنی اس پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ یہ بزرگوں اور مشائخ کے ملفوظ میں ہے۔

ضمیمہ appendix

1۔ توحید کا تصور اور بدھ مت کے اتحاد سے مماثلت:

گفتگو کا نکتہ: اسلام کا مرکزی عقیدہ توحید یعنی خدا کی مکمل وحدانیت ہے۔ یہ تصور خالق کی وحدت اور انفرادیت پر زور دیتا ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو کنٹرول کرتی ہے۔ اسی طرح بہت سے بدھ فلسفے تمام مخلوقات کی باہمی وابستگی اور اتحاد پر زور دیتے ہیں، مثلاً۔ مثلا پرتیتیا سمتپاد کے اصول کے ذریعے۔

(Dependent Origination | Dependent Co-arising | Paticca Samuppāda | Pratītya samutpāda)

اگرچہ بدھ مت اکثر اس اتحاد کو بغیر کسی ذاتی خدا کے تصور کے بیان کرتا ہے، مسلمان توحید کے ذریعے الہی مقصد اور کائناتی ہم آہنگی کو سمجھنے کا فریم ورک فراہم کرسکتے ہیں۔

کیوں موثر ہے؟

اسلامی توحید اور بدھ مت کی باہمی وابستگی کے فلسفے کے مابین مماثلت واضح کرنے سے حقیقت اور آخری سچائی پر با معنی گفتگو کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ کھلے ذہن کے بدھ مت کے پیروکار توحید کی گہرائی میں اپنی فکر کی تکمیل پا سکتے ہیں۔

2۔ مائنڈ فلنس، رحم دلی اور خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا:

گفتگو کا نکتہ: مائنڈ فلنس (Mindfulness or "Sati) اور رحم دلی(compassion کرونا Karuna)بدھ مت کی مشقوں کے بنیادی اجزاء ہیں، جن کا مقصد اندرونی سکون حاصل کرنا اور تکلیف کم کرنا ہے۔ اسلام میں یہی اقدار تقویٰ (خدا شعوری)، صبر اور رحمت کی صورت میں موجود ہیں۔ مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ حقیقی شعور خدا کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے، ہر لمحے اس کی حکمت تسلیم کرنے اور دوسروں سے شفقت اور عاجزی کے ساتھ پیش آنے میں ہے۔

کیوں مؤثر ہے؟

مشترکہ اخلاقی اہداف کو اجاگر کرنے سے خدا کے سامنے تسلیم کو آزادی کے ضیاع کے بجائے گہری بیداری اور تکمیل کی راہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے بدھ مت کے پیروکار ایسی مشقوں کو اہمیت دیتے ہیں جو نفس کو کم کر کے روحانی ترقی بڑھاتی ہیں۔ اسلام کو انہی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا کر پیش کرنے سے گہرا اثر پیدا ہو سکتا ہے۔

3۔ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اسلام انسانیت کی رہنمائی کے پیغام کو مکمل کرتا ہے

گفتگو کا نکتہ: بدھ مت میں روشن ضمیر افراد (مثلاً بدھ) کی پیروی کو اہمیت دی جاتی ہے جو انسانیت کے لیے شفقت کے باعث رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح اسلام انبیاء علیہم السلام کو بہت اہمیت دیتا ہے جن میں آدم و نوح، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام خدا کی طرف سے سچائی اور نیکی کی جانب رہنمائی کرنے کے لیے مبعوث ہوئے۔ قرآن انبیاء علیہم السلام کو تمام تمام جہانوں کے لیے رحمت (قرآن 21:107) قرار دیتا ہے جو بدھ مت کے روشن ضمیر شخصیات کے شفقت آمیز کردار سے مماثلت رکھتا ہے۔

Prophet & Ideal Human Manners https://mercy4humanity.org/ideal-human-manners/

کیوں موثر ہے؟

نبوت کو انسان کے شعوری سفر کے تسلسل کے طور پر پیش کرنے سے یہ بدھ مت کے مانوس تصورات میں ڈھل جاتا ہے۔ اس طرح بدھ مت کو رد کیے بغیر اس بات کو اجاگر کیا جا سکتا ہے کہ اسلام انسانیت کی رہنمائی کے پیغام کو مکمل کرتا ہے۔

جزاء الاعمال

گناہ کے نقصانات	نیکی کے فائدے
☆ علم اور باطنی نور سے محرومی	☆ رزق بڑھ جاتا ہے
☆ رزق میں کمی	☆ برکتیں نازل
☆ اللہ سے وحشت ہو جاتی ہے	☆ پریشانیاں دور

☆نیک لوگوں سے وحشت	☆کام آسان
☆دل اور جسم کمزور	☆پاکیزہ زندگی
☆ ...دل,چہرہ اور آنکھیں تاریک بے رونق	☆مال اور اولاد میں اضافہ,برکت
☆ نیکیوں سے محرومی	☆بلاؤں سے حفاظت
☆عمر میں بے برکتی	☆عزت سربلندی
☆نیکیوں کی توفیق چھن جانا	☆شکر سے نعمت میں اضافہ
☆اللہ کے دشمنوں کی مشابہت	☆خیرات سے مال بڑھنا
☆دربار الٰہی میں بے قیمت	☆اگلی نسل اور اولاد کو بھی نفع ہوگا
☆عقل میں فساد	☆موت سے قبل بشارتیں
☆رسول ﷺ کی لعنت کا مستحق	☆مرتے وقت فرشتے نازل خوشخبریاں
☆فرشتوں کی دعاؤں سے محروم	☆کاموں میں مدد کی جائے گی
☆خشکی اور تری علی اور تری میں فساد	☆اس کے تمام کام اللہ اپنی ذمہ داری میں لیں گے
☆شرم وحیا، غیرت ختم ہو جاتی ہے	☆غضب الٰہی سے بچاؤ
☆اللہ کی عظمت دل سے نکل جاتی ہے	☆عمر میں برکت
☆نعمتیں چھن جاتی ہیں	☆حاجتیں پوری
☆بلاؤں کا ہجوم ہو جاتا ہے	☆ . بیماری اور فقر وفاقہ سے بچاؤ
☆شیاطین مسلط ہو جاتے	☆ تھوڑے میں برکت
☆اطمینان قلب جاتا رہتا ہے (ڈپریشن)	☆فکریں دور
☆مرتے وقت کلمہ سے محروم	☆سحر جادو سے بچاؤ
☆اللہ کی رحمت سے ناامید	[جزاء الاعمال (حکیم الامت) سے ماخوذ]

یہ زندگی مسلسل امتحان ہے

- تقویٰ کا۔ ہر گناہ اور شک وشبہ کی چیز سے بھاگنا، توبہ استغفار
- معاملات کی صفائی کا۔ کسی کا حق نہ رہ جائے، ہر کام سچائی اور شریعت کے مطابق۔
- دل کی صفائی کا۔ تزکیہ نفس، فرشتوں کی صفات پانا، شیطان اور نفس سے بچاؤ
- کوالٹی کنٹرول۔ بہترین عمل، بہترین نیست، بہترین طریقے سے
- انسان اپنے نفس کی غلامی سے نکل کر ایک اللہ کی بندگی پر آجائے
- فخر وغرور اور تکبر سے پاک ہو کر حقیقی تواضع، انکساری کے راستے پر آجائے

- خواہشات اور لہو ولعب سے پاک ہو کر قربانی، مجاہدے اور تقاضے پر آجائے
- گناہ اور نافرمانی سے پاک ہو کر تقوی اور پاکیزگی کے راستے پر آجائے۔
- غفلت، جہالت اور گمراہی سے پاک، ہدایت اور پابندی اوقات کے راستے پر آجائے۔
- خودغرضی اور انانیت سے پاک، مخلوق کی خدمت اور دعوت کے راستے پر آجائے۔

☆ انسان اپنے امتحان سے غافل ہو کر چیزیں جمع کرنے، مخلوق سے حسد، فخر وغرور یا رنج وغم میں پھنس گیا اور ساری توانائی اور قیمتی وقت کو دنیا کی محبت میں ضائع کر دیا۔

☆ دنیا کے اسباب اور چیزیں امتحان کے لئے ہیں، اطمینان کے لئے نہیں۔ چیزیں موجود ہوں یا غائب، کم ہوں یا زیادہ، ان چیزوں میں انسان کی کامیابی نہیں بلکہ اللہ کی ذات اور صفات پر کامل یقین اور سنت طریقوں میں کامیابی ہے۔ حالات، واقعات، مخلوق کی خواہشات اور چیزوں کی چھینا جھپٹی سے متاثر ہونے کے بجائے زندگی کے اعلیٰ مقاصد پر توجہ دیں۔



⑤ *:افریقن ٹرڈیشنل مذہب* African Traditional Religion

اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد تقریباً 100 ملین ہے اور یہ دوسرے بہت سے مذاہب کے ملاپ سے پیدا ہُوا ہے جو ایمان رکھتا ہے روحوں پر، جادو ٹونے پر، اور ادویات وغیرہ پر۔ اس مذہب کے پاس کوئی کتاب نہیں ہے اور اس مذہب کے ماننے والے دُنیا کی کل آبادی کا تقریباً 0.32 فیصد ہیں۔

افریقی روایتی مذاہب

افریقہ کے لوگوں کے عقائد اور مذہبی اعمال نہایت متنوع ہیں اور ان میں مختلف نسلی مذاہب شامل ہیں۔ عموماً یہ روایات تحریری کے بجائے زبانی ہوتی ہیں اور ایک نسل سے دوسری نسل تک کہانیوں، گیتوں، اساطیر اور تہواروں کے ذریعے منتقل کی جاتی ہیں۔ ان میں ارواح، اعلیٰ اور ادنیٰ خداؤں پر ایمان شامل ہوتا ہے، بعض اوقات ایک اعلیٰ ترین ہستی (خالق) کا تصور بھی پایا جاتا ہے، نیز مُردوں (فوت شدہ افراد) کی تعظیم، جادو کا استعمال اور روایتی افریقی طب بھی اس کا حصہ ہیں۔ زیادہ تر مذاہب کو حیوانیت (animism) پر مبنی کہا جا سکتا ہے جن میں تعددِ الٰہ (Polytheism) اور وحدت الوجودی (Pantheism) عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ انسان کا کردار عموماً فطرت اور مافوق الفطرت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا سمجھا جاتا ہے۔

پھیلاؤ اور ابراہیمی مذاہب کے ساتھ اختلاط

افریقہ میں روایتی مذاہب کے ماننے والے 43 ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد ایک اندازے کے مطابق 10 کروڑ سے زیادہ ہے۔

اسلام اور عیسائیت نے بڑی حد تک مقامی افریقی مذاہب کی جگہ لے لی ہے، لیکن اکثر انہیں افریقی ثقافت اور عقائد کے مطابق ڈھال لیا گیا ہے۔

افریقی لوگ اکثر اپنے روایتی عقائد کو ابراہیمی مذاہب کے ساتھ ملا کر عمل کرتے ہیں۔ یہ دونوں مذاہب پورے افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں مگر مختلف علاقوں میں زیادہ غالب ہیں۔

ابراہیمی مذاہب کے عقائد، خصوصاً ایک خدا پر ایمان (توحید)، ابتدائی طور پر افریقی مذاہب میں داخل ہوئے۔ مغربی افریقہ کے مذاہب حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ذاتی تجربات کو روحانی قوتوں کے ذریعے بیان کرتے ہیں، جو معاشرتی نظم کو قائم رکھتی ہیں۔

افریقی روایتی مذاہب کے پیروکار دنیا بھر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ حالیہ دور میں یوروبا، اودینالا (اِگبو مذہب) اور دیگر مذاہب میں اضافہ ہو رہا ہے۔

امریکہ میں خاص طور پر خلیج میکسیکو کے علاقوں میں ووڈو زیادہ پایا جاتا ہے۔

بنیادی عقائد

افریقی روایتی مذاہب کا بنیادی تصور پیچیدہ حیوانی عقائد پر مبنی ہے، جس میں محافظ دیوتاؤں کی عبادت، فطرت کی پرستش، اجداد کی عبادت اور آخرت پر ایمان شامل ہیں۔ بعض مذاہب میں ایک اعلیٰ خالق کے ساتھ دیگر دیوتا بھی ہوتے ہیں جبکہ بعض خالص تعددِ الٰہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

یہ مذاہب ٹوٹم ازم، شمن ازم اور مقدس اشیاء کی تعظیم جیسے عناصر بھی رکھتے ہیں۔

یہ مذاہب بنیادی طور پر زبانی روایات پر قائم ہیں اور ثقافتی شناخت کا حصہ ہیں۔ خاندان، معاشرہ اور ماحول فرد کی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
لوگ اپنے آباء و اجداد کی روحوں کی رہنمائی پر یقین رکھتے ہیں۔
روحانی پیشوا، پجاری اور معالج (healers) معاشرے میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جڑی بوٹیوں اور روحانی طریقوں سے علاج کرتے ہیں اور قسمت کا حال بھی بتاتے ہیں۔

روحوں اور اجداد کا تصور

ان مذاہب میں اجداد کی روحیں زندہ لوگوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ زیادہ تر اجدادی روحیں خیر خواہ سمجھی جاتی ہیں، جبکہ بعض اوقات وہ تنبیہ کے طور پر بیماری کا سبب بھی بنتی ہیں۔
افریقی مذاہب میں روحوں، مافوق الفطرت ہستیوں اور آزاد ارادہ (Free will) کا تصور موجود ہے۔ مرنے کے بعد انسان روحانی دنیا میں موجود رہتا ہے اور دنیا پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

اخلاقیات

اخلاقی اقدار کا تعلق معاشرتی ذمہ داریوں سے ہوتا ہے، جیسے:

- والدین اور بزرگوں کا احترام
- مہمان نوازی
- دیانت داری
- بہادری

کچھ مذاہب میں اخلاقیات کا تعلق خدا کی اطاعت سے بھی جوڑا جاتا ہے۔

رسومات اور عبادات

افریقی مذاہب میں عبادات عموماً اجتماعی تقریبات، رقص، موسیقی اور وجد کی حالت میں ادا کی جاتی ہیں۔ بعض اوقات لوگ روحانی کیفیت میں داخل ہو کر دیوتاؤں یا روحوں سے تعلق قائم کرتے ہیں۔

جادو، فال گیری اور علاج

فال گیری کے مختلف طریقے ہیں، جیسے:

- ہڈیوں یا پتھروں کا استعمال
- لکڑی کے تختے یا زمین پر مخصوص نقش

لوگ رہنمائی کے لیے فال گیر (Diviners) سے رجوع کرتے ہیں۔

فطرت سے تعلق

افریقی مذاہب میں فطرت کا بہت اہم کردار ہے۔ بارش، بجلی، سورج، چاند اور ستارے سب روحانی نظام کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔

ابراہیمی مذاہب کے ساتھ تعلق

افریقی مذاہب کا اسلام اور عیسائیت کے ساتھ مختلف انداز میں تعلق رہا ہے:

- کہیں ہم آہنگی (Syncretism)
- کہیں مقابلہ اور تنازع
- کہیں مکمل انضمام

مذہبی ظلم و ستم

روایتی افریقی مذاہب کے ماننے والوں کو بعض اوقات عیسائی اور مسلم گروہوں کی طرف سے ظلم، جبری تبدیلی مذہب اور امتیاز کا سامنا کرنا پڑا۔

سائنسی نقطۂ نظر

افریقی روایتی نقطۂ نظر میں مذہب اور سائنس الگ نہیں بلکہ جڑے ہوئے سمجھے جاتے ہیں۔ فطرت اور روحانیت کو ایک دوسرے کا حصہ سمجھا جاتا ہے، اور مختلف دیوتاؤں کو قدرتی عمل کا نگران تصور کیا جاتا ہے۔

افریقی ممالک میں اسلام کی دعوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افریقی روایتی مذاہب اور اسلام کا تقابلی جائزہ (دعوتی انداز میں)

افریقہ کے روایتی مذاہب ایک قدیم مذہبی نظام کی نمائندگی کرتے ہیں جو صدیوں سے زبانی روایات، رسوم و رواج، اور ثقافتی اقدار کے ذریعے منتقل ہوتے آئے ہیں۔ ان مذاہب میں انسان، فطرت اور روحانیت کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ تاہم، جب ان کا تقابل اسلام سے کیا جاتا ہے تو کئی بنیادی فرق اور بعض مشترکہ پہلو سامنے آتے ہیں، جو دعوتِ اسلام کے لیے ایک اہم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

1۔ خدا کا تصور (Concept of God)

افریقی روایتی مذاہب میں عام طور پر کئی خداؤں، روحوں اور مافوق الفطرت ہستیوں پر ایمان پایا جاتا ہے، اگرچہ بعض میں ایک اعلیٰ ترین ہستی (Supreme Being) کا تصور بھی موجود ہے۔

اسلام کا مؤقف:

اسلام خالص توحید کی تعلیم دیتا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (1) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (4)﴾ (سورۃ الإخلاص)

کہہ دو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔

دعوتی نکتہ:

افریقی مذاہب میں موجود "اعلیٰ ہستی" کا تصور دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان فطری طور پر ایک ہی خالق کو پہچانتا ہے، جس کی مکمل اور واضح تعلیم اسلام میں موجود ہے۔

2۔ روحوں اور اجداد کا تصور(Ancestors & Spirits)

افریقی مذاہب میں اجداد کی روحوں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ زندہ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں یا ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اسلام کا مؤقف:

اسلام میں مرنے کے بعد انسان "عالمِ برزخ" میں چلا جاتا ہے اور دنیا میں واپس آکر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ (سورۃ المومنون:100)

اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔

یعنی مرنے کے بعد نیک روحیں علیین اور گناہ گار روحیں سجین میں قید کر دی جاتی ہیں جہاں وہ قیامت تک رہیں گی۔

﴿كَلَّآ اِنَّ كِتَابَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (18) وَمَآ اَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (19) كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ (20)﴾(سورۃ المطففین:18-20)

ہر گز نہیں (کہ مومنوں کو اجر نہ ملے) بے شک نیکوں کے اعمال نامے علییں میں ہیں۔ اور آپ کو کیا خبر کہ علیین کیا ہے۔ ایک دفتر ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔

﴿كَلَّآ اِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ (7) وَمَآ اَدْرَاكَ مَا سِجِّيْنٌ (8) كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ (9)﴾(سورۃ المطففین:7-9)

ہر گز ایسا نہیں چاہیے (کہ کافروں کو چھٹکارہ مل جائے) بے شک نافرمانوں کے اعمال نامے سجین میں ہیں۔ اور آپ کو کیا خبر کہ سجین کیا ہے۔ ایک دفتر ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔

3 ۔ عبادات اور رسومات

افریقی مذاہب میں عبادات عموماً رقص، موسیقی، قربانی اور روحانی وجد کی صورت میں ادا کی جاتی ہیں۔

4۔ جادو اور فال گیری

افریقی روایتی مذاہب میں جادو، فال گیری اور روحانی علاج عام ہیں۔

اسلام کا مؤقف:

اسلام میں عبادات منظم اور وحی پر مبنی ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ یہ عبادات انسان کو روحانی پاکیزگی اور اللہ کے قریب لے جاتی ہیں۔

اسلام انسان کو ایک واضح، آسان اور متوازن عبادتی نظام دیتا ہے، جس میں نہ تو انتہا ہے اور نہ ہی بے راہ روی۔ اسلام انسان کو براہِ راست اللہ سے تعلق قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے، بغیر کسی واسطے کے۔ اس طرح انسان شرک سے بچتا ہے اور حقیقی توکل حاصل کرتا ہے۔

اسلام جادو (سحر) کو حرام قرار دیتا ہے اور اسے نقصان دہ سمجھتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:102)

"اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیاطین سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، اور اس (چیز) کی بھی جو شہر بابل میں ہاروت وماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا، اور وہ کسی کو نہ سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں، تو کافر نہ بن، پس ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالیں، حالانکہ وہ اس سے کسی کو اللہ کے حکم کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اور سیکھتے تھے وہ جو ان کو نقصان دیتی تھی اور نہ کہ نفع، اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں، اور وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، کاش وہ جانتے"۔

دعوتی نکتہ:

اسلام انسان کو توہمات سے نکال کر یقین، دعا اور اللہ پر اعتماد کی طرف بلاتا ہے۔ جب ایک انسان اللہ سبحان و تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیتا ہے۔ وہ جنات، شیاطین، بدروح، جادو اور ٹونا اور اشرار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ اس لئے اللہ کی پناہ میں آجایئے۔

5۔ اخلاقیات اور معاشرہ

افریقی مذاہب میں اخلاقیات کا تعلق معاشرتی ذمہ داریوں سے ہوتا ہے، جیسے بزرگوں کا احترام، مہمان نوازی، اور سچائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان معاشروں میں جرائم اور قتل و غارت گری دنیا کے دیگر ممالک سے کہیں زیادہ ہے۔

اسلام کا موقف:

لیکن اسلام نے انہی اخلاقی اقدار کو جامع اور مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔ اسلام نے ہر شخص کے فرائض بیان کئے ہیں جس سے دوسروں کے حقوق خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی حسن معاشرت پوری دنیا کے لئے مثال ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ** "(مؤطا امام مالک، 3,5)(میں اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں)

یہ حدیث مبارکہ آپ ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد بیان کرتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ انسانیت میں بہترین اخلاقی اقدار، حسن معاشرت، اور اعلیٰ ظرفی کو انتہا تک پہنچانے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔"

دعوتی نکتہ:

اسلام نہ صرف اخلاق سکھاتا ہے بلکہ انہیں اللہ کی رضا سے جوڑ کر دائمی کامیابی کا ذریعہ بناتا ہے۔

6۔ آخرت کا تصور

افریقی مذاہب میں روحانی دنیا اور بعض اوقات تناسخ (Reincarnation) کا تصور پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ وہ نظریہ ہے جس کے مطابق مرنے کے بعد روح کسی دوسرے جسم (انسان یا جانور) میں دوبارہ جنم لیتی ہے۔ یہ سلسلہ اعمال (کرم) کے حساب سے جاری رہتا ہے۔ اور ایک ہی روح متعدد

مرتبہ جنم لیتی ہے اور ہر مرتبہ کسی نئے روپ میں اپنے اعمال کے حساب سے دنیا میں آتی ہے۔

اسلام کا موقف:

لیکن اسلام میں واضح عقیدہ ہے: کہ ہر روح مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی جاتی ہے۔ اور عالم برزخ میں اس کا اعمال کے حساب سے استقبال ہوتا ہے جہاں اسے اس کے اعمال کے حساب سے سجین یا علیین میں رکھا جاتا ہے۔ یہ ایک معینہ مدت تک وہاں رہے گی اور جب قیامت کا دن آئے گا تو تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گی۔ اور ان کے اعمال پیش کئے جائیں گے۔ اور ان کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔ کہ کس کو جنت ملے گی یا کس کو جہنم ملے گی۔ اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ اسلام کا تصورِ بعث بعد الموت اور تصورِ آخرت تمام الہامی مذاہب میں موجود ہے۔

دعوتی نکتہ:

اسلام انسان کو ایک واضح اور مکمل انجام (Accountability) کا تصور دیتا ہے، جو زندگی کو مقصد دیتا ہے۔ جب تک انسان کو امتحان اور اس کے نتیجے میں ملنے والے انعام کا لالچ نہ ہو وہ کیسے خود کو اصول وضوابط کا پابند کرے گا۔

7۔ فطرت سے تعلق

افریقی مذاہب میں فطرت (بارش، سورج، چاند وغیرہ) کو روحانی حیثیت دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے انھیں فائدہ یا نقصان پہنچے اسے معبود بنا لیتے ہیں۔

اسلام کا موقف:

اسلام میں فطرت اللہ کی نشانی ہے، عبادت کے لائق نہیں:

﴿ وَمِنْ اٰيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾(سورۃ فصلت:37)

"اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں، سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔"

دعوتی نکتہ:

اسلام انسان کو مخلوق کی عبادت سے نکال کر خالق کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ اور اس کی صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

نتیجہ (Conclusion)

افریقی روایتی مذاہب میں بہت سے ایسے عناصر موجود ہیں جو انسان کی فطری تلاشِ حق کی نشاندہی کرتے ہیں، جیسے:

- ایک اعلیٰ ہستی کا تصور
- روحانیت کی اہمیت
- اخلاقی اقدار

لیکن ان میں واضح رہنمائی، خالص توحید، اور آخرت کا مکمل تصور موجود نہیں۔

اسلام ایک مکمل، واضح اور عالمی دین ہے جو:

- خالص توحید سکھاتا ہے
- انسان کو براہِ راست اللہ سے جوڑتا ہے
- زندگی کا مکمل نظام فراہم کرتا ہے
- دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے

دعوتی پیغام

اے انسان!

تم جس حقیقت کی تلاش میں ہو، وہ تمہارے دل کے بہت قریب ہے۔ وہ ایک ہی اللہ ہے، جو تمہارا خالق، رازق اور رب ہے۔ **اسلام کو سمجھو، قرآن کو پڑھو، اور سچائی کو پہچانو — یہی جنت کا راستہ ہے۔**

⑥ *سکھ مت* (Sikhism)



پندرہویں صدی میں پنجاب میں ہندومت اور اسلام کی بہت سی چیزوں کے اشتراک سے پیدا ہونے والا یہ مذہب خُدا کی وحدانیت کا تو قائل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندومت کے بہت سے عقائد اور بابا گُرو نانک کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے جو کہ کتاب کی صورت میں ان کے پاس موجود ہے جسے گُرو گرنتھ صاحب کہا جاتا ہے۔ اس مذہب کے ماننے والوں کی کُل تعداد 30 ملین سے زیادہ ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا تقریباً 0.21 فیصد ہے۔

سکھ مت ایک توحیدی مذہب ہے۔ اس مذہب کے پیروکاروں کو سکھ کہا جاتا ہے۔ سکھوں کی مذہبی کتاب شری آدی گرنتھ یا گیان گرو گرنتھ صاحب ہے۔ عام طور پر سکھوں کے 10 ستگر مانے جاتے ہیں، لیکن سکھوں کی مذہبی کتاب میں 6 رہنماؤں کے ساتھ ساتھ 30 بھگتوں کی بانی ہے، جن کی عمومی تعلیمات کو سکھ راستہ پر چلنے کے لیے اہم مانا جاتا ہے۔ سکھوں کے مذہبی مقام کو گردوارہ کہتے ہیں۔

1469ء میں پنجاب میں پیدا ہونے والے نانک دیو نے گرمت کو کھوجا اور گرمت کی تعلیمات کو دیش دیشانتر میں خود جا جا کر پھیلایا تھا۔ سکھ انھیں اپنا پہلا رہنما مانتے ہیں۔ گرمت کی تبلیغ باقی 9 گروؤں نے کی۔ دسویں رہنما گوبند سنگھ نے یہ تبلیغی کام خالصہ کو سونپا اور گیان گرو گرنتھ صاحب کی تعلیمات پر عمل کرنے کی نصیحت کی۔ سنت کبیر، دھنا، سادھنا، رامانند، پرمانند، نامدیو اور تکارام وغیرہ جن کے اقوال آدی گرنتھ میں درج ہیں، ان بھگتوں کو بھی سکھ ستگروں کے جیسے مانتے ہیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سکھ ایک ہی خدا کو مانتے ہیں، جسے وہ ایک اونکار کہتے ہیں۔ انکا عقیدہ ہے کہ ایشور اکال اور نرنکار ہے۔

بابا گرو نانک کا تعارف:

سکھ مذہب کے بانی بابا گرو نانک پہلے ہندو تھے۔ "گرو" مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں جبکہ "نانک" ان کا نام تھا۔ مغلوں سے پہلے دہلی پر ابراہیم لودھی کی حکومت تھی، پھر بابر نے پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا تھا اور مغل سلطنت کا آغاز ہوا تھا۔ ابراہیم لودھی کے زمانہ میں ضلع شیخوپورہ میں تلونڈی گاؤں ہوتا تھا، اب یہ خود ضلع ہے اور اس کا نام بابا نانک کے نام پر ننکانہ صاحب رکھا گیا ہے۔ وہاں ایک ہندو گھرانے میں بابا نانک نے جنم لیا۔ جب جوان ہوئے، صوفی مزاج آدمی تھے، انہیں ہندو مذہب کی دو باتوں سے نفرت ہو گئی تھی:

1. ایک بت پرستی سے کہ بابا نانک توحید کے قائل تھے،
2. اور دوسرا ذات پات کے فرق سے۔

ان کا رجوع صوفیاء کرام حضرت بابا فریدؒ اور حضرت میاں میرؒ کی طرف ہو گیا۔ یہ زمانہ صوفیاء کرام کے عروج کا زمانہ تھا۔ بابا نانک صوفیاء کرام سے بہت متاثر ہوئے۔ ایک عرصہ بابا نانک نے صوفیاء کرام کے ساتھ گزارا، اسلام سے بالخصوص توحید اور مساوات سے متاثر ہوئے اور اس حد تک متاثر ہوئے کہ بابا نانک نے حج کیا، مدینہ منورہ حاضری دی، اور بغداد میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی قبر پر چلہ بھی کاٹا، لیکن بعد میں بات گڈمڈ ہو گئی۔

گرو نانک دیو کی پیدائش شہر ننکانہ صاحب، لاہور، پنجاب (موجودہ پاکستان) میں 15 اپریل، 1469ء کو ہوئی اور وفات 22 ستمبر، 1539ء کو شہر کرتارپور میں ہوئی۔ گرونانک سکھ مت کے بانی اور دس سکھ گروؤں میں سے پہلے گرو تھے۔ ان کا یوم پیدائش گرونانک گرپورب کے طور پر دنیا بھر میں ماہ کاتک (اکتوبر–نومبر) میں پورے چاند کے دن، یعنی کارتک پورن ماشی کو منایا جاتا ہے۔

گرونانک کو "اس زمانے کا عظیم ترین مذہبی موجد" قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے دور دراز سفر کر کے لوگوں کو اس ایک خدا کا پیغام پہنچایا جو اپنی ہر ایک تخلیق میں جلوہ گر ہے اور لازوال حقیقت ہے۔ انھوں نے ایک منفرد روحانی، سماجی اور سیاسی نظام ترتیب دیا جس کی بنیاد مساوات، بھائی چارے، نیکی اور حسن سیرت پر ہے۔

گرونانک کا کلام سکھوں کی مقدس کتاب، گرنتھ صاحب میں 974 منظوم بھجنوں کی صورت میں موجود ہے، جس کی چند اہم ترین مناجات میں جپ جی صاحب، اسادی وار اور سدھ گھوسٹ شامل ہیں۔ سکھ مذہب کے عقائد کے مطابق جب بعد میں آنے والے نو گروؤں کو یہ منصب عطا ہوا تو گرونانک کے تقدس، الوہیت اور مذہبی اختیارات کی روح ان میں سے ہر ایک میں حلول کر گئی۔

پیدائش اور ابتدائی زندگی

نانک نے 15 اپریل 1469ء کو لاہور کے قریب رائے بھوئی کی تلونڈی (موجودہ ننکانہ صاحب، پنجاب، پاکستان) میں جنم لیا۔ ان کے والدین مہتا کالو (مکمل نام کلیان چند داس بیدی) اور ماتا ترپتا تھے، جو مذہباً ہندو تھے اور تاجر ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد تلونڈی گاؤں میں فصل کی محصولات کے مقامی پٹواری تھے۔

ان کی ایک بہن تھیں، جن کا نام بی بی نانکی تھا۔ وہ ان سے پانچ سال بڑی تھیں۔ 1475ء میں ان کی شادی ہوئی اور وہ سلطان پور چلی گئیں۔ نانک کو اپنی بہن سے بہت لگاؤ تھا چنانچہ وہ بھی اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ رہنے کے لیے سلطان پور جا پہنچے۔ تقریباً 16 سال کی عمر میں نانک نے دولت خان لودھی کے ماتحت کام کرنا شروع کیا جہاں بی بی نانکی کا شوہر بھی کام کرتا تھا۔ پوراتن جنم سکھی کے مطابق، یہ نانک کی تشکیل کا مرحلہ تھا اور ان کے بھجنوں میں سرکاری ڈھانچے سے متعلق جو حوالے ملتے ہیں، غالب اندازہ یہی ہے کہ ان کا علم اسی عرصے میں حاصل کیا گیا تھا۔

سکھ روایات کے مطابق، گرونانک کی پیدائش کے وقت اور زندگی کے ابتدائی برسوں میں کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ نانک کو خدا کے فضل و رحمت سے نوازا گیا ہے۔ ان کے سوانح نگاروں کے مطابق، وہ کم عمری ہی سے اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ پانچ برس کی عمر میں نانک کو مقدس پیغامات پر مشتمل آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سات برس کی عمر میں ان کے والد نے انھیں اس وقت کے رواج کے مطابق گاؤں کے مدرسے میں داخل کروایا۔ روایات کے مطابق، کم عمر نانک نے حروف تہجی کے پہلے حرف (الف) میں، جو حساب میں عدد 1 سے مشابہت رکھتا ہے، جس سے خدا کی وحدانیت یا یکتائی ظاہر ہوتی ہے، مضمر رموز بیان کر کے اپنے استاد کو حیران کر دیا۔ ان کے بچپن کی دیگر روایات

بھی نانک سے متعلق حیرت انگیز اور معجزانہ واقعات بیان کرتی ہیں، مثلاً رائے بولر سے منقول ایک روایت کے مطابق کم سن نانک جب سوئے ہوئے تھے تو انھیں تیز دھوپ سے بچانے کے لیے ایک درخت یا دوسری روایت کے مطابق، ایک زہریلا ناگ ان پر سایہ کیے رہا۔

24 ستمبر 1487ء کو نانک نے مل چند اور چندو رانی کی دختر، ماتا سلکھنی سے بٹالا میں شادی کرلی۔ اس شادی شدہ جوڑے کے ہاں دو بیٹے ہوئے، سری چند (8 ستمبر 1494ء–13 جنوری 1629ء) اور لکھمی چند (12 فروری 1497ء–9 اپریل 1555ء)۔ شری چند کو گرو نانک کی تعلیمات سے روشنی ملی اور آگے چل کر انھوں نے اداسی فرقے کی بنیاد رکھی۔

سوانح

گرو نانک کی زندگی سے متعلق ابتدائی سوانحی ماخذات اب جنم سکھی کی صورت میں موجود ہیں۔ گرنتھ صاحب لکھنے والے بھائی گرداس نے اپنی ورس میں بھی نانک کی زندگی سے متعلق لکھا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں مسودات ہی نانک کی زندگی کے کچھ عرصے بعد تحریر کیے گئے، تاہم ان میں جنم سکھیوں کے مقابلے میں کم تفصیل ملتی ہے۔

گیان رتن والی کو بھائی مانی سنگھ سے منسوب کیا جاتا ہے جنھوں نے گرو نانک کی زندگی سے متعلق غلط واقعات کو درست بیان کرنے کی غرض سے اسے تحریر کیا۔ بھائی مانی سنگھ، گرو گوبند سنگھ کے سکھ تھے جن سے چند سکھوں نے درخواست کی تھی کہ انھیں گرو نانک کی زندگی سے متعلق ایک مستند سوانح تیار کرنی چاہیے۔

بھائی مانی سنگھ لکھتے ہیں:

"جس طرح تیراک دریا میں سرکنڈے نصب کرتے ہیں تاکہ راستے سے ناواقف لوگ بھی اسے عبور کرسکیں، اسی طرح میں بھائی گرداس کی وار کو بنیاد بناؤں گا اور اسی کے مطابق، اور جو واقعات میں نے دسویں مالک کی بارگاہ میں رہتے ہوئے سنے انھیں پیش نظر رکھتے ہوئے، جو کچھ میرے عاجز دماغ سے بن پڑا، اسے آپ تک بیان کروں گا"۔

جنم سکھی کے انجام پر، ایک اختتامیہ موجود ہے جس کے مطابق مکمل کام گرو گوبند سنگھ کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ وہ اس پر اپنی تصدیقی مہر ثبت کریں۔ گرو صاحب نے اس پر دستخط کیے اور اسے سکھ عقائد سے متعلق علم حاصل کرنے کا ماخذ قرار دیا۔

ایک دوسری معروف جنم سکھی سے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسے گرو کے ایک قریبی ساتھی، بھائی بالا نے تحریر کیا۔ تاہم، اس کے انداز تحریر اور زبان سے محققین، جیسے کہ میکس آرتھر مکالیف، کو یقین ہے کہ یہ ان کے انتقال کے بعد ترتیب دی گئی ہیں۔ محققین کے مطابق، اس دعوے کو تسلیم کرنے میں شکوک وشبہات ہیں کہ اس کا مصنف گرو نانک کا قریبی ساتھی تھا اور ان کے کئی اسفار میں ان کے ساتھ رہا تھا۔

سکھ مت

مقامی زمیندار، رائے بولر اور نانک کی بہن، بی بی نانکی، کم عمر نانک میں مقدس خصوصیات پہچاننے والے اولین افراد تھے۔ انھوں نے نانک کو مطالعہ

کرنے اور سفر کرنے کی ہمت بندھائی۔ سکھ روایات کے مطابق 1499ء کے لگ بھگ، 30 سال کے عمر میں انھیں ایک کشف ہوا۔ وہ غسل کر کے واپس نہ لوٹ سکے اور ان کے کپڑے کالی بین نامی مقامی چشمے کے کنارے ملے۔ قصبے کے لوگوں نے یہ خیال کیا کہ وہ دریا میں ڈوب گئے ہیں؛ دولت خان نے اپنے سپاہیوں کی مدد سے دریا کو چھان مارا، مگر ان کا نشان نہ ملا۔ گم شدگی کے تین دن بعد نانک دوبارہ ظاہر ہوئے، مگر خاموشی اختیار کیے رکھی۔

جس دن وہ بولے تو انھوں نے یہ اعلان کیا:

"نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلمان ہے، بلکہ سب صرف انسان ہیں۔ تو مجھے کس کے راستے پر چلنا چاہیے؟ مجھے خدا کے راستے پر چلنا چاہیے۔ خدا نہ ہندو ہے اور نہ مسلمان، اور میں جس راستے پر ہوں، وہ خدا کا راستہ ہے"۔

نانک نے کہا کہ انھیں خدا کی بارگاہ میں لے جایا گیا تھا۔ وہاں انھیں امرت سے بھرا ایک پیالہ دیا گیا اور حکم ملا کہ "یہ نام خدا کی عقیدت کا پیالہ ہے۔ اسے پی لو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ میری تم پر رحمت ہے اور میں تمھیں بڑھاتا ہوں۔ جو تمھیں یاد رکھے گا، وہ میرے احسانات سے لطف اندوز ہوگا۔ جاؤ، میرے نام کی خوشی مناؤ اور دوسروں کو بھی اسی کی تبلیغ کرو۔ میں نے اپنے نام کی عنایات سے تمھیں نوازا ہے۔ اسے ہی اپنی مصروفیت بناؤ"۔

اس واقعے کے بعد سے، نانک کو گرو (اتالیق، استاد) کہا گیا اور سکھ مت نے جنم لیا۔

سکھ مت کا بنیادی عقیدہ انتقام اور کینہ پروری کی بجائے رحم دلی اور امن کا پیغام پھیلانا ہے۔ سکھ مت حالیہ ترین قائم شدہ مذاہب میں سے ایک ہے۔ سکھ گرنتھ صاحب کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں؛ یہ مقدس کتاب سکھ مت کے دس میں سے چھ گروؤں کے علاوہ بعض دیگر بزرگوں اور عقیدت مندوں کی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ گرنتھ صاحب کو سکھ مت میں سب سے زیادہ بالادستی حاصل ہے اور اسے سکھ مت کا گیارھواں اور آخری گرو تصور کیا جاتا ہے۔ سکھ مت کے پہلے گرو کی حیثیت سے، گرو نانک کے اس کتاب میں کل 974 بھجن شامل ہیں۔

تعلیمات

نانک کی تعلیمات سکھ صحیفے گرو گرنتھ صاحب میں موجود ہیں، جو گرمکھی میں لکھے گئے اشعار کا مجموعہ ہے۔

گرو نانک کی تعلیمات سے متعلق دو نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک کی بنیاد، بقول کول اور سامبھی، مقدس جنم سکھی پر ہے جس کے مطابق سکھ مت 15ویں صدی میں اسلام اور ہندومت کی ہم آہنگی کی کوشش یا معاشرتی احتجاج کی تحریک نہیں، بلکہ نانک کی تعلیمات اور سکھ مت خدا کی طرف سے الہام تھا۔ دوسرا نظریہ، بقول سنگھا، کہتا ہے کہ ''سکھ مت اوتار کا نظریہ یا پیغمبری کا تصور پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا محور گرو کا تصور ہے جو خدا کا مظہر نہیں ہوتا اور نہ پیغمبر ہوتا ہے۔ وہ تو بس ایک روشن روح ہوتا ہے۔''

مقدس جنم سکھیاں نانک نے خود نہیں لکھی تھیں، بلکہ بعد ازاں ان کے پیروکاروں نے تحریر کی تھیں جن میں تاریخی صحت کا خیال نہیں رکھا گیا اور نانک کی شخصیت کو محترم بنا کر پیش کرنے کی غرض سے متعدد داستانیں اور قصے تخلیق کیے گئے۔ کول اور سامبھی واضح کرتے ہیں کہ سکھ مت میں 'مکاشفہ' کی اصطلاح صرف نانک کی تعلیمات سے مخصوص نہیں، بلکہ اس میں تمام سکھ گروؤں کے علاوہ ماضی، حال اور مستقبل کے مرد و عورتوں کے اقوال بھی شامل ہیں، جنھیں مراقبے اور غور و فکر کے ذریعے الہامی طور پر علم حاصل ہوا۔ سکھ مکاشفات میں غیر سکھ بھگتوں کے اقوال بھی

شامل ہیں، جو نانک سے کی پیدائش سے قبل ہی انتقال کر گئے تھے اور ان کی تعلیمات سکھ صحیفوں میں شامل ہیں۔ منڈیر کے مطابق، ادی گرنتھ اور جانشین سکھ گروؤں نے مسلسل اس بات پر زور دیا کہ سکھ مت "خدا کی طرف سے آوازیں سننے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ یہ انسانی دماغ کی خاصیت تبدیل کرنے سے متعلق ہے اور کسی بھی شخص کو کسی بھی وقت براہ راست مشاہدہ اور روحانی کاملیت مل سکتی ہے۔" گرونانک نے تاکید کی کہ تمام انسان بغیر کسی رسوم یا مذہبی پیشواؤں کے، خدا تک براہ راست رسائی پا سکتا ہے۔

اثرات

نانک ایک ہندو گھرانے میں پلے بڑھے تھے اور بھگتی سنت عقائد سے تعلق رکھتے تھے۔ محققین کا کہنا ہے کہ گرونانک اور سکھ مت کی بنیادیں قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں بھگتی تحریک کے نیر نگی (بے ہیئت خدا) عقائد سے متاثر ہوئیں۔ تاہم، سکھ مت صرف بھگتی تحریک کی توسیع نہیں تھی۔ بلکہ سکھ مت کئی معاملات میں بھگتی سنت کبیر اور روی داس سے اختلاف کرتا ہے۔

لوئس فینیچ کے مطابق، سکھ عقائد کی جڑیں غالباً ہندوستان کے سنت-عقائد سے جڑی ہیں، جن کے نظریات نے بھگتی عقائد کی صورت اختیار کی۔ فینیچ مزید کہتے ہیں کہ "مقدس سکھ صحیفے، گرو گرنتھ صاحب اور ثانوی صحیفے، دسم گرنتھ میں ہندوی داستانیں پھیلی ہوئی ہیں اور عصر حاضر کے سکھوں اور ان کے اسلاف کے مقدس علامتی جہان میں بہت نازک فرق شامل کرتی ہیں۔"

جانشینی

سکھ روایات کے مطابق نانک نے بھائی لہنا کو اپنا جانشین گرو مقرر کیا اور ان کا نام گرو انگد رکھا، جس کے معنی "بہت ہی اپنے" یا "اپنے حصے" کے ہیں۔ بھائی لہنا کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے کچھ ہی عرصے بعد، گرونانک 22 ستمبر 1539ء کو کرتارپور میں، 70 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

گرونانک اور اسلام

ابتدائی تعلیم

جب گرونانک جی 1474ء میں پانچ سال کے ہوئے تو تعلیمی دور شروع ہوا۔ جنم ساکھی بھائی بالے والے اردو کے صفحہ 17 پر لکھا ہے کہ جب پنڈت گوپال جی نے آپ کو پڑھانا شروع کیا۔ تو انھوں نے اسے کھری کھری باتیں سنانی شروع کر دیں۔ کہنے لگے پنڈت جی سب پڑھنا لکھنا فضول ہے۔ پڑھائی وہی ٹھیک ہے جو سنسار کی پڑھائی ہے۔ یہ تو ایسی ہے۔ جیسے کسی دیے کی سیاہی، کاغذ سنی، قلم کانے (سرکنڈے) کا، من لکھنے والا۔ لکھا تو کیا کیا لکھا مایا جنجال لکھا؟ رائے بلار تلونڈی کا ایک مسلمان راجپوت رئیس تھا۔ جب اس نے سنا کہ گرونانک اداس اور خاموش رہتے ہیں اور کالو رام جی بیٹے کی وجہ سے دکھی رہتے ہیں تو بلار نے کالو رام کو بلا کر کہا : کالو! آپ فکر نہ کریں۔ گرونانک کو ملاؤں کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھا دیں، جب فارسی پڑھیں گے تو خود بخود عقل مند ہو جائیں گے۔ سوڈی مہربان جی بیان کرتے ہیں کہ گرونانک جی کو اسلامی تعلیم دلانے کا انتظام خود ان کے والد بزرگوار نے کیا تھا۔ چنانچہ ان کے پڑوس میں ایک مسلمان درویش سید حسن رہا کرتے تھے جنھوں نے بخوشی پڑھانا قبول کر لیا۔ مولوی غلام محمد صاحب مصنف سیر المتاخرین اور محمد لطیف مصنف تاریخ پنجاب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مشہور مسلمان درویش سید حسن صاحب نے نانک جی کو ہونہار دیکھ کر اسلام کے مستند عقائد سے واقفیت کرا دی۔ ان کے زیر گرو جی نے پنجابی کے محاورے مادری زبان میں بانی بنانی شروع کر دی تھی۔

ہندو دھرم سے نفرت کی وجہ

ہندوؤں میں ذات پات کا فرق ہے، برہمن کا دائرہ اور ہے، شودر کا دائرہ اور ہے، کھشتری کا دائرہ اور ہے، ویش کا دائرہ اور ہے۔ چار ذاتیں ہیں، چاروں کے آداب الگ ہیں، سب برابر نہیں سمجھے جاتے۔ گھٹیا ذات والے کو بہت حقیر سمجھا جاتا ہے، برابر بیٹھ نہیں سکتا، جس برتن میں کھانا کھالے اس برتن کو پلید سمجھا جاتا ہے۔ ذات پات کا فرق ہندوؤں میں اب بھی ہے۔ بابا گرونانک کو بت پرستی کے علاوہ اس ذات پات کے فرق سے نفرت ہوئی اور اس نفرت میں پیچھے ہٹتے ہٹتے ان کا رجوع صوفیاء کرام کی طرف ہو گیا۔

گروجی کو اپنے آبائی مذہب ہندو دھرم اور ویدک دھرم کے ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک رسم سے اس لیے اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ آپ کے اتالیق مسلمان بزرگ تھے اور انھوں نے بڑی محبت اور پیار سے آپ کو تعلیم دی۔ دینی اور دنیاوی علوم سکھائے جن کا آپ کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا اور وہ آپ کی تمام زندگی پر حاوی رہا۔ سیرۃ المتاخرین میں لکھا ہے کہ نانک شاہ کا باپ بقال کھتری سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر جوانی میں یہ شخص اپنے حسن کردار اور حسین چہرہ کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ انھی دنوں سید حسن نامی درویش ہو گذرا ہے جس کی فصاحت وبلاغت اور مال وزر کا بہت چرچا تھا۔ وہ چونکہ لاولد تھا اس لیے وہ نانک شاہ کی خوبصورتی سے اتنا محسور ہوا کہ اس نے نانک شاہ پر دست شفقت پھیر ا اور اس کی تربیت کرنے لگا۔ اس درویش کے فیض سے نانک جی نے شعور ودانش حاصل کیا۔ علم معرفت اور حقائق کا گہرا مطالعہ کیا اور درس علم سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ صوفیوں کے ان اقوال کو پنجابی میں ترجمہ کرنے لگا جس کو پڑھ کر وہ جھوم جاتا تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے بزرگوں کی طرح تعصب نہ تھا وہ اس عیب سے بالکل مبرا اور پاک تھا۔ بابا گرونانک نے بھی صوفیاء کرام سے متاثر ہو کر ان کے پاس آنا جانا اور ان سے استفادہ شروع کیا۔ بالخصوص حضرت بابا فریدؒ اور حضرت میاں میرؒ سے انہیں بہت عقیدت تھی۔ اور صوفیاء کرام سے بابانانک اس حد تک متاثر ہوئے کہ انہوں نے حج بھی کیا اور بغداد میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر چلہ بھی کاٹا، سکون کی تلاش میں۔ بابا گرونانک ہندو مذہب سے نکلے مگر اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ قرآن مجید کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اسلام کی باتوں کی تعریف کرتے ہیں لیکن کلمہ نہیں پڑھا، اسلام قبول نہیں کیا۔ کچھ ہندو تصوف، کچھ مسلم تصوف، کچھ توحید، کچھ رسمیں اور کچھ ذکر اذکار، ان سے ایک درمیانہ سا ملغوبہ بنا دیا۔ انہوں نے پیری مریدی شروع کر دی، ابتدا میں اس کی خانقاہی صورت تھی، بڑے صوفیاء کے پاس یہ جاتے، لوگ ان کے پاس آتے۔ انہوں نے گرنتھ کتاب لکھی جسے گرو گرنتھ کہا جاتا ہے۔ یہ سکھوں کی مذہبی کتاب ہے، اس میں سنسکرت بھی ہے، پنجابی بھی ہے، قرآن کریم کی آیات بھی ہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بھی ہیں، بزرگوں کے اقوال بھی ہیں، اور بابا فرید کی کافیاں بھی ہیں۔

دولت خان کے ہاں دکان داری

جب بابا گرونانک جی بائیس سال کے ہوئے تو سلطان پورہ میں دولت خان لودھی کی دکان داری کرتے تھے۔ انھیں دنوں میں ان کے گھر دو لڑکے پیدا ہوئے۔ جن کا نام سری چند اور دوسرے کا لکھمی داس تھا۔ تب مولا چونا نواب صاحب کے پاس جا کر فریاد کرنے لگا۔ نواب دولت خاں نے کہا: ارے یار خاں یہ کون ہے اور کس کے اوپر فریاد کر رہا ہے۔ تب مولا نے کہا میں آپ کے مودی نانک کا سسر ہوں اور ان پر فریادی ہوں۔ نواب نے کہا ارے یار خاں اسے آگے لے آؤ۔ یار خاں مولا کو نواب کے نزدیک لے گیا۔ نواب نے پوچھا۔ آپ ان پر کیا فریاد چاہتے ہیں۔ مولا نے کہا نواب

سلامت سات سو ساٹھ روپے جو حساب سے نانک کے آپ کی طرف نکلتے ہیں۔ وہ آپ نانک کے قبیلے (بیوی) کو دے دیں۔ ارے مولا نانک نے تو کہہ دیا ہے کہ وہ روپیہ فقیروں کو دے دو۔ تب پھر مولا نے کہا جی نانک کا آپ کیا ذکر کرتے ہیں۔ ذرا آپ ہی انصاف کی نگاہ سے دیکھیں تب نواب نے کہا ارے یار خاں حق تو ایک ان کا ہی ہے مگر نانک کہے تو۔ مولا جا کر پھر نانک سے جھگڑنے لگا گر کما کر نہیں لائے تو پھر یہ کمایا ہوا فقیروں کو کیوں دیتے ہو۔ میری بچی کا تو خیال کرو۔

دولت خاں کے ساتھ نماز پڑھنا

نانک جی نواب بہت غصے ہو رہا ہے لہذا آپ کا جانا ہی بہتر ہے۔ یہ سن کر نانک جی اٹھ کھڑے ہوئے اور نواب کے پاس آئے مگر سلام نہ کیا۔ تب نواب نے کہا ارے نانک آپ کیوں نہیں آتے تھے۔ نانک جی نے کہا جب میں آپ کا نوکر تھا تو آپ کا تابعدار بنا ہوا تھا اور آپ کے پاس آتا جاتا تھا، اب ہم آپ کے نوکر نہیں ہیں۔ اب تو ایشور کے چاکر ہو گئے ہیں۔ تب نواب نے کہا اچھا اگر ایسا ہی ہے تو چلئے ہمارے ساتھ نماز پڑھئے آج جمعہ کا روز ہے۔ نانک نے جواب دیا بہت اچھا چلیے۔ جتنے لوگ نماز پڑھ رہے تھے سب کہنے لگے یہ عجیب معاملہ ہے کہ گرونانک جی نماز پڑھنے آئے ہیں۔ ادھر جتنے مہاجن لوگ سلطان پور میں رہتے تھے سب میں یہ شور و غل مچ گیا کہ نانک جی مسجد میں نماز پڑھنے چلے گئے۔ بھائی جیرام (آپ کا بہنوئی) بھی بہت رنجیدہ ہو کر گھر ہوئے۔ نانکی جی (نانک جی کی بہن) سمجھ گئی اور کہنے لگی کہ آپ اتنے دلگیر کس لیے ہیں۔ جیرام جی نے جواب دیا کہ آج تمھارا بھائی نانک نے کیا کیا۔ نانکی جی نے کہا کیوں کیا بات ہے۔ جیرام نے کہا کہ نانک جی نواب کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد کے اندر چلے گئے اور سارے شہر کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اس بات کا چرچا ہو گیا ہے کہ آج نانک ترک ہو گیا ہے۔

گروجی کے ساتھی

گورونانک جی کی عمر بائیس سال کی ہوئی تو سلطان پور لودھیاں (بئیں ندی کے کنارے ایک خوبصورت قصبہ آباد ہے ریاست کپور تھلہ ضلع جالندھر) میں دولت خان لودھی کا مودری خانہ چلاتے رہے۔ بابا نانک کو یہ گیان مارگ اور یہ ودیک جو ملا وہ بغیر استاد کے نہیں ملا۔ ان کے مربی میر حسین صاحب قبلہ پیر جلال، میاں مٹھا، پیر عبد الرحمن، پیر سید حسن صاحب، بابا بڈھن شاہ، شیخ ابراہیم اور شیخ مرید ثانی جیسے برگزیدہ ہستیوں سے ملا۔ جس کا گواہ خود گرو گرنتھ صاحب ہے اور جس میں فرید ثانی صاحب کا بہت سا کلام موجود ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت سے علم قرآن حکیم ملا۔ صوفیائے کرام کے سلسلہ میں عربی، فارسی اور ترکی زبان سیکھیں۔ جب سے ہندو دھرم کو ترک کیا اس سے آخری دم تک مسلمان ہی آپ کے ساتھ رہے جب وصال کا وقت آیا تو قوم کی غیرت میں ہندوؤں نے جنازہ پر جھگڑا شروع کر دیا۔ جب گروجی نے ہندو دھرم کو نجات سے خالی پایا تو چھتری دھرم کی بنیاد جنیئو تھا۔ نو سال کی عمر میں اسے نکال پھینکا۔ دھوتی اور ٹیکا ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تا کہ یہ شرک کے نشانات پھر کبھی نزدیک نہ آنے پائیں۔ ایسی صورت میں ہندو آپ کے ساتھ کیے رہ سکتے تھے۔ آپ نے تو ہندوؤں کے بت کدہ پر کلہاڑا مارا تھا۔ بابا کے دو ساتھی جو ہر وقت بابا کے ساتھ رہتے تھے مسلمان تھے۔ اکٹھے کھاتے پیتے رہتے اور ان میں کوئی امتیاز نہیں تھا یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب مذہبی اور نظریاتی طور پر ایک ہوں۔

رشد وہدایت

شاہ شمش سبزواری ملتان شریف - شاہ شمس صاحب کے روضے کی جانب میں وہ مکان ہے۔ جو سپہ نانک کہلاتا ہے۔ روضہ کی جنوبی دیوار میں ایک وہ

مکان ہے جو محراب نمادروازوں کی شکل کا بنا ہوا ہے۔ اس پر یااللہ اور نیچے نانک صاحب کا پنجہ بنا ہوا ہے۔ حضرت تحسین شاہ صاحب رئیس ملتان و سجادہ نشین شمس سبز واری کا بیان ہے کہ باوا گرو نانک صاحب کے والد بھاٹی کالو اور ان کے دادا مستی بھائی سوبھا بھی اسی سلسلہ کے مرید تھے۔ خدا کی صفت ھُو ہے جو شمس سبز واری کا ورد تھا باوا صاحب کا بھی وہی ورد رہا۔ بجز یا ہو من ہو۔ دگر چیزے لمے دانم

جنم ساکھی گرونانک جی صفحہ 137 سے معلوم ہوتا ہے کہ گرو جی ملتان کے مشہور بزرگ حضرت پیر بہاؤ الدین صاحب کے مزار پر بھی بڑی عقیدت سے گئے تھے۔

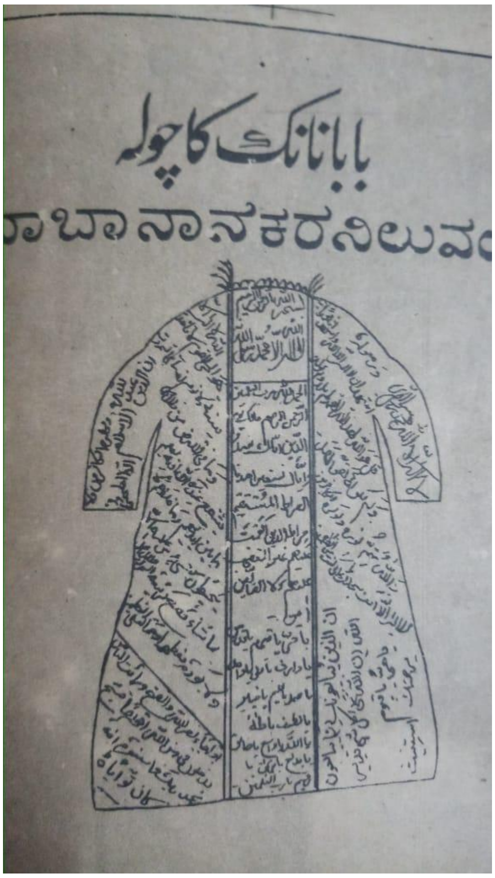
- بغداد سے شیخ عبد القادر جیلانی اور مرشد و مولائی حضرت مراد کے مزاروں پر چلے گئے۔ شہر کے باہر جانب جنوب مغرب ایک قبرستان سے ملحقہ چار دیواری ہے اس کے اندر کھلا کمرہ ہے کونے میں ایک چبوترا ہے اس پر بیٹھ کر چلہ کیا کرتے تھے۔ 927ھ میں حضرت بہلول دانا کے خلیفہ حضرت مراد کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ میں بیت کی اور ان کے وصال کے بعد آپ نے اپنے مرشد کا مزار بغداد شریف میں بنوایا۔ مزار کی مغربی دیوار پر یہ کتبہ لکھ کر لگوایا کہ گرو (مرشد) مراد وفات پا گئے۔ بابا نانک فقیر نے اس عمارت کی تعمیر میں ہاتھ بٹایا جو ایک نیک مریدی کی طرف سے اظہار عقیدت کے طور پر تھا 937ھ
- شیخ فرید الدین گنج شکر پاکپتن پر چلہ کیا۔ شیخ ابراہیم اور شیخ فرید ثانی جن کا کلام گورو گرنتھ میں اکثر و بیشتر ہے گرو جی اور شیخ فرید ثانی کے ساتھ دس سال تک پورے پنجاب کا دورہ کیا اور مخلوق کو خالق کا رشتہ بتلایا۔
- خواجہ معین الدین چشتی اجمیری پر چالیس دن چلہ کیا۔
- گیانی گیان سنگھ کا بیان ہے کہ گرو جی سرسہ میں خواجہ صاحب کے مزار پر چاروں کونوں میں چار عدد چھوٹی چوٹی کھڑکیاں ہیں اور وہاں کے مسلمان مجاور روایت کرتے ہیں کہ شمال مغرب کی جانب کو کوٹھڑی میں بابا نانک اور شاہ شیخ فرید وغیرہ وغیرہ چار درویشوں کے ہمراہ چلے میں بیٹھتے تھے۔
- سرسہ شہر میں خواجہ جعفر، بابا فرید اور سائیں شیر شاہ وغیرہ چلہ کشی کرتے تھے لیکن گرونانک جی نے بغیر کھانے پینے کے چلہ کشی کی۔
- بمقام سرسہ شاہ عبد الشکور صاحب کی خانقاہ پر چالیس دن چلہ کیا۔ اس خلوت خانہ کا نام چلہ باوانانک ہے۔
- باباولی قندھاری حسن ابدال پر چلہ کیا۔ حسن ابدال کی پہاڑی پر آپ کا چلہ ہے۔ آپ کا مزار قندھار میں ہے۔ حسن ابدال کی پہاڑی پر چلہ کی زیارت کرنے لیے ہر سکھ مرد عورت بچے بوڑھا اس عظیم پہاڑی پر جا کر سلامی دیتے ہیں۔

اسلامی ممالک میں قیام

گرونانک جی نے اپنے سفروں میں مکہ معظمہ ایک سال تک قیام کیا اور وہاں مختلف علما سے توحید وغیرہ کے مسائل وغیرہ پر تبادلہ خیال بھی کیا۔ جیسا کہ مرقوم ہے کہ ایک سال گرو جی نے مکہ و مدینہ کے باشندوں سے گفتگو کرتے گزار دیا اور رکن الدین کی یہ گفتگو مکے کے کسی گوشہ میں مرقوم ہے۔ (مگر اس گفتگو کا کوئی عینی ثبوت نہیں مل سکا) گرونانک جی نے ایک سال مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ٹھہرنے کے علاوہ بغداد شریف میں چھ سال گزارے اور آپ نے ایک مسلمان بزرگ حضرت مراد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سردار ہرچرن سنگھ جی نرمان نے کہا ہے کہ گرونانک جی کا مرشد (گرو) بغداد کا ایک مسلمان پیر تھا۔ جس کی خدمت میں آپ چھ سال بغداد رہ کر روحانیت کا سبق سیکھتے رہے۔ گرو صاحب نے عام میل جول اور

برت برتاؤ میں نیز کھانے پینے میں ذات پات کا کوئی خیال نہیں رکھا۔ اسلامی ملکوں میں گئے تو مسلمانوں کے گھروں سے کھانا کھاتے رہے۔ پروفیسر سنگھ جی صاحب نے کہا ہے کہ تیسری اداسی میں عرب، ایران، افغانستان وغیرہ اسلامی ملکوں میں ست گرو جی نے تقریباً تین سال گزارے ہیں۔ تین سال کی روٹیاں ہندوستان سے تو پکا کر نہیں لے جاسکتے تھے۔

جغرافیائی تفصیلات تنازع کا موضوع ہیں، جدید اسکالر کے ساتھ بہت سے دعووں کی تفصیلات اور صداقت پر سوالیہ نشان ہے۔ مثال کے طور پر، Calvertاور (1994) Snell کا کہنا ہے کہ ابتدائی سکھ تحریروں میں ایسی کہانیاں نہیں ہیں۔



بابانانک جی کا چولہ

یہ ایک گونہ آپ کی وصیت ہے جو آپ اپنے چیلوں کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے اس دنیائے فانی میں چھوڑ گئے ہیں۔ یہ چولہ کابلی مل کی اولاد کی جو آپ کی نسل میں سے ہیں تحویل میں ہے۔ یہ چولہ ڈیرہ بابانانک ضلع گورداسپور میں موجود ہے۔ اس پر تقریباً تین صد رومال لپٹے ہوئے ہیں۔ سکھوں کا بیان ہے کہ اس پر آسمانی کلام لکھا ہوا ہے۔ جس سے باباجی نے ہدایت پائی۔ در حقیقت یہ چولہ آپ کو بغداد شریف سے ملا تھا جس پر کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** لکھا ہوا ہے اس کے علاوہ قرآنی آیتیں سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص، آیت الکرسی، سورہ نصر اور دیگر آیات بعمہ اسمائے حق تعالے درج ہیں۔ یہ اسلام کے لیے باباجی کی ایک زبردست گواہی ہے۔ اس پر **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اور نیچے کلمہ طیب، سامنے خوشخط حروف میں لکھا ہوا ہے اس پر موٹے حروف میں یہ لکھا موجود ہے **ان الدین عنداللہ الإسلام**،یعنی سچا دین صرف اسلام ہی ہے اور کوئی نہیں۔ پھر چولہ صاحب پر یہ بھی لکھا ہوا ہے - : **أشهد أن لا الہ الا اللہ واشهد ان محمدا عبده ورسولہ** کسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن حکیم خدا کا کلام ہے اس کو ناپاک ہاتھ مت لگائیں۔ آپ رسول پاک ﷺ کے عاشق زار تھے۔ آپ دین اسلام پر نہایت فدا ہو چکے تھے۔ اب یہ چولہ آئندہ نسلوں کے لیے بطور وصیت نامہ اور ہدایت نامہ چھوڑ گئے ہیں۔ جس کا جی چاہے۔ وہاں جا کر دیکھ لیں۔ ایک اور چولہ بمقام موضع چولہ ضلع امرتسر میں بھی موجود ہے۔ جو غالباً بعد ازاں تیار کیا گیا۔ جس کی ہسٹری صیغہ راز میں ہے مگر بغداد والا اصل چغہ ڈیرہ بابانانک میں بیدیوں کے زیر حفاظت ہے جو باباجی کی نسل میں سے ہے اور بیدی صاحبان سے پکارے جاتے ہیں۔ بابا گرونانک نے اپنے پیچھے اپنے متقدین کے لیے اگر کوئی قابل احترام اور تاریخی چیز چھوڑی ہے تو وہ یہ بغداد والا چولہ ہے۔ ایک خدا کا بندہ رائے بھوئے بھٹی کی تلونڈی میں جس کی ماتا ترتپا، باپ کالورام، چچالالورام اور دادا بھائی سوبھا تھا پیدا ہوا۔ یہ تمام کا تمام خاندان سخت بت پرست تھا۔ بت پرستوں کے گھرانے میں جنم لے کر پنجاب کی سرزمین کو خدا کے نور سے منور کر کے کلمہ طیبہ کا نعرہ لگایا۔ انھوں نے یہ تاریخی چولہ قرآنی آیتوں والا اپنے پیچھے سچے خالصہ سکھوں کے لیے چھوڑا۔ کاش وہ اس چولہ کو نیز گرنتھ صاحب کے مندرجات کو غور سے پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ یہ چولہ ایک سوتی کپڑے کا ہے جس کا رنگ خاکی ہے اور بعض کناروں پر کچھ سرخی نما بھی ہے۔ (یہ سرخی

تعصب کے زمانہ میں ڈالی گئی تھی) جو انگدر کی جنم ساکھی میں لکھا ہے کہ اس پر تیس سپارے قرآن کریم کے لکھے ہیں غلط ہے۔ تیس پارے اتنی تھوڑی جگہ پر کیسے لکھے جاسکتے ہیں۔ تمام اسمائے الٰہی نہیں چند نام اللہ کے درج ہیں۔ بعض جنم ساکھیوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ چولہ پر عربی، فارسی، ترکی، ہندی اور سنسکرت پانچ زبانوں میں لکھی ہے یہ غلط باتیں جنم ساکھیوں میں کیوں لکھ دیا کرتے تھے۔ وہاں تو صرف عربی زبان میں آیات درج شدہ ہیں۔ آخر اس قسم کی اختراع کرنے کا دلی مقصد کیا تھا۔ محترمی عبد الرؤف صاحب مبلغ اسلام دین دار انجمن کراچی نمبر 19 و مصنف کتاب **گرو نانک ہندو نہیں تھے تو سکھ کیسے ہندو ہوں گے؟** گرو نانک کی پانچ سو سالہ برسی پر 23 نومبر 1929 کو بمقام ننکانہ پہنچے، ان کی گفتگو ڈیرہ بابا نانک کے متولی سردار بلونت سنگھ صاحب سے ہوئی۔ جن کا سلسلہ گرو نانک کی چوتھی پشت سے ملتا ہے۔ شرومنی اکالی دلی کمیٹی امرتسر کی مجلس عاملہ کے رکن گیانی بھونپدر سنگھ کے علاوہ اور کئی سکھ سردار موجود تھے، انھوں نے پوچھا سردار جی آپ بتلائیں کہ چولہ صاحب آپ کی نگرانی میں ہے، آپ سچ سچ بتائیں کہ اس پر عربی آیتوں کے سوا کسی اور زبان کا لفظ موجود ہے۔ انھوں نے تمام حاضرین کی موجودگی میں اقرار کیا کہ نہیں، سوائے عربی کے اور کوئی حروف نہیں ہیں۔ یہ باتیں پارٹی لیڈر تھونپدر سنگھ پارلمینٹ ممبر دہلی کے سامنے ہوئی تھیں۔

دوسری شادی

سکھ تاریخ سے یہ امر واضح ہے کہ گورونانک جی نے مسلماؤں سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ایک مسلمان عورت سے شادی بھی کی تھی۔ جس کا اصل نام بی بی خانم تھا لیکن سکھ تاریخ میں اسے ماتا مجھوت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ گرو جی کی اس شادی کا ذکر جنم ساکھیوں کے قلمی نسخوں میں موجود ہے۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ

- ست درہے ماتا مجھوت بیوی، دوئے دھیان ہویاں وڈے گھر سے لگیاں پھر جاں، تیسری واری پرسوت ہوئی، تا چلانا کیتا، نال گرو نانک جی بہت عاجزی کیتی کرتار اگے، پر کرتار بھانے داصاحب کہے نہ متے، تاں گرو نانک سی اداس ہویا اس جنم ساکھی سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ پہلی بیوی اور ان کے سسرال نے اس شادی کو بہت ناپسند کیا۔ ان کی یہ ناپسندیدگی فطری تقاضا تھا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پورے براعظم پر مسلمان حکمران ہوں تو ایسی صورت میں کوئی معزز مسلمان اپنی معزز دختر کو کسی ہندو لڑکے سے بیاہنے پر آمادہ ہو۔ پس گرو نانک جی کی یہ شادی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ گرو نانک جی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اسی بنا پر حیات خان منجھ نے اپنی لڑکی بی بی خانم کو آپ کے نکاح میں دے دیا تھا اور اس کے بطن سے آپ کے ہاں جنم ساکھیوں کے بقول اولاد بھی ہوئی تھی۔ اگر موجودہ دور کے سکھ وددان اس شادی سے انکار کر رہے ہیں تو وہ مجبور ہیں کیونکہ رسم گرو جی کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ **جو شخص مسلمان عورت سے شادی کرے تو اس کے اسلام میں کوئی شک نہیں۔**

گرو جی نے مسجد بنائی۔ اور امام مقرر کیا

سکھ تاریخ میں مرقوم ہے کہ گرو نانک جی نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں دریائے راوی کے کنارے کرتار پورا ایک قصبہ آباد کیا تھا جو آج کل تحصیل شکر گڑھ میں دربار صاحب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس قصبہ کو آباد کرنے کے لیے ایک مسلمان رئیس مالک نے کافی زمین بھینٹ کی تھی۔ گرو جی نے جب یہ قصبہ آباد کیا تھا تو اپنے گھر کے متصل ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی اور اس میں نماز پڑھانے کے لیے ایک امام بھی مقرر کیا تھا۔ گرو جی کی وفات پر مسلمانوں نے یہ بات بھی گرو جی کے مسلمان ہونے کے ثبوت میں پیش کی تھی۔

شاعری

گورو گرنتھ صاحب راگ رام کلی محلہ 5 صفحہ 1234 پر ہے

ایکو ہے بھائی ایکو ہے	صاحب میرا ایکو ہے
آپ لیو دیئے	آپے مارے آپے چھوڑے
آپے نذر کریئے	آپے دیکھے وگے
اور نہ کرنا جائی	جو کچھ کرنا سو کر رہیا
سب تیری وڈیائی	جیسا درتے تیسو کہیئے

- ترجمہ:

1. میر امالک ایک ہے، ہاں ہاں بھائی وہ ایک ہے
2. وہی مارنے والا اور زندہ کرنے والا ہے، وہی دے کر خوش ہوتا ہے
3. وہی جس پر چاہتا ہے، اپنے فضلوں کی بارش کر دیتا ہے
4. وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے بغیر اور کوئی بھی نہیں کر سکتا
5. جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے ہم وہی بیان کرتے ہیں، ہر چیز اس کی حمد بیان کر رہی ہے

گوڑی سکھمنی محلہ 1 صفحہ 430 پر ہے

ایک سمرا ایکو من آہ	ایکو جپ ایکو صالاح
تن من بھگونت	ایکس کے گن گاؤ اننت
پورن پور رہیو پر بھو بھو بیاپ	ایکو ایک ایک ہر آپ
ایک ارادھ پر اچھت گئے	ایک لبتھار ایک تے بھئے
گوروپر ساد نانک اک جاتا	من تن انتر ایک پر بھو داتا

- ترجمہ:

1. خدائے واحد کی پرستش کرتے رہنا، اپنا دل بھی اس سے لگائے رکھنا چاہیے
2. حقیقی تعریف اور عبادت کے لائق، تن من سے اس کی عبادت کرنی چاہیے
3. وہ ہر جگہ موجود ہے، کوئی جگہ اس سے خالی نہیں
4. تمام کائنات کی قدرت کا کرشمہ ہے، اس کی عبادت سے کسی اور کی حاجت نہیں رہتی
5. ہماری تن من میں وہی سمایا ہوا ہے، نانک جی گورو کی رحمت سے شناخت کر لیا ہے

اسنوں کریو چو گنا　　　نام لیو جس اکھر دا

کالٹو بیس بٹا　　　دو ہور ملا کے پنج گنا

نانکا ہر اس اکھر وچوں نام محمدا　　　باقی بچے سونو گن کر دو ہور ملا

اسے دوسری شکل میں یوں بھی دیا گیا ہے

چو گنا کر و تا　　　لو نام چر اچر

کالٹو بیس بٹا　　　دو ملا کر پانچ گنا

نانکا اس بد ہر کے نام محمد لو بنا　　　جو باقی رہے سونو گن دونو ہور ملا

تشریح : کوئی نام لو اس کے حروف گن لو پھر اس کی تعداد کو 4 کے ساتھ ضرب دو۔ حاصل ضرب میں 2 جمع کر دو۔ جو جواب ملے اسے 5 کے ساتھ ضرب دے دو۔ اب حاصل ضرب میں 2 کو جمع کرو۔ جواب ہمیشہ 92 آئے گا۔

جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ 213 پر ہے

جو راہ شیطانی گم تھیئے جان کرنہ کوئے　　　پڑھ پکار قرآن بوہ خاطر جمع نہ ہوئے

- ترجمہ : قرآن شریف کو بہت پڑھتے ہیں مگر جمعیت باطنی حاصل نہیں ہوتی اس کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ شیطان کی راہ گم ہو گئے ہیں دراصل قرآن سے منہ پھیرے ہیں۔

ماگھی بھائی بالا والی وڈی صفحہ 440 پر ہے

تس وچ بہت نصیحتاں سن کر کر و یقین　　　تریہی حرف قرآن دے تہی سپارے کیں

- ترجمہ: قرآن کے تین حروف تیس ہی سپارے کیے گئے ہیں، اس میں بہت سی نصیحتیں ہیں تم ان پر یقین کرو

جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ 284 پر ہے

تھوڑا بہت کھٹیا ہتھوں ہتھ گوین　　　لعنت بر سر تنہا جو ترک نماز کریں

ان لوگوں پر لعنت جو نماز ترک کریں، جو کچھ تھوڑا بہت عمل کیا تھا اس کو بھی دست بدست ضائع کیا۔

جنم ساکھی سری گرونانک جی صفحہ 16 پر ہے

ایک اک نام کیا ادھارو　　　سوئی قاضی جن آپ تجیا

سچا سہ جن ہارو　　　ہے بھی ہوسی جائے نہ جاسی

پڑھے کتب قرآنا　　　پنج وقت نماز گزارے

رہیو پینا کھانا　　　نانک آکھے گور سد پہی

- ترجمہ

1. قاضی وہ ہے جو خودی اور خود روی مٹا دیتا ہے، صرف اللہ کو ہی سہارا بنالیتا ہے۔
2. خدا موجود ہے غیر فانی ہے آئندہ بھی موجود رہے گا وہ حق ہے اور ہر چیز کا خالق مالک ہے۔
3. قاضی دن میں پانچ وقت نماز گزارتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے۔
4. نانک کہتے ہیں کہ اے لوگو تمھیں قبر بلا رہی ہے۔

گورو گرنتھ شلوک فرید اا ردو صفحہ 2199 پر ہے

ایہہ نہ بھلی ریت	فرید ابے نماز کتیا
پنج وقت مسیت	کبھی چل نہ آیا
صبح نماز گزار	اٹھ فریدا نماز ساج
سو سر کپ اتار	جو سر سائیں نہ نیویں
سو سر کیجئے کائیں	جو سر سائیں نہ نیویں
بالن سنڈرے تھائیں	کنے ہیٹھ جلایئے

- ترجمہ:

1. اے فرید بے نمازی کتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے
2. تو کبھی پانچ وقت مسجد میں چل کر نہ آیا
3. اے فرید اٹھ وضو کر، صبح نماز گزار
4. جو سر اللہ کے سامنے نہ جھکے، اس سر کو کاٹ دیں
5. جو سر اللہ کے سامنے نہ جھکے، وہ سر بے کار ہے
6. ایسے سر کو چولہے میں ہنڈیا کے نیچے ایندھن کے طور پر استعمال کرو

گورو گرنتھ صاحب وار ماجھ شلوک محلہ اردو صفحہ 119 پر ہے

پنجے نیچاناؤں	پنج نمازاں وقت پنجے
تیجا خیر خدائے	پہلا سچ حلال دوئے
پانچویں حمد بیان کرنا	چوتھی نیت راس من
تاں مسلمان سدائے	کرنی کلمہ آکھ کے
کوڑے کوڑی پائے	نانک جیتے کوڑیار

- ترجمہ:

1. پانچ نمازیں ہیں اور ان کے پانچ اوقات ہیں
2. سچ کہنا حلال کھانا ہر ایک کے لیے خیر کی خواہش کرنا
3. چوتھی نیت اپنی کو صاف کرنا، پانچویں حمد بیان کرنا
4. کلمہ اپنے عمل کے ذریعے پڑھو، پھر تو مسلمان کہلائے
5. نانک کہتے ہیں جس قدر لوگ جھوٹے ہیں، جھوٹ کو پائیں گے

دانشوروں کی نظر میں نانک جی

ڈکشنری آف اسلام صفحات 583 تا 591 پر لکھا ہے کہ جب نانک اور شیخ فرید نے سفر میں مدافقت اختیار کی تو ایک گاؤں بسیار نامی میں پہنچے جہاں کہیں بیٹھے تو ان کے اٹھ جانے کے بعد وہاں کے ہندو لوگ جگہ کو گائے کے گوبر سے لپائی کر کے پاک کرتے۔ اس کا باعث صاف یہ ہے کہ سنحت پابند مذہب کے ہندو ان دونوں رفیقوں کی نشت گاہوں کو ناپاک خیال کرتے تھے۔ اگر نانک مذہب کے لحاظ سے ہندو رہتا تو ایسی باتیں اس کی نسبت کبھی تذکور تر ہوتیں۔ سکھوں کے گروں کی تعلیمات میں ہم صاف صاف تصوف کی آمیزش پاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ پہلے گرو فقراء کے لباس اور وضع میں زندگی بسر کیا کرتے تھے اور اس طریق سے صاف ظاہر کرتے تھے کہ مسلمانوں کے فرقہ صوفیائے کرام سے ان کا تعلق ہے۔ تصاویر میں انھیں ایسا دکھایا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گلدستے ان کے ہاتھوں میں ہیں (جیسا کہ مسلمانوں کا طریقہ تھا) اور طریق ذکر کے ادا کرنے پر آمادہ ہیں۔ ان کی کی نسبت جو روایات جنم ساکیوں میں محفوظ ہیں وہ پوری شہادت دیتی ہیں کہ ان کا تعلق دین اسلام سے تھا۔

- پروفیسر جوگندر سنگھ نے کہا ہے کہ ایک مسلمان فقیر نے گرو جی کے والد صاحب کو آپ کی پیدائش کی بشارت دی تھی۔
- پادری ہیوز نے کہا ہے کہ ان کے مقالات میں بتایا گیا ہے کہ اگرچہ وہ مرد ہیں۔ مگر حقیقت میں عورتیں ہیں۔ جو محمد مصطفٰے اور کتاب اللہ (قرآن شریف) کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے۔ نانک اسلام کے نبی کی شفاعت کا اعتراف کرتا ہے اور بھنگ شراب وغیرہ اشیاء سے منع کرتا ہے۔ دوزخ اور بہشت کا اقرار کرتا ہے اور انسان کے حشر اور یوم الجزاء کا قائل ہے۔
- ٹی ایل جی شیخ فرید ثانی اور گرونانک جی کی دوستی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ گرونانک کا مذہب ملاپ ایکتا تھا انھوں نے اسلام کی تعلیم میں وہ کچھ دیکھا جو دوسرے ہندوؤں کو بہت کم نظر آتا تھا۔ گرو جی کو مسلمانوں سے میل جول کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ شیخ فرید ثانی دس سال تک ان کے ساتھ مل کر لوگوں کو اللہ تعالی کی راہ بلاتے رہے۔
- ڈاکٹر تاراچند جی کا بیان ہے کہ گرونانک صاحب حضرت بانی اسلام ﷺ کی تعلیم اور اسلام سے بے حد متاثر تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو اس رنگ میں پورے طور پر نگین کر دیا تھا۔
- مسٹر میکاف نے بھی گواہی دی ہے کہ جب کبھی موقع آیا گرونانک جی نے عرب کے پیغمبر کو ماننے والے مسلمانوں کی طرح بانگ بھی دی۔
- آریہ سماج کا سیکرٹری سر گوکل چند نیر نگ نے اپنی اردو **ڈکشنری آف سکھ ازم** میں کہا ہے کہ نانک جی ہندو یوگیوں کے پاس جب جایا کرتے تھے تو ان کی تردید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یوگیوں سے اپنی کامیاب گفتگو کے بعد گرو جی نے مکہ معظمہ کی زیارت کا تصفیہ کیا جو

مسلمانوں کا کعبہ ہے۔ انھوں نے مسلمان حاجیوں کا نیلا لباس پہنا، فقیر کا عصاء ہاتھ میں لیا اور اپنی کتاب مناجات کا مجموعہ بغل میں دبایا۔ انھوں نے اپنے ساتھ مسلمان متقی کے انداز میں ایک لوٹا اور نماز کے لئے مصلےٰ لیا جس پر نماز ادا کر سکیں اور جب وقت ہوا تو انھوں نے دیگر کٹر مسلمانوں کی طرح جو پیغمبر عرب کے پیرو ہیں نماز کے لیے اذان کہی۔

- خالصہ پارلیمنٹ نے کہا ہے کہ ست گرونانک جی کے اُپدیشوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ نے اسلام مذہب کے خلاف کہیں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔۔۔۔۔روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے کو آپ نے کبھی برا نہیں کہا مگر یہ بات ضروری ہے کہ نمازی کو نماز پڑھتے وقت روحانی حالت میں ہونا چاہیے۔
- ایک مشہور ہندو دان ڈاکٹر تاراچند جی بیان کرتے ہیں۔ یہ حقیقت واضح ہے کہ گرونانک صاحب حضرت بانی اسلام (ﷺ) کی تعلیم اور اسلام سے بے حد متاثر تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو اس رنگ میں پورے طور پر رنگین کر لیا تھا۔
- ایک ہندو محقق ڈاکٹر ایس رادھا کرشن نے اس بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ گرونانک جی اسلام مذہب کے مسئلہ توحید سے بے حد متاثر تھے اور انھوں نے بت پرستوں کو بہت پھٹکارا۔ خدائے تعالیٰ واحد اور یگانہ ہے اور وہ انصاف بھرا پیار کرنے والا ہے، نیک اور بے عیب ہے، غیر مجسم ہے اور غیر محدود ہے۔ نیز عالم کائنات کا مخلوق ہے، پیار اور نیکی کی پرستش چاہتا ہے۔ یہی عقیدہ سکھ دھرم میں مقدم ہے۔
- گرودارہ ٹریبونن کے ایک فاضل جج نے اس کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ بعض لوگ کا خیال ہے کہ گرونانک نے اپنے بعض عقائد اسلام سے اخذ کیے ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ انھوں نے خود کو اسلام کے خلاف ظاہر نہیں کیا۔ دیکھیے ہیوز صاحب کی ڈکشنری آف اسلام۔
- ایک ہندو فاضل ٹی۔ ایل وسوانی نے کہا ہے کہ گرو جی اور حضرت فرید ثانی اکھٹے سفر کرتے رہے اور اس طرح دس سال تک پیغام حق پہنچاتے رہے۔ جیسا ان کا بیان ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ گرونانک صاحب کا مذہب ملاپ اور ایکتا کا مذہب تھا اس لیے انھوں نے اسلام کی تعلیم میں وہ کچھ دیکھا جو دوسرے ہندوؤں کو بہت کم نظر آتا ہے۔ گرو جی کو مسلمانوں سے میل جول کرنے سے لذت معلوم ہوتی تھی۔ شیخ فرید (ثانی) دس سال تک گرو جی کے ساتھ مل کر اعلائے حق اور کلمتہ اللہ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اکثر مقامات کے ہندوؤں نے اسے ناپسند مگر اس ایکتائے او تار نے اس کی کوئی پروا نہیں کی۔

مسلم ممالک میں گرو جی کی یادگاریں

- بغداد میں گرو جی کی ایک یادگار کو ایک پاکستانی تاجر شریف حسین نے نئے سرے سے تعمیر کرایا ہے۔ اس سے قبل بھی اس کی تعمیر میں کاظم پاشا نے بھی دلچسپی لی تھی۔ جو 1317ھ میں ہوئی تھی۔ (گورسند 1962ء)
- ڈاکٹر کرتار سنگھ جی کا بیان ہے کہ افغانستان میں گرونانک جی کی ایک یادگار زیارت شاہ ولی کے نام پر ہے۔
- قندھار میں جنوب مغرب کی طرف پینتیس میل دور آٹھ مربع کا ایک چبوترا سا ہے۔ یہ بھی گرو جی کی یادگار ہے۔ وہاں کا مسلمان محافظ کسی بھی شخص کو بغیر نہلائے اندر جانے نہیں دیتا۔
- جلال آباد افغانستان میں گرو جی کا ایک یادگار چشمہ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وہاں کی حکومت کے قبضے میں ہے۔ بیساکھی کے دن وہاں دیوان کیا جاتا ہے۔ حکومت کے بہت سے سرکاری افسر سکھوں کی دلجوی کے لیے اس دیوان اور جلوس میں شامل ہوتے ہیں۔

- جنوبی ہند میں گرو جی کی ایک یادگار **نانک جھیرا** کے نام سے مسلمانوں نے قائم کی ہے۔ اسی کے ساتھ ریاست حیدرآباد کی طرف بھی ایک جاگیر لگادی گئی تھی۔
- ملتان میں مسلمانوں نے گرو جی کی ایک یادگار بنائی تھی۔ اور وہاں ایک پنجہ کا نشان تھا۔ جو بھائی ویر سنگھ جی کے بقول مسلمانوں نے اکالی سکھوں کے خوف سے کہ وہ کہیں اس تمام جگہ پر بھی قبضہ نہ جمالیں۔ مٹادیا۔
- سرسر ضلع حصار میں بھی ایک استھان ایک پریمی مسلمان نے گرو جی کی یادگار تعمیر کروایا تھا۔
- گرو جی کی ایک یادگاری ایک اور استھان کے جسے عام طور پر گوردوارہ **نگاہاصاحب** کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے تعمیر کرایا ہوا ہے۔
- بالاکوٹ میں می گرو جی کی یاد میں ایک استھان وہاں کے مسلمانوں نے تعمیر کرایا تھا۔
- ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ میں گرو جی کی ایک یادگار "روٹی صاحب" ہے اس کی تعمیر محمد شاہ بخاری نے کروائی تھی۔
- حسن ابدال میں حضرت حسن کے ساتھ بابا کے اچھے تعلقات تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت حسن صاحب نے پہاڑی سے ایک پتھر بابا کی طرف پھینکا۔ بابا نے وہ پتھر اپنے پنجے سے روکا۔ پنجے کا نشان پتھر پر پڑ گیا۔

یہی پنجہ صاحب کی وجہ تسمیہ ہے۔ گوردوارہ پنجہ صاحب سے متعلق بھی سکھ تاریخ میں مرقوم ہے کہ اس میں حوض اور بارہ دری وغیرہ ہے اس کی تعمیر خود شمش الدین نے کروائی تھی۔

- گردوارہ قلات کے ساتھ خان قلات نے جاگیر لگادی تھی۔
- گوروارہ بیر صاحب کے مہنت کے نام محمد شاہ بادشاہ نے لکھ دیا تھا کہ اسے شاہی خزانے سے روزانہ دو آنے دیے جایا کریں۔
- گیانی گیان سنگھ جی بیان کرتے ہیں کہ جب اورنگ زیب بادشاہ آسام کی ہم نفت کر کے واپس آیا تو راجا بشن سنگھ کے کہنے پر اس کی فوج کے تمام سپاہیوں سے مٹی کی پانچ پانچ ٹوکریاں گرونانک جی کی یادگار کے بنانے کے لیے ڈالی تھیں۔
- گیانی گیان سنگھ جی نے اس سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے گروی کی جتنی جاگیریں بنوائی تھیں ان کی شکل عموماً مساجد کی مانند ہیں۔ جیسا کہ ان کا بیان ہے کہ جہاں جہاں ادھر (اسلامی ممالک میں) گرو جی گئے۔ وہاں بابا جی کے مکان مساجد کی شکل میں بنے ہوئے ہیں اور انھیں ولی ہند کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔
- گرونانک جی کی یاد میں ایک گردوارہ بیر صاحب بنایا گیا ہے اس کے متعلق ایک سکھ ودوان نے بیان کیا ہے کہ ایک اور روایت کے مطابق گردوارہ بیر صاحب والے مقام پر ایک مسلمان صوفی اللہ دتہ رہا کرتا تھا۔ ندی کی طرف جاتے ہوئے گرو جی روزانہ اس فقیر سے مل کر جایا کرتے تھے۔ ایک دن صوفی اللہ دتہ شاہ صاحب نے گرو صاحب سے کہا کہ میں اپنے مہمان کی اب مزید خدمت نہیں کر سکتا۔ اس لیے اب میں اپنا مکان ہی مہمان (گرو جی) کو پیش کرتا ہوں۔
- سکھ تاریخ میں مرقوم ہے کہ رائے بلار ننکانہ صاحب کا رئیس مسلمان راجپوت تھا۔
- ایک تالاب ننکانہ صاحب میں (میں بال لیلا گوردوارہ کی مشرقی جانب) گرو جی کی یادگار کے طور پر رائے بلار نے بنوایا تھا۔
- اس کے علاوہ رائے بلانے بہت سی زمین بھی دے دی تھی۔

- جنم استھان ننکانہ صاحب کے ساتھ 247 مربع زمین بھی رائے بلار نے لگا دی تھی۔
- ننکانہ صاحب گردوارہ بال لیلا کے ساتھ 120 مربع زمین اکتیس روپے سالانہ جاگیر
- ننکانہ صاحب گردوارہ بال جی صاحب کے ساتھ 190 مربع زمین اور پچاس روپے سالانہ جاگیر
- ننکانہ صاحب گردوارہ گیارہ صاحب کے ساتھ 45 مربع زمین۔
- معتبر بزرگ بھائی کیسر سنگھ جی چھبر بیان کرتے ہیں کہ گروجی کی وفات کے بعد ان کی یاد کے طور پر کہ مسلمانوں نے گروجی کی وفات کے بعد ان کی یاد کے طور پر ایک مسجد بنوائی تھی اور ایک کنواں بھی بنوایا تھا۔ چھبر صاحب نے ان دونوں چیزوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔

وفات

گرونانک سنہ 1539ء کو کرتارپور میں فوت ہوئے تو روایت کہ مطابق مقامی سکھ، ہندو اور مسلمان ان کی آخری رسومات کے حوالے سے آپس میں لڑنے لگ گئے۔ دونوں اپنی اپنی مذہبی روایت کے مطابق ان کی آخری رسومات کرنا چاہتے تھے۔ اس پر اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ بابا گرونانک کی میت چادر کے نیچے سے غائب ہو چکی تھی اور اس جگہ مقامی لوگوں کو پھول پڑے ملے تھے۔

سکھ تعلیمات اور رسومات

سکھ توحید پر بڑے پکے ہیں، بت پرستی اور شرک سے سخت نفرت ہے، ذات پات سے شدید نفرت ہے، ذکر اذکار اور گرنتھ پڑھنے کا ماحول ہے۔ انہوں نے تقریباً خانقاہی نظام کی نقل کی ہوئی ہے۔ ذکر اذکار، اللہ اللہ کرنا، تسبیح پڑھنا، گرنتھ کی تلاوت، اور لنگر جو ہر وقت چلتا رہتا ہے۔ ہمارے صوفیاء کرام کے پرانے خانقاہی نظام میں بھی یہی باتیں ہوتی تھیں، مسلسل ذکر اذکار اور مسلسل لنگر کہ جو بھی آئے کھانا کھائے۔

سکھوں کی کچھ علامتیں بھی ہیں۔ پنج ککے یعنی کاف سے شروع ہونے والی پانچ چیزیں:

1. کڑا ہاتھ میں ضرور پہنتے ہیں۔
2. کیس، یعنی ان کے ہاں مذہبی طور پر جسم کا کوئی بال کاٹنا جائز نہیں ہے، بڑے بڑے بال ہو جاتے ہیں جنہیں سنبھالنا پڑتا ہے، ان کا جوڑا بناتے ہیں، داڑھی سمیٹی ہوتی ہے۔
3. کنگھا لازمی ان کے پاس ہوتا ہے۔
4. کچھا ضرور پہنتے ہیں۔
5. کرپان رکھتے ہیں، جو خنجر سے بڑی اور تلوار سے چھوٹی ہوتی ہے۔

سکھ داڑھی رکھتے ہیں اور پگڑی ضرور باندھتے ہیں، انہوں نے پگڑی کے لیے بڑی لڑائی لڑی ہے کہ یہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ برطانیہ میں بھی انہوں نے اپنا حق منوایا ہے، امریکہ میں بھی منوایا ہے۔ اور پاکستان میں بھی سکھ مذہب کو خصوصی اجازت حاصل ہے کہ وہ ٹوپی یا ہیلمٹ کے بجائے پگڑی پہنیں گے۔ یہ ان کی چند علامات ہیں۔


گولڈن ٹیمپل (امرتسر انڈیا)

صوفیاء کرام سے اب بھی بہت محبت کرتے ہیں، آپ کسی سکھ کے سامنے بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے لیں تو وہ آپ کا معتقد ہو جائے گا۔ امرتسر کا معنی ہے آب حیات۔ امرتسر میں جو گولڈن ٹیمپل ہے، اس میں جانے کے لیے اس کے گرد احاطہ کیے ہوئے پانی کے چشمے میں پاؤں دھو کر ننگے پاؤں جانا پڑتا ہے۔ اس پانی کی ان کے ہاں وہی حیثیت ہے جو ہمارے ہاں زمزم کی ہے۔ گولڈن ٹیمپل کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے انہوں نے حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی۔ حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر صوفیاء میں سے ہیں، لاہور میں ان کا مزار ہے۔ ہر سال میلہ لگتا ہے۔ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیدل امرتسر گئے تھے اور گولڈن ٹیمپل کا سنگ بنیاد رکھا۔

یہ تو سکھوں کا مذہبی پہلو تھا کہ ہندوؤں سے الگ ہو گئے لیکن مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے، اور سکھ مت ایک نیا مذہب بن گیا جو پانچ سو سال سے چل رہا ہے۔

ایک سکھ شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی مشہور نظم

ہم کسی دین سے ہوں، قائلِ کردار تو ہیں	ہم ثناء خوانِ شہِ حیدرِ کرار (رضی اللہ عنہ) تو ہیں
نام لیوا ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پرستار تو ہیں	یعنی مجبور پئے احمد مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے، کوئی چارہ تو نہیں	صرف مسلم کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ اجارہ تو نہیں

سکھ مذہب کو اسلام کی دعوت

سکھ مذہب کے بنیادی عقائد میں توحید بھی شامل ہے۔ جیسا کہ بابا گرونانک کی تعلیمات اور کتابوں میں ذکر ہے۔ جبکہ اسلام کی بنیاد ہی توحید ہے۔ اسی طرح بابا گرونانک اسلامی عقائد اور اسلام کے صوفیاء کرام سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ اور یہی لگاؤ ان کو اسلام کے مقدس مقامات تک بھی لے گیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے مختلف بزرگوں کے مزارات پر چلہ کشی بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی سکھ مذہب میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ شمس تبریز کا انتہائی احترام موجود ہے۔

انھیں دعوتِ دین میں ان تمام بزرگوں کے حوالہ جات شامل کیجئے۔ اور بابا گرونانک کی تعلیمات کا حوالہ دیجئے۔

عقائد

خدا

سکھ مت کا ماننا ہے کہ خدا (نرنکار) بے ہیئت اور کسی واضح شکل کے بغیر ہے۔ یہ عقیدہ وحدت الوجود اور عقیدہ توحید کی ایک قسم ہے۔

"نرگن" کے مطابق خدا ایک غیر صفاتی، مبہم، نادیدہ مگر ہر جہ موجود اثر پذیر شے کا نام ہے جبکہ "سرگن" کے مطابق خدا کی خوبیاں، صفات تمام

مخلوق میں آشکار ہیں۔(اِک اونکار۔خدا ایک ہے وہی لازوال حقیقت ہے وہ بے خوف و نفرت ہے پیدائش و موت سے ماورا غیر فانی خدا)۔
اسلام سختی سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر زور دیتا ہے۔اسلام کے مطابق خدا ایک ہے اور محمد خدا کے رسول ہیں۔اسلام بت پرستی یا دیوی دیوتاؤں کے ماننے سے بیزار ہے۔یہ توحیدی نظریہ اسلام میں شہادت (گواہی) کہلاتا ہے۔ یہ اسلامی عقیدے شہادت کا حصہ ہے۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (1) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (3) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (4)﴾(سورہ اخلاص)

کہہ دو وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔اور اس کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔

روحانی پیشوا/رسول

سکھ مذہب کا ماننا ہے کہ گرونانک عظیم پیشوا اور سب سے بڑے گرو یا اُستاد ہیں جنھوں نے خدائے عظیم کی تعلیمات دُنیا میں پھیلائیں اور سکھوں کے دس گروؤں کی شکل میں خدا کی صفات و خصوصیات کا ظہور ہوا۔ سکھ مت کا ماننا ہے کہ دوسرے مذاہب میں بھی روحانی پیشوا گذرے ہیں مثلاً کرشن، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسلام کا ماننا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے انبیا کرام دُنیا میں آئے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ آخری کتاب ہے۔

قوانینِ مذاہب

اسلام میں پانچ بنیادی ارکان / قانون ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض اور واجب ہے۔یہ ارکان ❶-شہادت (گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اور محمد اس کے رسول ہیں)-❷ نماز، ❸-روزہ، ❹-زکوۃ اور ❺-حج شامل ہیں۔

سکھ مت میں تین بنیادی قوانین ہیں۔نام ❶-جپنا، ❷-کِرت کرنی اور ❸-ونڈ چکھنا۔

اصطباغی امرت دھاری سکھ خالصہ فرقہ ہے جس کی بنیاد 1699 میں سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ نے رکھی تھی ان کے عقیدہ میں پنج کاف مذہب سکھ کا لازمی جُز ہیں۔

❶-کیس (غیر تراشیدہ بال) ❷-کنگھا ❸-کرپان ❹-کڑا ❺-کچھا

امرت دھاری سکھ دن میں سات مختلف عبادتوں کے مجموعے کو ادا کرتے ہیں ان لازمی عبادتوں کو "نت نام" کہا جاتا ہے۔

معاشرتی عقائد

سکھ مذہب میں معجزوں کے متعلق متضاد اور ملا جلا ردعمل پایا جاتا ہے۔خود سکھ مت میں اور دوسرے مذاہب کے خلاف تفریق کو سختی سے رد کیا جاتا ہے۔ مذہبی رسومات کی اجازت نہیں مگر معاشرتی یا علاقائی رسم و رواج سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔سکھ مت میں ناکتخدائی اور رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔بانی سکھ مت گُرونانک نے ہندومت کے عقیدہ حیاتِ نو کو اپنایا اور تناسخ کی تعلیم دی۔مذہبی کتاب آدی گرنتھ دوسرے مذاہب کی روحانی تعلیمات کو ماننا اور اپنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ اسلام اپنے آپ کو مکمل اور آخری مذہب قرار دیتا ہے اور قرآن و سنت کے خلاف کسی بھی تعلیم کو بدعت قرار دے کر سخت مخالفت کرتا ہے۔ اسلام میں معجزات کی بہت اہمیت ہے اور یومِ آخر (قیامت) پر یقین ایمان کا حصہ کہلاتا ہے۔

تبدیلیٔ مذہب

کسی بھی مسلمان کی مذہب سے کنارہ کشی، دہریت یا مذہب کی تبدیلی کو نا قابلِ معافی جرم سمجھا جاتا ہے جس کی سزا موت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ سبحان وتعالیٰ سے بغاوت ہے اور دنیا کے ہر ملک میں بغاوت کی سزا موت ہی ہے۔ دنیا کا کون سا ملک ہے جو اپنے باغی کو نہ صرف زندہ چھوڑ دے بلکہ اسے پوری آزادی بھی دے کہ وہ اس کے ملک میں ہی رہ کر ملک کے خلاف سازش کرتا رہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا باغی کس طرح اللہ کی زمین پر رہے اور اس سے بغاوت بھی کرے اور اس کی نعمتوں پر عیاشی بھی کرے۔

سکھ مذہب میں اپنی من پسند راہ چننے اور ضمیر کے مطابق عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے۔

دوسرے مذاہب کے متعلق خیال

سکھ مذہب کے مطابق تمام مذاہب اُنکی روایات مستند ہیں جو اُسی واحد "واہ گرو" کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور انسانیت پر کسی ایک مذہب کی اجارا داری نہیں۔

اسلام تمام مذاہب کا احترام کرتا ہے اور نہ صرف احترام کرتا ہے بلکہ تمام اقلیتوں کو ان کے مذاہب پر عمل کرنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک میں غیر مسلم افراد کی عبادت گاہیں بھی موجود ہیں اور انھیں مذہبی آزادی بھی حاصل ہے۔ اسلام کے مطابق دوسرے تمام مذاہب میں انسانوں نے اپنی دلی خواہشات کے ترمیم اور ردوبدل کر دی ہے۔

⑦ *Spiritism :



19 ویں صدی میں جنم لینے والا یہ مذہب Spiritualistic Philosophy پر یقین رکھتا ہے جس کی تعلیمات فرانس کے رہنے والے Hippolyte Léon Denizard Rivail نے دیں۔ ان کی دُنیا میں کُل تعداد 30 ملین ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا تقریباً 0.21 فیصد ہیں۔

رُوح پرستی / سپِرٹ ازم کیا ہے؟

جیسا کہ اس کے بانی ایلن کارڈیک نے بیان کیا ہے کہ سپرٹ ازم "ایک سائنس ہے جو لافانی مخلوقات اور انسانوں کے درمیان تعلق کے لیے وقف ہے۔" کارڈیک ایک فرانسیسی ماہر تعلیم تھا جس کا اصل نام ہپولائٹ لیون ڈینیزرڈ ریویل (Hippolyte Leon Denizard Rivail) تھا۔ کارڈیک نے کارڈیکی رُوحانی عقیدے کو ضابطہ طور پر ترتیب دیا جس کا مقصد رُوحوں- اُن کے نقطۂ آغاز، فطرت، تقدیر اور طبعی دنیا سے تعلق کا مطالعہ کرنا تھا۔ سپرٹ ازم ایک مقبول تحریک بن گئی تھی اور اب 35 ممالک میں اِس کی نمائندگی کی جاتی ہے۔ یہ ظاہر کرنے کی کوشش میں کہ سپرٹ ازم کس طرح سے رُوحانیت / Spiritualism سے مختلف ہے کارڈیک نے ایک کتاب The Spirits' Book (رُوحوں کی کتاب) بھی قلمبند کی۔

سپرٹ ازم کا بنیادی تصور یہ ہے کہ لافانی رُوحیں خود کو اخلاقی اور شعوری طور پر بہتر بنانے کے لیے کئی دورِ حیات تک ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اگرچہ یہ عقیدہ دوبارہ جنم لینے (آواگون) سے ملتا جلتا لگتا ہے لیکن یہ اس لحاظ سے مختلف ہے کہ سپرٹ ازم کے مطابق رُوحیں جانوروں یا زندگی کی کسی بھی طرح کی پست شکل میں واپس نہیں آسکتیں۔ رُوح کی منتقلی ہمیشہ آگے کی جانب ہوتی ہے اور رُوحیں ہمیشہ انسانی بدنوں میں رہتی ہیں۔ رُوحانی سپرٹ ازم کے حامیوں کا ماننا ہے کہ یہ عمل انسانوں میں مزاج اور عقل کے فرق کی وضاحت کرتا ہے۔ سپرٹ ازم یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ بدن سے جُدا رُوحیں زندہ لوگوں پر شفقت بھرے یا مضر اثرات مرتب کر سکتی ہیں اور یہ کہ انسان محفلِ کشف اور کسی غیب بین کے ذریعے رُوحوں کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہیں۔ انیسویں صدی میں جدت پسندی کے ساتھ ساتھ سپرٹ ازم نے بھی مقبولیت پائی اور یہ کئی محاذوں بالخصوص اس عقیدے پر اِس فلسفے کے ساتھ ہم آہنگ ہے کہ انسان عقلی فکر کے ذریعے مسلسل بہتری لا سکتا ہے۔ مصنف سر آرتھر کونن ڈوئل اور اُن کی اہلیہ اِس علم و نظریہ کے مشہور ماہرین تھے۔

سپرٹ ازم کے حامیوں کے مطابق سپرٹ ازم کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ ایک فلسفہ اور "طرزِ زندگی" ہے۔ اس میں کوئی خدمت گزار نہیں ہوتے اور گروہ کے اجلاس رُوحوں کے بارے میں اِس قسم کے خیالات کا اشتراک کرنے پر مشتمل ہوتے ہیں کہ وہ دنیا میں کیسے نقل و حرکت کر سکتی یا نہیں کر سکتی ہیں اور اِن حرکات کے نتائج، وغیرہ۔ گو کہ وہ اخلاقیات کے مطابق زندگی بسر کرنے اور ذی شعور فکری کوششوں کی تائید کرتے ہیں سپرٹ ازم کے حامی عبادت یا اصولوں کی پیروی کرنے کی نسبت سائنسی تحقیق کو اہمیت دیتے ہیں۔

بائبل سپرٹ ازم سے واضح طور پر منع کرتی ہے۔ خدا کے لوگوں کو رُوحوں سے رابطہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ محفلِ کشف اور جادو گری خدا کی طرف سے منع کردہ پُراسرار سرگرمیاں ہیں (احبار 19 باب 31 آیت؛ 20 باب 6 آیت؛ گلتیوں 5 باب 20 آیت؛ 2 تواریخ 33 باب 6 آیت)۔ سپرٹ ازم علم الا پُراسرا کو "سائنس" کے لبادے میں چھپاتا ہے، لیکن یہ حقیقت کوئی فرق پیدا نہیں کرتی۔ بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ ہماری ہی حفاظت کے پیشِ نظر

رُوحانی دنیاہمارے لیے ممنوعہ ہے۔ سپرٹ ازم کا جن رُوحوں کے ساتھ تعلق ہے وہ انسان نہیں ہیں؛ بائبل فرماتی ہے کہ موت کے بعد انسانوں کی رُوحوں کو عدالت میں حاضر ہونا پڑتا ہے (عبرانیوں 9 باب 27 آیت) اور کلامِ مقدس میں یہ تجویز کرنے والا کوئی بیان نہیں ہے کہ رُوحیں کسی بھی وجہ سے یا کسی بھی شکل میں زندوں کی زمین پر واپس آتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ابلیس دھوکہ باز ہے (یوحنا 8 باب 44 آیت)۔ کلامِ مقدس سے عقلی نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ سپرٹ ازم کے ماہر کا "مرنے والوں کی رُوحوں" کے ساتھ کوئی بھی رابطہ حقیقت کے بھیس میں شیاطین سے رابطہ ہے (مکاشفہ 12 باب 9 آیت)۔ سپرٹ ازم بائبل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور رُوحانی طور پر خطرناک ہے۔ "تُم ہوشیار اور بیدار رہو۔ تمہارا مخالف اِبلیس گرجنے والے شیر بَبر کی طرح ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ کس کو پھاڑ کھائے" (1 پطرس 5 باب 8 آیت)۔

اسپرٹ ازم (Spiritism) ایک عقیدہ اور فکری نظام ہے جس کی بنیاد فرانسیسی مصنف اور معلم Allan Kardec نے انیسویں صدی کے وسط میں رکھی۔ یہ نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ ایک روحانی دنیا بھی موجود ہے، جس تک رسائی پیروکاروں کے نزدیک میڈیمز (روحانی واسطہ رکھنے والے افراد) کے ذریعے ممکن ہے۔ اسپرٹ ازم کے مطابق روحیں انسانی جسم سے الگ وجود رکھتی ہیں، انسان دراصل جسم میں موجود روح ہے، اور روحیں بار بار جسمانی دنیا میں تناسخ کے ذریعے واپس آتی ہیں تاکہ ذہنی اور اخلاقی کمال حاصل کریں۔ اگرچہ اس کی ابتدا یورپ میں ہوئی، لیکن وہاں اس کی مقبولیت کم ہو گئی ہے جبکہ یہ خاص طور پر Brazil میں بہت مقبول ہے۔

اسپرٹ ازم کی تاریخ

اسپرٹ ازم کے پیروکار Léon-Dénizarth-Hippolyte Rivail (جو Allan Kardec کے قلمی نام سے مشہور ہیں) کو اس نظریے کو منظم شکل دینے کا سہرا دیتے ہیں۔ Kardec 1804ء میں Lyon، فرانس میں پیدا ہوئے۔ سوئٹزرلینڈ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ پیرس منتقل ہوئے اور 1828 میں لڑکوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا۔ وہ تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے اور اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں۔

1850 کی دہائی میں یورپ میں "ٹیبل ٹرننگ" (روحوں سے رابطہ کا ایک طریقہ) مقبول ہو گیا، جس میں Kardec نے دلچسپی لی اور روحانیت (Spiritualism) کا گہرا مطالعہ شروع کیا۔ یہ ایک ایسی تحریک تھی جو امریکہ میں شروع ہوئی تھی اور مردہ افراد کی روحوں سے رابطے پر مبنی تھی۔

اس تحریک کی ابتدا عام طور پر Margaret Fox اور Catherine Fox بہنوں سے منسوب کی جاتی ہے، جنہوں نے 1848 میں نیویارک میں اپنے گھر میں ایک روح سے رابطے کا دعویٰ کیا۔ بعد میں انہوں نے عوامی اجتماعات میں بھی روحوں سے رابطے کا مظاہرہ کیا اور یہ تحریک یورپ تک پھیل گئی۔

اسپرٹ ازم دراصل اسی روحانیتی تحریک سے پیدا ہوا، اور Kardec امریکی روحانیتی طریقوں سے متاثر تھے جو فرانس میں رائج ہو رہے تھے۔ تاہم Kardec کی تحریروں کے ذریعے اسپرٹ ازم ایک منظم نظریہ بن گیا، جس میں روحانی دنیا کی نوعیت پر تفصیلی عقائد شامل تھے، خاص طور پر تناسخ کا تصور۔ اس کے برعکس، روحانیت کے ماننے والے لازمی طور پر تناسخ پر یقین نہیں رکھتے۔ Kardec نے کوشش کی کہ اسپرٹسٹوں کو پیشہ ور فال نکالنے والوں اور میڈیمز سے الگ کیا جائے۔

Kardec کی پانچ بنیادی کتابوں میں پہلی 1857 میں شائع ہونے والی "The Spirits' Book" تھی۔ اس کتاب میں انہوں نے یورپ بھر کے

میڈیمز سے پوچھے گئے فلسفیانہ سوالات اور ان کے جوابات کو جمع کیا، جنہیں روحانی دنیا سے موصول شدہ سمجھا گیا۔ Kardec نے ان جوابات کا تجزیہ کیا اور جوابات کو اسی وقت شامل کیا جب وہ دیگر ذرائع سے بھی مطابقت رکھتے تھے۔

Kardec نے اپنی تحریروں میں مذہب، سائنس اور فلسفہ کے درمیان خلا کو پر کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے 1859 میں اپنی کتاب "What Is Spiritism?" میں لکھا:

"اسپرٹ ازم ایک علم ہے جو روحوں کی فطرت، ان کی ابتدا اور انجام، اور ان کا جسمانی دنیا سے تعلق بیان کرتا ہے۔"

انہوں نے اس نظریے کو سائنسی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی اور اسے ایک مثبت ایمان (Positive Faith) قرار دیا۔ Kardec نے یورپ بھر میں سفر کر کے اس نظریے کو پھیلایا اور 1869 میں وفات پا گئے۔

ان کے بعد Léon Denis نے اس نظریے کو یورپ میں فروغ دیا اور اس کا دفاع کیا۔ تاہم World War I اور نفسیات کی ترقی (خصوصاً Sigmund Freud کے نظریات) کے بعد یورپ میں اسپرٹ ازم کی مقبولیت کم ہو گئی۔

فرانسیسی اثر و رسوخ کے تحت یہ نظریہ ویتنام تک بھی پہنچا، جہاں اس نے Cao Dai مذہب پر اثر ڈالا۔ اس کے علاوہ لاطینی امریکہ میں یہ مقامی اور کیتھولک عقائد کے ساتھ مل گیا۔

Brazil میں اسپرٹ ازم کو خاص فروغ حاصل ہوا، جہاں مشہور میڈیم Chico Xavier نے اس کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے سینکڑوں کتابیں اور خطوط لکھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ روحوں سے موصول ہوئے۔ ان کی وفات (2002) تک برازیل اسپرٹ ازم کا سب سے بڑا مرکز بن چکا تھا۔

اسپرٹ ازم کے عقائد

اسپرٹ ازم کے مطابق تمام انسان دراصل روحیں ہیں جو عارضی طور پر جسم میں رہتی ہیں۔ موت کے بعد روح ایک روحانی دنیا میں جاتی ہے، جہاں وہ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد دوبارہ دنیا میں جنم لیتی ہے۔

اس نظریے میں "Perispirit" کا تصور بھی شامل ہے، جو روحانی اور مادی دنیا کے درمیان واسطہ بنتا ہے۔ اسپرٹ ازم کے اصولوں میں خیرات، خود اصلاح، سائنسی تحقیق کی اہمیت اور دیگر مذاہب کے احترام پر زور دیا جاتا ہے۔

یہ نظریہ عیسائیت کے بنیادی عقائد کو بھی کسی حد تک قبول کرتا ہے، جیسے ایک قادر مطلق خدا کا وجود اور Jesus Christ کو ایک نمونہ سمجھنا۔

اسپرٹ ازم کی عملی صورتیں

اسپرٹ ازم میں "میڈیم شپ" ایک بنیادی عمل ہے، جس میں مخصوص افراد روحوں سے رابطہ کرتے ہیں۔ اس میں خودکار تحریر (Psychography) بھی شامل ہے، جس میں میڈیم روحوں کے پیغامات لکھتا ہے۔

برازیل میں روحانی علاج کے طور پر "ہاتھ رکھ کر علاج (passes)" بھی کیا جاتا ہے، جس میں روحانی توانائی منتقل کی جاتی ہے۔

اسپرٹ ازم کے مراکز میں لوگ جمع ہو کر تعلیم، دعا، مراقبہ اور فلاحی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔

تنقید

اسپرٹ ازم پر مختلف تنقیدیں کی گئی ہیں۔ بعض ناقدین اسے جادو، دھوکہ یا فرقہ وارانہ نظام قرار دیتے ہیں۔ Harry Houdini جیسے افراد نے میڈیمز کے فریب کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی۔ کیتھولک چرچ نے بھی ان طریقوں کی مذمت کی۔

خلاصہ

اسپرٹ ازم ایک ایسا نظریہ ہے جو روحانی دنیا، تناسخ اور روحوں سے رابطے پر مبنی ہے۔ یہ یورپ میں پیدا ہوا لیکن آج لاطینی امریکہ، خاص طور پر برازیل میں زیادہ مقبول ہے۔ اس میں مذہب، فلسفہ اور سائنس کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن اس کے بہت سے پہلو تنازعہ اور تنقید کا باعث بھی رہے ہیں۔



⑧ ٭:یہودیت ٭

خُدا کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے اس مذہب کے ماننے والوں کی دُنیا میں کل تعداد 14.5 ملین ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا 0.20 فیصد ہیں۔ یہ حضرت عزیز کو خُدا کا بیٹا مانتے ہیں اور تورات ان کی کتاب ہے جسے یہ آسمانی کتاب مانتے ہیں۔

یہودیت وہ مذہب ہے جس میں خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کی برتری و عظمت کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ یہی دو بنیادیں ہیں جس پر یہودی مذہب قائم ہے۔ یہ مذہب اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس کی مسلسل اور مرتب تاریخ محفوظ ہے۔ اس مذہب کو عالمگیر مذہب کہنا مشکل ہے کیونکہ دنیا کے ہر ایک گوشے میں ہونے کے باوجود اس مذہب میں غیر اسرائیلوں کے داخلے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی ہے اور انھیں بہت مشکل مراحل سے گزار کر ہی یہودیت کے دائرے میں داخل کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کو بنی اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ اسلامی مقدس کتاب قرآن میں بھی ان کے لیے یہی لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اصل میں بنی اسرائیل کے معنی ہیں اسرائیل کی اولاد اور نبی یعقوب کا لقب ہے۔

تاریخی لحاظ سے یہودیت دنیا کے بڑے مذاہب میں سے ایک ہے جس کی نسبت پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کی طرف کی جاتی ہے۔ یہ ایک توحیدی اور ابراہیمی مذاہب میں سے ایک اہم مذہب ہے جس کے پیروکار بنی اسرائیل کہلاتے ہیں۔ سنہ 2006ء تک ان کی تعداد 14 ملین تھی، اس وقت یہودی اکثریت والا ملک اسرائیل ہے۔ جو کہ دنیا بھر کے عیسائی ممالک کی پشت پناہی سے فلسطین پر جبری قبضہ کر کے بنایا گیا ہے۔ اسرائیل میں انھیں با قاعدہ حکومت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ، برطانیہ، جنوبی افریقہ اور سویڈن میں بھی یہودی آباد ہیں۔

یہودی مذہب کا تعارف:

یہودی مذہب وہ آسمانی مذہب ہے جس کا انحصار زیادہ تر تورات، تلمود اور علماء، مفتیان اور قضاۃ یہود کے فتاویٰ یا فیصلوں پر ہے۔ حالاں کہ یہ آسمانی مذہب ہے، لیکن زمانے کے اتار چڑھاؤ اور یہودیوں کی دنیا پرستی کے سبب اتنے زیادہ تاریخی مدوجزر، عروج وزوال سے گزرا ہے کہ تحریفات کا اتنا ضخیم ڈھیر لگ گیا کہ جس کی وجہ سے اصل دین کو پہچاننا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ بہر حال موجودہ زمانے میں یہودی مذہب کی جو بھی شکل موجود ہے اس پر یہودی تاریخ اور یہودیوں کے دوسری اقوام سے تعلقات کا گہرا مطالعہ کیے بغیر مذہب یہود کو سمجھنا تقریباً محال ہے۔ یہود اہل کتاب شمار کیے جاتے ہیں اور اپنے مذہب کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اتنی زیادہ عظیم اور باوقار ہے کہ دنیا کے تین بڑے مذہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت ان کو ابوالانبیاء مانتے ہیں۔ اور علماء کے ایک عام تخمینے کے مطابق پوری دنیا میں من جانب اللہ مبعوث ہونے والے انبیاء میں سے آدھے سے بھی زیادہ انبیاء ورسل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں مثلاً ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، ایوب، یونس، شمویل، الیاس، الیسع، زکریا، یحییٰ علیہم السلام اور خاتم الانبیاء امام الانبیاء سید ولد آدم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی نسل سے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام بذات خود دسویں پشت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت سام سے نسلاً منسوب ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام (Sem) کی وجہ سے ہی یہود کو سامی (Semetic) کہا جاتا ہے اور اسی لفظ سے سامیت (Semetism/ Semetic) الفاظ تاریخ میں رائج ہو گئے۔ یہود اپنے نسلی تفاخر اور اپنی قوم میں انبیاء اور سلاطین کی کثیر تعداد سے اتنے غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے کہ جہاں ایک وقت میں دنیا کی افضل ترین قوم شمار ہوتے تھے، غرور و تکبر کی وجہ سے خدا کی نظر سے اتنے زیادہ گرے کہ ان پر

قرآن کریم کی زبان میں "مغضوب" لفظ کا اطلاق ہونے لگا حتی کہ ان میں رائج بدعات ولادینیت خدا فراموشی بلکہ الٰہی مخالفت قتل انبیاء کے ارتکاب وغیرہ اعمال قبیحہ ذلیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں سورہ اعراف میں یہ آیت نازل فرمادی:

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۗ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورۃ الأعراف:167)

اور (یاد کر) جب تیرے رب نے خبر دی تھی کہ ان (یہود) پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو ضرور بھیجتا رہے گا جو انہیں برا عذاب دیتا رہے، بے شک تیرا رب جلدی عذاب دینے والا ہے، اور تحقیق وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

قومِ یہودی کی پوری تاریخ اسی نافرمانی اور سرکشی سے بھری پڑی ہے۔ سب سے زیادہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمائے۔ اور ان پر اپنی نعمتوں کی کثرت فرمائی۔ اور ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کی گوشمالی بھی کی جاتی رہی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے سرکشی سے باز نہیں آئے۔

قرآن کریم میں جابجا اللہ سبحان و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا ہے اور انھیں ان پر کئے گئے انعامات کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی سرکشی اور نافرمانی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ خاص طور پر سورۃ الأعراف اور سورۃ البقرۃ میں مفصل بیان موجود ہے۔

﴿يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:47)

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور میں نے تمہیں جہان پر فضیلت دی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعارف

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا۔

نام ونسب اور قرآنِ کریم میں ذکر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام اور نسب مبارک یوں ہے، موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عازر بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش مِصر میں ہوئی۔ حضرت ہارون علیہ السلام آپ علیہ السلام کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی بہ دولت اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بھی نبوّت عطا فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مددگار بنایا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے واقعات قرآنِ کریم کی مختلف سورتوں میں بیان فرمائے ہیں، کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ۔ جب کہ آپ علیہ السلام کا اسمِ مبارک قرآنِ پاک میں 128 بار آیا ہے۔

فرعون کا خواب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ گویا ایک آگ بیت المقدس کی طرف سے چلی آرہی ہے اور اُس نے مِصر کے گھروں اور تمام قبطیوں (یعنی بنی اسرائیل کے مخالف فرعونیوں کے گروہ) کو جلاڈالا، لیکن بنی اسرائیل کو آنچ تک نہ آئی۔ فرعون نے بیدار ہونے کے بعد اپنے مُلک کے تمام کاہنوں، نجومیوں، جادوگروں او دیگر ماہرین کو جمع کیا اور سب سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی، جس پر اُنہوں نے جواب دیا" بنی اسرائیل میں ایک بچّہ پیدا ہوگا اور اُس کے ہاتھوں اہلِ مصر کی ہلاکت ہوگی۔" (ابنِ کثیرؒ) نیز، بنی

اسرائیل کے ہاں بھی شروع ہی سے یہ بات مشہور تھی کہ ”اُن ہی میں ایک بچّہ پیدا ہوگا، جو بڑا ہو کر فرعون کا تختہ اُلٹے گا اور بنی اسرائیل کے پاس مِصر کی باگ ڈور آئے گی“، یہ خبر فرعونِ مصر کو بھی اُس کے درباریوں نے پہنچا دی تھی۔ لہٰذا، اس خواب کے بعد وہ مزید فکر مند ہو گیا اور اُس نے حکم جاری کر دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے تمام لڑکے قتل کر دیے جائیں۔ اس حکم کے بعد، فرعون کے حواریوں اور اُس کی سپاہ نے ہر ممکن اقدام اٹھالیا کہ کوئی نومولود لڑکا زندہ نہ بچ پائے، لیکن اللہ کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے بنی اسرائیل کے ہزاروں نومولود بچّے ذبح کر دیے گئے۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ جب قِبطی سرداروں نے فرعون سے کہا کہ ”اگر بنی اسرائیل کے لڑکوں کا اِسی طرح قتلِ عام ہوتا رہا، تو ہمیں آئندہ خدمت گار ملنا مشکل ہو جائیں گے اور پھر ہمارے یہ کم تر، گھٹیا اور غلیظ کام کون کرے گا؟“ اس پر فرعون نے حکم جاری کیا کہ ایک سال چھوڑ کر بچّے قتل کیے جائیں۔ ان ہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ نجومیوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بچّہ پیدا ہو چکا ہے۔ اِس اطلاع نے فرعون کو بدحواس کر دیا اور اُس کی سپاہ نے گھر گھر تلاشی شروع کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، حضرت ہارون علیہ السلام سالِ امان میں پیدا ہوئے تھے، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل والے سال میں پیدا ہوئے، مگر اللہ نے اُن کی حفاظت کا سامان اس طرح فرمایا کہ اُن کی والدہ پر معمول کے مطابق حمل کے آثار ظاہر نہیں ہوئے، جس سے فرعون کی چھوڑی ہوئی دائیوں کی نگاہ میں نہ آئیں، یوں ولادت کا مرحلہ تو خاموشی سے گزر گیا اور حکومت کے علم میں نہ آسکا، لیکن ولادت کے بعد بھی قتل کا اندیشہ موجود تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کا حل بھی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو سمجھا دیا۔ چناں چہ اُنہوں نے بچّے کو صندوق میں لِٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ (ابنِ کثیر) قرآنِ پاک میں ارشاد ہے۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (سورۃ القصص:7)

"اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس پہنچا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں"۔

علّامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے تین دن آپ علیہ السلام کو دودھ پلایا اور چوتھے دن لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا، جب کہ بعض دیگر مفسّرین نے دودھ پلانے کی مدّت تین ماہ بیان کی ہے۔

صندوق دریا میں بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس پہنچ گیا، جو لبِ دریا تھا۔ فرعون کے نوکروں نے صندوق اٹھایا اور فرعون کی بیوی، محترمہ آسیہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ محترمہ آسیہ بے اولاد تھیں، تو اُنہوں نے جب صندوق میں ایک حَسین و جمیل چاند جیسے بچّے کو لیٹے دیکھا، تو فریفتہ ہو گئیں۔ بے اختیار بچّے کو گود میں اُٹھایا اور جلدی سے فرعون کے پاس لے گئیں اور بولیں۔

﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ۚ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (سورۃ القصص:9)

"اور فرعون کی عورت نے کہا یہ تو میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شاید ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور انہیں کچھ خبر نہ تھی"۔

اہلیہ کی شدید خواہش کے پیشِ نظر فرعون نے بادل نخواستہ پرورش کی اجازت دے دی۔ اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اُنہیں دریا کے سُپرد تو کر دیا تھا، لیکن وہ بے قرار تھیں۔ چناں چہ اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن، مریم بنتِ عمران کو بھائی کی خبر گیری کے لیے بھیجا۔ مریم دُور

سے صندوق کو دیکھتے ہوئے دریا کے کنارے کنارے چلتی ہوئی فرعون کے محل تک پہنچ گئی، جہاں فرعون کی بیوی دیگر عورتوں کے ساتھ بڑی دیر سے معصوم بچّے کو دودھ پلانے کی کوششوں میں مصروف تھیں، لیکن کوئی آیا اُنہیں دودھ پلانے اور چُپ کروانے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے۔

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ﴾ (سورۃ القصص:12)

"اور ہم نے پہلے سے اس پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، پھر بولی میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں جو اس کی تمہارے لیے پرورش کریں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں"۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، بھوکے بچّے کی بے تابی دیکھ کر محترمہ آسیہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن، مریم دروازے پر کھڑی یہ سب منظر دیکھ رہی تھیں۔ بالآخر بول پڑیں "کیا مَیں تمہیں ایسا گھرانہ بتاؤں کہ جو تمہارے لیے اس بچّے کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں۔" فرعون کی بیوی کی خواہش پر مریم جلدی سے جا کر اپنی والدہ محترمہ کو محل میں لے آئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوری طور پر اپنی والدہ کی چھاتی سے لگ کر دودھ پی لیا۔ یوں اللہ نے آپ علیہ السلام کی والدہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دِکھایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَرَدَدْنَاهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ القصص:13)

پھر ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے۔

محترمہ آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے استدعا کی کہ وہ محل ہی میں رہنے لگیں اور اس بچّے کی پرورش کریں، لیکن اُمِّ موسیٰ علیہ السلام نے انکار کر دیا کہ میرے شوہر اور بچے پریشان ہوں گے۔ اس پر محترمہ آسیہ بچّہ اُنھیں دینے پر مجبور ہو گئیں۔ پھر اُس نے بچّے کے لیے وظیفہ بھی مقرّر کر دیا، یوں اللہ کی شان دیکھیے کہ جس بچّے کے خوف سے فرعون نے ہزاروں بچّے ذبح کروا دیئے، وہ بچّہ فرعون ہی کی زیرِ نگرانی اور سرکاری تحفّظ میں پروان چڑھنے لگا۔

فرعون کے منہ پر طمانچا

حضرت موسیٰ علیہ السلام رضاعت کی عُمر تک اپنی والدہ کے پاس ہی پرورش پاتے رہے۔ پھر جب آپ علیہ السلام کا دودھ چھڑوایا گیا، تو والدہ نے آپ علیہ السلام کو دوبارہ فرعون کی بیوی کے حوالے کر دیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ محترمہ آسیہ اور فرعون اپنے محل میں بیٹھے تھے۔ محترمہ آسیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھا کر فرعون کی گود میں بٹھا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی گود میں بیٹھتے ہی اُس کی داڑھی پکڑ لی اور پھر اُس کے منہ پر طمانچا رسید کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُن کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، جس سے وہ کھیل رہے تھے، وہ فرعون کے سَر پر دے ماری۔ فرعون غصّے میں آگ بگولا ہو گیا۔ وہ کاہنوں کی بچّہ پیدا ہونے کی پیش گوئی پر پہلے ہی بڑا فکر مند تھا۔ کہنے لگا "مجھے لگتا ہے کہ یہی وہ بچّہ ہے،" اور اُس نے بچّے کے قتل کا حکم دے دیا۔ محترمہ آسیہ یہ دیکھ کر سخت پریشان ہو گئیں اور بولیں "یہ معصوم بچّہ ہے، اِسے کسی چیز کی عقل نہیں ہے۔ اِس نے ایسا نادانی میں کیا ہے۔" بادشاہ سخت غصّے میں تھا اور اُسے بچّے سے خوف آنے لگا تھا۔ بولا "مَیں اسے قتل کر کے رہوں گا۔" محترمہ آسیہ نے کہا "اچھا آپ ذرا توقّف کریں، اس کا امتحان لے لیتے ہیں، ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اس نے یہ حرکت نادانی میں کی ہے یا جان بوجھ کر۔" یہ کہہ کر اُنہوں نے دو طشت

منگوائے، ایک میں دہکتے انگارے اور دوسرے میں سُرخ یاقوت۔ پھر فرعون سے بولیں "دیکھیں! اگر اس بچّے میں عقل ہوئی، تو یاقوت اٹھائے گا، ورنہ انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔" دونوں طشت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ آپ علیہ السلام نے یاقوت کی جانب ہاتھ بڑھائے، لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فوراً ان کے ہاتھ کو انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ آپ علیہ السلام نے ایک انگارہ اُٹھا کر منہ میں رکھ لیا، جس سے زبان جل گئی اور آپ علیہ السلام رونے لگے۔ فرعون نے جب یہ دیکھا تو خاموش ہو گیا اور اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا۔ زبان کے جل جانے ہی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لُکنت پیدا ہو گئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قِبطی کا قتل

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے.

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (سورۃ القصص:14)

اور جب (موسیٰ علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا توانا ہو اتو ہم نے اسے حکمت اور علم دیا، اور ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں ملکہ آسیہ کی زیرِ نگرانی پرورش پاتے ہوئے جوان ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نہایت خُوب صورت، طاقت وَر، سمجھ دار اور دانا انسان تھے اور مِصر میں فرعون کے لے پالک بیٹے کے طور پر مشہور تھے۔ اسی وجہ سے اُن کا رُعب و دبدبہ بھی بہت تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کا علم تھا کہ وہ فرعونی (قِبطی) نہیں، بلکہ اسرائیلی ہیں۔ لہٰذا جب فرعون، اُس کے حواریوں اور سپاہ کی جانب سے اسرائیلیوں پر ظلم ڈھائے جاتے، تو آپ علیہ السلام کو بے حد دُکھ ہوتا، اکثر اس ظلم کے خلاف آواز بھی بلند کرتے اور بے قصور اسرائیلیوں کی مدد بھی کرتے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام محل سے نکل کر شہر کا گشت کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک قِبطی کسی اسرائیلی کو بُری طرح زدوکوب کر رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ علیہ السلام رُک گئے۔ اسرائیلی نے جب آپ علیہ السلام کو دیکھا، تو مدد کے لیے پکار اُٹھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں کے قریب گئے اور قِبطی کو روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ ظلم سے باز نہ آیا۔ آپ علیہ السلام کافی دیر تک اسرائیلی کو چھڑوانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن قِبطی کسی طور پر اُسے چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ آخر کار آپ علیہ السلام سے ضبط نہ ہو سکا اور اُسے ایک مُکّا رسید کر دیا، جس سے وہ مر گیا، حالاں کہ آپ علیہ السلام کی نیّت اُسے مارنے کی نہ تھی۔ قِبطی کے قتل کی خبر فرعون سمیت پورے مِصر میں پھیل چکی تھی، لیکن کسی کو قاتل کا پتا نہ تھا اور سپاہ قاتل کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر گشت پر نکلے، خیال تھا کہ قِبطی کے قتل کے ردِّ عمل کا اندازہ ہو سکے۔ ابھی کچھ ہی دُور گئے تھے کہ دیکھا وہی اسرائیلی کسی دوسرے قِبطی سے جھگڑا کر رہا ہے۔ اُس نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو پھر مدد کے لیے پکارا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "بے شک تو ہی صریح گم راہ شخص ہے" اور پھر قِبطی کو چھڑوانے کے لیے آگے بڑھے۔ اسرائیلی نے سمجھا کہ یہ مجھ پر غصّہ کر رہے ہیں اور آج مجھے مار ڈالیں گے۔ تو وہ فوراً چِلّا اٹھا "اے موسیٰ علیہ السلام! جس طرح تم نے کل ایک قِبطی کو مارا تھا، آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟"، قِبطی نے جب یہ سُنا، تو فوراً فرعون کو خبر بھجوادی اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

مدین ہجرت اور حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات

فرعون کے حواریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قِبطی کے قتل کا علم ہوا، تو اُنہوں نے آپ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم، وہاں موجود آپ علیہ السلام کے ایک ہم درد نے آ کر آپ علیہ السلام کو اس کی اطلاع کر دی۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے۔

﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۖ قَالَ يَا مُوْسٰى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ (20) فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (21)﴾ (سورۃ القصص۔21-20)

"اور شہر کے پرلے سرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہا اے موسیٰ! دریاوالے تیرے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل بے شک میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔ پھر وہاں سے ڈرتا انتظار کرتا ہوا نکلا، کہا اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے بچالے"۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا کہ کہاں جانا ہے؟ کیوں کہ مِصر چھوڑنے کا یہ حادثہ بالکل اچانک پیش آیا تھا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو گھوڑے پر بھیجا، جس نے راستے کی نشان دہی کی۔(ابنِ کثیر)۔ آپ علیہ السلام کئی روز کی مسافت طے کر کے ارضِ مدین پہنچے اور شہر کے کنارے ایک کنویں کے قریب درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اُس وقت کنویں پر جانوروں کو پانی پلانے والوں کی بِھیڑ تھی۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ درخت کے پاس دو لڑکیاں بہت دیر سے اپنے جانور لیے کھڑی ہیں اور اُن کی باری نہیں آتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ ”ہمارے گھر کوئی جوان نہیں ہے، والد بہت ضعیف ہیں۔ جب سب لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے، تو پھر ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گی۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سُن کر کھڑے ہوگئے۔ آپ علیہ السلام جوان بھی تھے اور طاقت وَر بھی۔ آپ علیہ السلام نے لڑکیوں کے مویشیوں کو پکڑا اور لوگوں کے بیچ میں سے راستہ بناتے ہوئے کنویں تک پہنچ گئے۔ کنویں سے پانی نکال کر سب مویشیوں کو سیر ہو کر پلایا اور واپس آ گئے۔ لڑکیوں نے آپ علیہ السلام کا شُکریہ ادا کیا اور گھر کی طرف چلی گئیں۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادیاں تھیں۔ جب وہ وقت سے پہلے گھر پہنچ گئیں، تو حضرت شعیب علیہ السلام کو تعجب ہوا اور جلد آنے کی وجہ دریافت کی، جس پر لڑکیوں نے پورا واقعہ بتایا۔ حضرت شعیب علیہ السلام خوش ہوئے اور فرمایا ”جاؤ اور اللہ کے اُس نیک، اجنبی بندے کو میرے پاس لے آؤ۔“

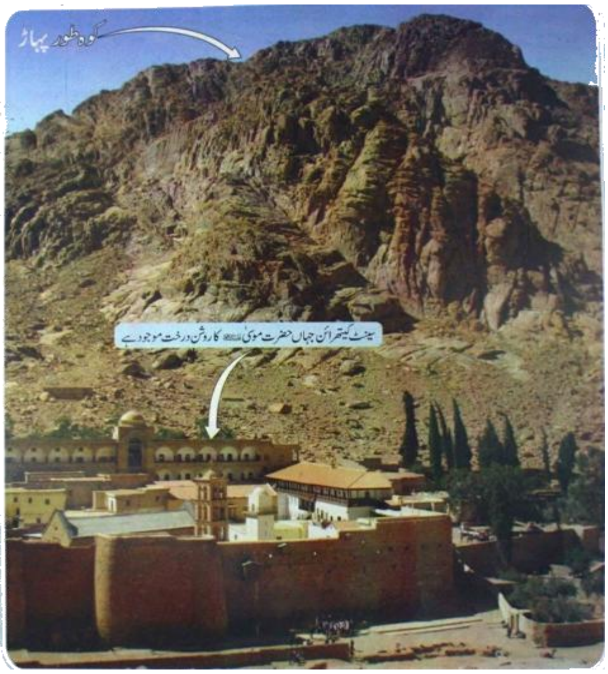
حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر قیام

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک لمبا سفر طے کر کے مِصر سے مدین پہنچے تھے۔ کچھ زادِ راہ بھی ساتھ نہ تھا، جب کہ سفر کی تھکن اور بھوک سے نڈھال تھے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدَاهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۖ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (25) قَالَتْ اِحْدَاهُمَا يَآ اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۖ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ (26) قَالَ اِنِّىٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هَاتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمَانِىَ حِجَجٍ ۖ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۖ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِىٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ (27)﴾ (سورۃ القصص27-25)۔

"پھر ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی، کہا میرے باپ نے تمہیں بلایا ہے کہ تمہیں پلائی کی اجرت دے، پھر جب اس کے پاس پہنچا اور اس کو تمام حال بیان کیا، کہا خوف نہ کر، تو اس بے انصاف قوم سے بچ آیا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک بولی اے باپ اسے نوکر رکھ لے، بے شک بہتر نوکر جسے تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور امانت دار ہو۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تو آٹھ برس تک میری نوکری کرے، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو تیری طرف سے احسان ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ تجھے تکلیف میں ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو مجھے نیک بختوں سے پائے گا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ قصّہ مختصر، آپ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک صاحب زادی سے نکاح ہو گیا۔ جب دَس سال مکمل ہو گئے، تو آپ علیہ السلام نے اپنی والدہ اور بہن بھائیوں سے ملنے کے لیے مِصر جانے کا قصد فرمایا اور حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت چاہی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی صاحب زادی کے ساتھ کچھ مال مویشی اور زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔ راستے میں مُلکِ شام کے بادشاہوں سے خطرہ تھا، اس لیے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ سردی کا موسم تھا اور اہلیہ کے ہاں ولادت قریب تھی۔ پھر یہ کہ راستے سے بھٹک کر طور پہاڑ کی مغربی اور داہنی سمت جانکلے۔ اندھیری رات تھی اور برفانی سردی، اس حال میں اہلیہ کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سردی سے بچاؤ کے لیے پتھر سے آگ جلانا چاہی، لیکن پتھروں کے رگڑنے سے آگ روشن نہ ہو سکی۔ پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، تو دُور کوہِ طور پر آگ نظر آئی۔ اہلیہ سے فرمایا ''مَیں نے وہاں آگ دیکھی ہے، وہاں جا کر تمہارے لیے آگ بھی لاتا ہوں اور ممکن ہے کہ کوئی بندہ بشر بھی مل جائے، جو راستہ بتادے۔''



اللہ تعالیٰ سے کوہِ طور پر ہم کلامی

حضرت موسیٰ علیہ السلام طورِ سینا کی طرف چل دیئے۔ قریب پہنچے، تو ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ہرے سبز درخت کے اوپر آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں، مگر درخت کی کوئی شاخ جلتی ہے، اور نہ کوئی پتّا۔ دھواں ہے اور نہ تپش، جب کہ درخت کی سرسبزی و شادابی اپنے عروج پر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آگ اُن کی طرف بڑھی، تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور جیسے ہی واپسی کے لیے مُڑے، آواز آئی

﴿ اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ ۚ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی (12) وَاَنَا اخۡتَرۡتُکَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا یُوۡحٰی (13) ﴾ (سورۂ طٰہٰ 13-12)۔

"اے موسیٰ۔ میں تمہارا رب ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار دو، بے شک تم پاک وادی طوٰی میں ہو۔ اور میں نے تجھے پسند کیا ہے جو کچھ وحی کی جارہی ہے اسے سن لو"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ ذوالجلال کی آواز سُنی، تو مبہوت کھڑے رہ گئے۔ آپ علیہ السلام نے فوری طور پر جوتے اُتار دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو شریعت کی تعلیم دی اور پھر فرمایا:

﴿وَمَا تِلۡکَ بِیَمِیۡنِکَ یٰمُوۡسٰی (17) قَالَ هِیَ عَصَایَ ۚ اَتَوَکَّؤُا عَلَیۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیۡ وَلِیَ فِیۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی (18) قَالَ اَلۡقِهَا یٰمُوۡسٰی (19) فَاَلۡقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّۃٌ تَسۡعٰی (20) قَالَ خُذۡهَا وَلَا تَخَفۡ ٝ سَنُعِیۡدُهَا سِیۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰی (21) وَاضۡمُمۡ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ اٰیَۃً اُخۡرٰی (22) لِنُرِیَکَ مِنۡ اٰیٰتِنَا الۡکُبۡرٰی (23) اِذۡهَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی (24) قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ (25) وَیَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ (26) وَاحۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ (27) یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ (28) وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ (29) هٰرُوۡنَ اَخِی (30) اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ (31) وَاَشۡرِکۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ (32) کَیۡ نُسَبِّحَکَ کَثِیۡرًا (33) وَّنَذۡکُرَکَ کَثِیۡرًا (34) اِنَّکَ کُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا (35) قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی (36) ﴾ (سورۂ طٰہٰ 17 تا 36)

"اور اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ کہا یہ میری لاٹھی ہے، اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی فائدے ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ اسے ڈال دو۔ پھر اسے ڈال دیا تو اسی وقت وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا۔ فرمایا اسے پکڑ لے اور نہ ڈر، ہم ابھی اسے پہلی حالت پر پھیر دیں گے۔ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا دے بلا عیب سفید ہو کر نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم تجھے اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض دکھائیں۔ فرعون کے پاس جا بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔ کہا اے میرے رب میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام آسان کر۔ اور میری زبان سے گرہ کھول دے۔ کہ میری بات سمجھ لیں۔ اور میرے لیے میرے کنبے میں سے ایک معاون بنا دے۔ ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے۔ اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔ تاکہ ہم تیری پاک ذات کا بہت بیان کریں۔ اور تجھے بہت یاد کریں۔ بے شک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور ہے۔"

مصر واپسی اور فرعون کو توحید کی دعوت

حضرت موسیٰ علیہ السلام طورِ سینا سے لَوٹے اور اپنی اہلیہ کو لے کر مصر روانہ ہو گئے۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوّت کے منصب پر فائز فرما کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر آنے کی خبر دے دی تھی، چناں چہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آپ علیہ السلام کا استقبال کیا اور گھر لے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال بعد گھر والوں سے ملے تھے۔ حکمِ الٰہی کی تکمیل کے لیے دوسرے ہی دن دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا:

﴿اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (16) اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ (17) قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ (18) وَفَعَلْتَ
فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكَافِرِیْنَ (19) قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (20) فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا
وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (21) وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ (22) قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ (23) قَالَ رَبُّ
السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۖ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ (24) قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (25) قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (26) قَالَ
اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیٓ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (27) قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۖ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (28) قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا
غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (29) قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ (30) قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ (31) فَاَلْقٰی عَصَاهُ
فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (32) وَنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنَّاظِرِیْنَ (33) قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ (34) یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ
مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (35) قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حَاشِرِیْنَ (36) یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ (37)﴾ (سورۃ
الشعراء:16-37)۔

"ہم پروردگارِ عالم کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ (فرعون نے) کہا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تو نے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال گزارے۔ اور تو اپنا وہ کرتوت کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔ کہا جب میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا۔ پھر میں تم سے تمہارے ڈر کے مارے بھاگ گیا تب مجھے میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھے رسول بنایا۔ اور یہ احسان جو تو مجھ پر رکھتا ہے اسی لیے تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ فرعون نے کہا رب العالمین کیا چیز ہے۔ فرمایا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے، اگر تمہیں یقین آئے۔ اپنے ارد گرد والوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں ہو۔ فرمایا تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ کہا بے شک تمہارا رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔ فرمایا مشرق و مغرب اور جو ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے، اگر تم عقل رکھتے ہو۔ کہا اگر تو نے میرے سوا اور کوئی معبود بنایا تو تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ فرمایا اگرچہ میں تیرے پاس ایک روشن چیز لے آؤں۔ کہا

اگر تو سچا ہے تو وہ چیز لا۔ پھر اس نے اپنا عصا ڈال دیا سو اسی وقت وہ صریح اژدھا ہو گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا سو اسی وقت وہ دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا کہ بے شک یہ بڑا ماہر جادو گر ہے۔ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے، پھر تم کیا رائے دیتے ہو۔ کہا اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجیے۔ کہ تیرے پاس بڑے ماہر جادو گروں کو لے آئیں۔"

فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ:

﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى (58) قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى (59)﴾ (سورۃ طٰہٰ:58-59)

سو ہم بھی تیرے مقابلے میں ایک ایسا ہی جادو لائیں گے سو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر دے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو، کسی صاف میدان میں۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا تمہارا وعدہ جشن کا دن ہے اور دن چڑھے (چاشت کے وقت) لوگ اکٹھے کیے جائیں۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام کا کمال

جشن والے روز ہزاروں کی تعداد میں جادوگر میدان میں جمع کر لیے گئے۔ بادشاہ بھی اپنے مصاحبین کو لیے شاہانہ کرّوفر کے ساتھ تختِ شاہی پر براجمان ہو گیا۔ میدان کے چاروں جانب لاکھوں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، جو حق و باطل کے اس معرکے کو دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ ایک طرف مِصر کے چوٹی کے جادوگر اپنے جادوئی ساز و سامان کے ساتھ بڑے متکبّرانہ انداز میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ تو دوسری طرف، اللہ کے دو نیک بندے اور نبی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کھڑے بارگاہِ الٰہی میں دُعا گو تھے۔ جادوگر بولے "موسیٰ علیہ السلام یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔" موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا "پہلے تم ڈالو" (جب اُنہوں نے چیزیں ڈالیں، تو اُن کی رسّیاں اور لاٹھیاں (جادو کے زور) سے دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اُس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے دِل میں خوف پیدا ہوا، تو اللہ نے وحی بھیجی "اے موسیٰ (علیہ السلام)! ڈرو نہیں۔ بلاشبہ تم ہی غالب آؤ گے۔ ذرا اپنا عصا زمین پر پھینکو اور پھر دیکھو۔" چناں چہ لاٹھی کا زمین پر پھینکنا تھا کہ وہ ایک بڑے خوف ناک اژدھے میں تبدیل ہو گئی اور جو کچھ جادوگروں نے بنایا تھا، اُن سب کو نگل لیا۔ یہ دیکھ کر جادوگر سجدے میں گر گئے اور پکار اٹھے "ہم تمام جہان کے مالک پر ایمان لائے، جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ربّ ہے۔" (سورۃ الشعراء، سورہ طٰہٰ)۔ فرعون کے لیے یہ سب کچھ بڑا عجیب، نہایت حیرت انگیز اور بہت غم ناک تھا۔ وہ جن جادوگروں کے ذریعے فتح اور غلبے کی آس لگائے بیٹھا تھا، وہ سب نہ صرف مغلوب ہو گئے، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے ربّ پر ایمان بھی لے آئے۔ فرعون نے غضب ناک ہو کر کہا "میری اجازت کے بغیر تم لوگ اس شخص پر ایمان لے آئے، یقیناً یہ تم سب سے بڑا جادوگر ہے۔ مَیں تم سب کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکا دوں گا۔" اُنہوں نے کہا "کوئی حرج نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لَوٹ جانے والے ہیں۔" (سورۃ الشعراء، سورہ طٰہٰ) روایت میں ہے کہ فرعون نے ان سب جادوگروں کے ہاتھ پائوں کٹوا کر اُنہیں سولی پر لٹکا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات

جادوگروں کے ایمان لانے اور اُنہیں بے دردی سے شہید کر دینے کے بعد بھی فرعون کی سرکشی اور بداعمالیاں جاری رہیں۔ مفسرّین کے مطابق، اس واقعے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مزید بیس برس مِصر میں مقیم رہے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اس عرصے میں اللہ عزّوجل نے حضرت موسیٰؑ کو نو معجزات عطا فرمائے تاکہ فرعون اور اس کی قوم کو راہِ راست پر لایا جاسکے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:101)

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے یہ نو معجزات اس طرح شمار فرمائے ہیں۔

① عصائے موسیٰ، جو اژدھا بن جاتا تھا

② یدِ بیضا، گریبان میں ڈال کر نکالنے سے ہاتھ چمکنے لگتا تھا

③ زبان میں لکنت تھی، جو دُور کر دی گئی

④ بنی اسرائیل کے دریا پار کرنے کے لیے دریا کو پھاڑ کر اس کے دو حصّے کر دیئے اور راستہ بنا دیا

⑤ ٹڈی دَل کا عذاب غیر معمولی صُورت میں بھیجا

⑥ طوفان بھیجا گیا

⑦ بدن کے کپڑوں میں بے حد جوئیں پیدا کر دی گئیں، جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا

⑧ مینڈکوں کا عذاب مسلّط کیا گیا کہ ہر کھانے پینے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے

⑨ خون کا عذاب بھیجا گیا کہ ہر برتن اور کھانے پینے میں خون مل جاتا تھا(معارف القرآن، ج5، ص599)۔

یہ سب موسیٰ علیہ السلام کے کُھلے معجزے تھے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان معجزات کو دیکھ کر قومِ فرعون راہِ راست پر آجاتی، لیکن وہ پھر بھی تکبّر اور شرک میں مبتلا رہی۔

قومِ فرعون پر چھ عذاب

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ (سورۃ الأعراف:133)

"پھر ہم نے ان پر طوفان اور ٹدی اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے بھیجے، پھر بھی انہوں نے تکبر ہی کیا اور وہ لوگ گناہگار تھے"۔

اس آیت میں قومِ فرعون پر مسلّط ہونے والے پانچ قسم کے عذابوں کا ذکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق، ان میں سے ہر عذاب ایک معیّن وقت تک رہا، پھر موقوف ہو گیا اور کچھ مہلت دی گئی۔ اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا عذاب الگ، الگ وقتوں میں آیا۔ ابنِ منذر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان میں سے ہر عذاب قوم فرعون پر سات روز تک مسلّط رہا۔ ہفتے کے دن شروع ہو کر دوسرے ہفتے کے دن رفع ہو جاتا اور پھر تین ہفتے کی مہلت دی جاتی تھی۔ (معارف القرآن)

طوفان کا عذاب

امام بغوی نے یہ روایت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ قومِ فرعون پر قحط کا عذاب مسلّط ہوا، تو موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے رفع ہو گیا، مگر یہ لوگ سرکشی سے باز نہ آئے۔ نیز، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی ''اے میرے پروردگار! یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ عذابِ قحط سے بھی متاثر نہ ہوئے اور معاہدہ کر کے پھر گئے۔ اب ان پر کوئی ایسا عذاب مسلّط فرما دیجیے، جو ان کے لیے دردناک ہو اور ہماری قوم کے لیے وعظ اور بعد میں آنے والوں کے لیے درسِ عبرت بنے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طوفان کا عذاب بھیج دیا۔ قومِ فرعون کے گھروں اور زمینوں کو پانی کے طوفان نے تباہ و برباد کر دیا، جب کہ بنی اسرائیل کے مکانات اور زمینیں اس پانی کے طوفان سے محفوظ رہیں۔(معارف القرآن)

ٹڈیوں کا عذاب

اس طوفان سے گھبرا کر قومِ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی ''اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ یہ عذاب ہم سے دُور فرما دیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے عذاب دُور ہو گیا اور اُن کی کھیتیاں پہلے سے زیادہ ہری بھری ہو گئیں، تو کہنے لگے ''درحقیقت یہ طوفان کوئی عذاب نہیں تھا، بلکہ ہمارے فائدے کے لیے آیا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری زمینوں کی پیداوار بڑھ گئی، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کچھ دخل نہیں'' اور یہ کہہ کر سب عہد و پیماں نظر انداز کر دیئے۔ یہ لوگ ایک مہینہ امن و عافیت میں رہے۔ اللہ نے اُن کو غور و فکر کی مہلت دی، لیکن اُنہیں ہوش نہ آیا، تو پھر اُن پر دوسرا عذاب، ٹڈیوں کی صُورت مسلّط کر دیا گیا۔ ٹڈی دَل نے اُن کی ساری کھیتیوں اور باغوں کو کھا لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ لکڑی کے دروازوں، چھتوں اور گھریلو ساز و سامان تک کو ٹڈیاں کھا گئیں۔ اس عذاب کے وقت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ سامنے تھا کہ یہ ساری ٹڈیاں صرف قبطی یعنی قومِ فرعون کے باغوں، کھیتوں اور گھروں پر چھائی ہوئی تھیں، جب کہ بنی اسرائیل کے مکانات، زمینیں اور باغات سب محفوظ تھے۔(معارف القرآن)

کیڑے مکوڑوں کا عذاب

قومِ فرعون چلّا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی ''اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کر دیں کہ یہ عذاب ہٹ جائے، تو ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔'' موسیٰ علیہ السلام نے پھر دُعا کی اور یہ عذاب ہٹ گیا، مگر عذاب ہٹنے کے بعد اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے پاس اب بھی غلّے کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ سال بھر کھا سکتے ہیں، تو پھر سرکشی اور عہد شکنی پر آمادہ ہو گئے۔ ایمان لائے، نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا۔ ایک مہینہ پھر اللہ تعالیٰ نے مہلت دی۔ اس مہلت کے بعد تیسرا عذاب، قمّل کا مسلّط ہوا۔ ''قمّل'' اِس جوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے، جو انسان کے بالوں اور کپڑوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں، جو غلّے میں لگ جاتا ہے، جسے گھن بھی کہتے ہیں۔ قمّل کا یہ عذاب ممکن ہے کہ دونوں اقسام کے کیڑوں پر مشتمل ہو کہ غلّوں میں گھن لگ گیا اور انسانوں کے بدن اور کپڑوں میں جوؤں کا طوفان اُمڈ آیا ہو۔ اس گھن نے غلّوں کا حال ایسا کر دیا کہ دس سیر گیہوں پیسنے کے لیے نکالتے، تو اس میں تین سیر آٹا بھی نہ نکلتا اور جوؤں نے اُن کے بال، پلکیں اور بھوئیں تک کھا لیں۔(معارف القرآن)

مینڈکوں کا عذاب

آخر ایک بار پھر قومِ فرعون بلبلا اٹھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ ”اب کی مرتبہ ہم ہرگز وعدے سے نہ پھریں گے، آپ علیہ السلام دُعا کریں۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ عذاب بھی ٹل گیا، مگر وہ کہاں عہد پورا کرتے۔ پھر عافیت ملتے ہی سب کچھ بھول گئے اور منکر ہوگئے۔ پھر بھی اُن کو ایک ماہ کی مہلت دی گئی، مگر اس مہلت سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، تو ان پر چوتھا عذاب، مینڈکوں کا مسلّط کر دیا گیا اور ان کے گھروں میں اس کثرت سے مینڈک پیدا ہوگئے کہ جہاں بیٹھتے، مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا۔ سوتے، لیٹتے تو سارا بدن اُن سے دَب جاتا، کروٹ لینا ناممکن ہو جاتا۔ پکتی ہوئی ہنڈیا میں، رکھے ہوئے کھانے میں، آٹے میں، غرض ہر چیز میں مینڈک بھر جاتے۔ اس عذاب سے عاجز آ کر سب رونے لگے اور پہلے سے پختہ وعدوں کے ساتھ معاہدہ کیا، تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ عذاب بھی رفع ہو گیا۔ (معارف القرآن)

خون کا عذاب

اس عذاب سے نجات پا کر یہ پھر اپنی ہٹ دھرمی پر جَم گئے اور کہنے لگے کہ ”اب تو ہمیں اور بھی یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے جادوگر ہیں اور یہ سب ان کے جادو کے کرشمے ہیں۔ یہ رسول، نبی کچھ بھی نہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے پھر ایک ماہ کی مہلت عطا فرمائی، مگر اس مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا، تو پانچواں عذاب، خون کا مسلّط کر دیا گیا کہ اُن کے ہر کھانے اور پینے کی چیز خون بن گئی۔ کنویں سے، حوض سے، جہاں کہیں سے پانی نکالتے، خون بن جاتا، کھانا پکانے کے لیے رکھتے، تو وہ خون بن جاتا۔ ان سب عذابوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ مسلسل تھا کہ ہر عذاب سے اسرائیلی بالکل مامون و محفوظ تھے۔ خون کے عذاب کے وقت قومِ فرعون کے لوگوں نے بنی اسرائیل کے گھروں سے پانی مانگا، جب وہ اُن کے ہاتھ میں گیا، تو خون بن گیا۔ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر قِبطی اور اسرائیلی کھانا کھاتے، تو جو لقمہ اسرائیلی اٹھاتا، وہ اپنی اصلی حالت میں ہوتا اور جو لقمہ یا پانی کا گھونٹ قِبطی کے منہ میں جاتا، وہ خون بن جاتا۔ یہ عذاب بھی سات روز رہا۔ بالآخر پھر وعدے کیے، دُعا کی گئی اور عذاب پھر ہٹ گیا، مگر یہ لوگ اپنی گم راہی پر قائم رہے۔ اسی کو قرآنِ کریم نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يَا مُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ (134) فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (135) ﴾(سورۃالاعراف:134-135)

"اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تو کہتے اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو بے شک ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ پھر جب ہم نے ان سے ایک مدت تک عذاب اٹھالیا کہ انہیں اس مدت تک پہنچنا تھا اس وقت وہ عہد توڑ ڈالتے"۔

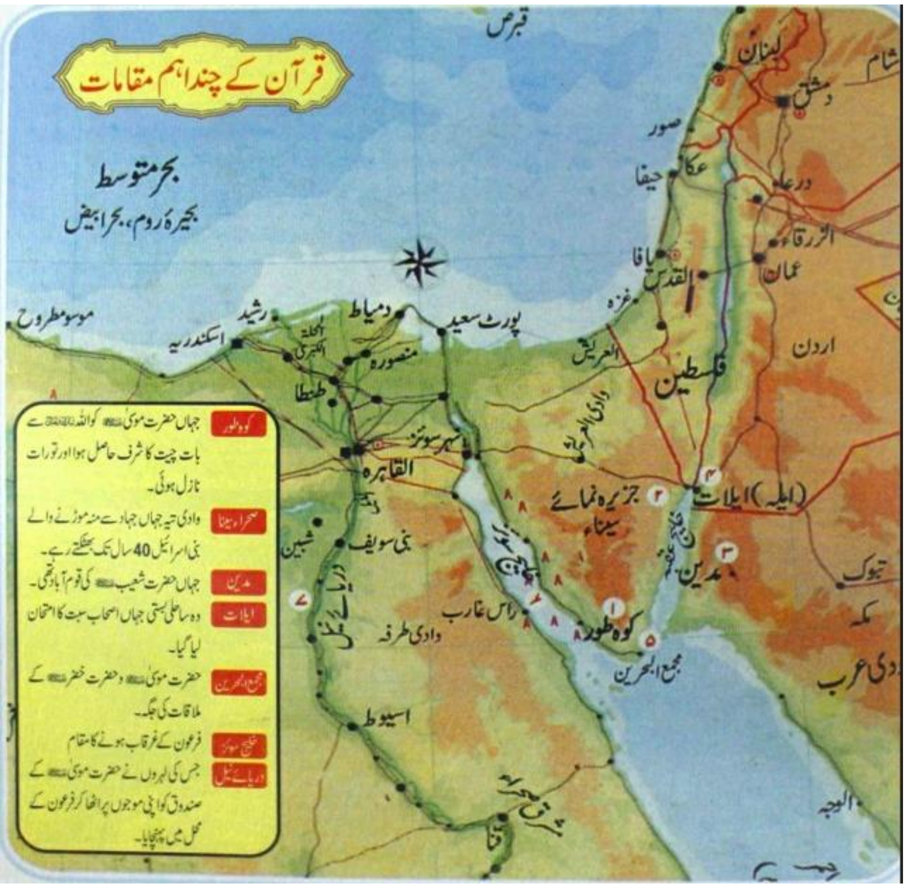
﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهَارُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهٖ بِاٰيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ (سورۃیونس:75)

"پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ گنہگار تھے"۔

وبائی امراض کا عذاب

بعد کی آیت میں رجز کے نام سے ایک چھٹے عذاب کا ذکر آیا ہے۔ یہ لفظ اکثر طاعون کے لیے بولا جاتا ہے اور چیچک وغیرہ جیسے وبائی امراض کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تفسیری روایات میں ہے کہ ان لوگوں پر طاعون کی وبا مسلّط کر دی گئی، جس میں ان کے ستّر ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ اُن

لوگوں نے پھر فریاد کی اور دُعا کرنے پر یہ عذاب ہٹا اور پھر بدستور ان لوگوں نے عہد شکنی کی۔ اتنی مسلسل آزمائشوں اور مہلتوں کے بعد جب ان میں کوئی احساس پیدا نہ ہوا، تو آخری عذاب آگیا کہ سب کے سب اپنے مکان، زمینیں، سامان چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلے اور بحیرۂ احمر کا لقمہ بن گئے۔ (معارف القرآن، جلد چہارم، صفحہ 46 تا 49)



مصر سے ہجرت اور فرعون کا غرق ہونا

فرعون کا تکبر، غیظ و غضب اور ظلم و ستم اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ وہ اور اُس کے حواری، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کے خون کے پیاسے تھے، ایسے میں اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم فرمایا۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًاۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ (سورۃ طٰہٰ:77)

"اور ہم نے البتہ موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا پھر ان کے لیے دریا میں خشک راستہ بنا دے، پکڑے جانے سے نہ ڈر اور نہ کسی خطرہ کا خوف کھا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام شروع رات میں بنی اسرائیل کو لے کر مِصر سے دریائے قلزم (بحیرۂ احمر) کی طرف نکلے۔ علّامہ طبریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چھے لاکھ، تیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ اس کے علاوہ عورتیں، لڑکیاں اور بچّے بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام 9 محرّم کو ہفتے کے دن غروبِ آفتاب کے بعد مِصر سے روانہ ہوئے۔ فرعون کو آپ علیہ السلام کے نکلنے کی خبر صبح کو ہوئی۔ اُس نے فوری طور پر سات لاکھ سے زاید سواروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا۔ جب بنی اسرائیل نے اپنے پیچھے فرعون کے فوجی سیلاب کو اور آگے بپھری موجوں کو دیکھا، تو گھبرا اُٹھے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (61) قَالَ كَلَّاۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (62) فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَۗ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (63)﴾ (سورۃ الشعراء:63-61)۔

"پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ کہا ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ بتائے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ اپنی لاٹھی کو دریا پر مار، پھر پھٹ گیا پھر ہر ٹکڑا بڑے ٹیلے کی طرح ہو گیا"۔

اُنھوں نے دریا پر لاٹھی ماری، تو اس میں بارہ خشک راستے نکل آئے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے اُن میں سے گزر گئے۔ لشکرِ فرعون یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر سہم گیا۔ فرعون بھی قدرت کے اس کرشمے کو دیکھ کر مرعوب ہو چُکا تھا، لیکن پھر اپنے اوپر فرعونیت سوار کرتے ہوئے گویا ہوا ''تم لوگ فکر نہ کرو، یہ سب کرشمہ میری ہیبت کا ہے، جس سے دریا کی روانی رُک کر راستے بن گئے ہیں تاکہ مَیں اپنے بھگوڑوں کو پکڑ کر سزا دے سکوں۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور لشکر کو پیچھے آنے کا حکم دیا۔ جب فرعون اور اُس کا لشکر دریائی راستوں کے اندر سما گیا، تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو روانی کا حکم دے دیا اور دریا کے سب حصّے آپس میں مل گئے۔ فرعون جب ڈوبنے لگا، تو پکار اُٹھا کہ ''مَیں اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتا ہوں۔'' قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (سورۃ یونس:90)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم اور زیادتی سے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا تو کہا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں"۔

﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ﴾(سورۃ المومن: 84)

"پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے جو ایک ہے اور ہم نے ان چیزوں کا انکار کیا جنہیں ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے"۔

جب فرعون غرق ہو گیا، تو اُس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پانی نے اُس کی لاش کو باہر خشکی پر پھینک دیا، جس کا سب نے مشاہدہ کیا۔ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾(سورۃ یونس:92)

"پس آج ہم تیرے بدن کو نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو، اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں"۔

آج بھی فرعون منفتاح ثانی کی حنوط شدہ لاش عبرت کا نشان بنی مِصر کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ روایت ہے کہ فرعون اور اُس کے لشکر کی ہلاکت یومِ عاشور کو ہوئی۔ امامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یہود عاشورہ (دس محرّم) کا روزہ رکھے ہوئے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ ''یہ کون سا روزہ ہے، جو تم رکھتے ہو؟'' اُنہوں نے کہا ''یہ وہ دن ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ حاصل ہوا تھا''، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''تم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہو، لہٰذا تم بھی روزہ رکھو۔'' (ابنِ کثیرؒ)

کوہِ طور پر اللہ سے کلام، تجلّی اور تورات کا ملنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے ساتھ بحیرۂ احمر پار کر کے وادیٔ سینا کی جانب چلے۔ راستے میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے، جو بُتوں کو پوجتی تھی۔

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يَا مُوْسَى اجْعَل لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (138) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (139) قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (140)﴾۔(سورۃ الاعراف:140-138)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو ایک ایسی قوم پر پہنچے جو اپنے بتوں کے پوجنے میں لگے ہوئے تھے، کہا اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہمیں بھی ایک ایسا معبود بنادے جیسے ان کے معبود ہیں، فرمایا بے شک تم لوگ جاہل ہو۔ بے شک وہ چیز تباہ ہونے والی ہے یہ لوگ جس میں لگے ہوئے ہیں، اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ کہا کیا اللہ کے سوا تمہارے لیے اور معبود بنادوں حالانکہ اس نے تمہیں سارے جہان پر فضیلت دی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر آگے بڑھے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کی ہدایت ور ہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمانی کتاب دینے کا فیصلہ کیا، چناں چہ اللہ عزّوجل نے آپؑ کو تیس راتوں کے لیے کوہِ طور پر بلایا، جس میں مزید دس راتوں کا اضافہ کر کے اُسے چالیس راتیں کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جانے سے قبل اپنے بھائی، حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرّر کیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھائی بھی تھے اور نبی بھی۔

﴿وَوَاعَدْنَا مُوْسٰى ثَلَاثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هَارُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (142) وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرَانِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (143) قَالَ يَا مُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ (144) وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۚ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ (سورۃ الاعراف:145)

"اور موسیٰ (علیہ السلام) سے ہم نے تیس رات کا وعدہ کیا اور انہیں مزید دس سے پورا کیا پھر تیرے رب کی مدت چالیس راتیں پوری ہوگئی، اور موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہا کہ میری قوم میں میرے جانشین رہو اور اصلاح کرتے رہو اور مفسدوں کی راہ پر مت چلو۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں! فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی کہ تیری ذات پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا یقین لانے والا ہوں۔ فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام)! میں نے تجھے امتیاز دیا ہے دوسرے لوگوں پر پیغمبری اور ہم کلامی میں، پس لے لو جو کچھ میں نے تجھے عطا کیا ہے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ہم نے اس کو تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو انہیں مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ اس کی بہتر باتوں پر عمل کریں، عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا"۔

یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا اللہ عزّوجل سے ہم کلامی کا دوسرا واقعہ تھا۔

سامری کا سونے کا بچھڑا اور گوسالہ پرستی

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہِ طور گئے، تو پیچھے سامری نامی ایک قبطی نے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی تھا اور بہ ظاہر آپ علیہ السلام پر ایمان لاکر ساتھ ہو گیا تھا، بنی اسرائیل سے سونے کے زیورات اکٹھے کر کے ایک بچھڑا تیار کیا، جس میں اُس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سُموں کے نیچے کی مٹّی بھی شامل کر دی۔ یہ مٹّی اُس نے چُپکے سے اُس وقت لے لی تھی، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام ان لوگوں کو دریا پار کروا رہے تھے۔ یہ بچھڑا جب تیار ہو گیا، تو یہ کچھ کچھ بیل کی آواز نکالتا تھا۔ یعنی جب اس میں ہوا داخل ہو جاتی، تو اس میں سے گائے یا بیل کی آواز نکلتی۔ (ابنِ کثیرؒ) اس آواز سے سامری نے بنی اسرائیل کو گم راہ کیا اور بولا ''یہی تمہارا اصل معبود ہے۔'' قرآنِ پاک میں ہے:

﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ﴾ (سورۃ طٰہٰ:88)

پھر ان کے لیے ایک بچھڑا نکال لایا ایک جسم جس میں گائے کی آواز تھی، پھر کہا یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے، سو وہ بھول گیا ہے۔

کوہِ طور سے واپسی اور سامری کو سزا

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورۃ الاعراف:150)

"اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے، تو کہا تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی، کیا تم نے اپنے رب کے حکم (کے آنے) سے پہلے ہی جلد بازی کر لی، اور (موسیٰ نے) تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ ا اسے اپنی طرف کھینچنے لگا، اس نے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، سو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے گناہگار لوگوں میں نہ ملا"۔

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ (95) قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ (96) قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَّنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ (سورۃ طٰہٰ:95-97)

" کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔ کہا میں نے وہ چیز دیکھی تھی جو دوسروں نے نہ دیکھی پھر میں نے رسول کے نقشِ قدم کی ایک مٹھی مٹی میں لے کر ڈال دی اور میرے دل نے مجھے ایسی ہی بات سوجھائی۔ کہا بس چلا جا تیرے لیے زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو کہے گا ہاتھ نہ لگانا، اور تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں، اور تو اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو جما بیٹھا تھا، ہم اسے ضرور جلا دیں گے پھر اسے دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے"۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ سامری عُمر بھر یہی کہتا رہا کہ ''مجھے نہ چُھونا'' کیوں کہ اُسے چھوتے ہی چُھونے والا اور سامری دونوں شدید بخار میں مبتلا ہو جاتے۔ پھر وہ انسانوں کی بستی سے نکل کر جنگل میں چلا گیا، جہاں جانوروں کے ساتھ زندگی گزاری اور عبرت کا نمونہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے بچھڑے کو جلا کر دریا میں پھینک دیا۔

بنی اسرائیل کی سرکشی اور سَروں پر کوہِ طور کا معلّق ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب تورات سے درس و تدریس شروع کی، تو بنی اسرائیل ایک مرتبہ پھر حیلے بہانے کرنے لگے اور بولے "اے موسیٰ علیہ السلام! ہم یہ کیسے یقین کر لیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے؟ ہو سکتا ہے کہ تم نے خود ہی بنا لیا ہو۔" اس صُورتِ حال پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر اللہ سے رجوع کیا۔ اللہ نے فرمایا "اے موسیٰ علیہ السلام! اس قوم کے منتخب افراد کو لے کر کوہِ طور پر آ جاؤ تا کہ ہم اُن کو اپنا کلام سُنا دیں اور اُنہیں یقین آ جائے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن میں سے 70 سرکردہ افراد چُنے اور اُنہیں کوہِ طور پر لے گئے اور جب اپنے کانوں سے اللہ کا کلام سُن لیا، تو بولے "جب تک ہم اللہ کو خود سے نہ دیکھ لیں، کیسے یقین کر لیں۔" اُن کی اس ہٹ دھرمی اور سرکشی پر کوہِ طور لرز اٹھا اور اوپر سے شدید بجلی کڑکی، جس کی دہشت سے یہ سب بہ ظاہر مُردہ ہو کر گر پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے دُعا کی، جس پر اللہ نے اُن سب کو دوبارہ کھڑا کر دیا۔ پھر یہ سب گڑگڑا کر توبہ استغفار کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول کر لی۔ یہ لوگ قوم کے پاس واپس آئے اور توحید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی، مگر کچھ دن ہی گزرے تھے کہ حسبِ عادت پھر شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سَروں پر کوہِ طور کو معلّق فرما دیا۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:63)

"اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طور بلند کیا، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوط پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ"۔

بنی اسرائیل اپنے سَروں پر کوہِ طور کو دیکھ کر بہت زیادہ خوف زَدہ ہو گئے کہ کہیں اس بڑے پہاڑ کے نیچے دَب کر ختم نہ ہو جائیں۔ چناں چہ وہ سجدے میں گر کر توبہ استغفار کرنے لگے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ نے ایک بار پھر اُنہیں معاف کر دیا۔

وادی تیہ میں قید کے دَوران اللہ تعالیٰ کے انعامات

اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارضِ مقدّسہ (یعنی مُلکِ شام) جانے اور اپنے باپ، دادا کی سرزمین کافروں سے چھڑوانے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ اُس وقت وہاں پر "قومِ جبّارین" کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ عجیب خوف ناک شکل و صورت اور ہیبت ناک قد و قامت کے مالک تھے۔ اُن کے ظلم و ستم اور قہر و جبر کی داستانیں عام تھیں۔ بنی اسرائیل نے جب شہر سے باہر اُن کے حالات سُنے، تو شہر میں داخل ہونے اور اُن سے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ بولے کہ:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:24)

"کہا اے موسیٰ! ہم کبھی وہاں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں، سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی تمام تر نافرمانیوں اور بے ہودگیوں کو اب تک بڑے صبر و تحمّل سے برداشت کرتے چلے آئے تھے اور اُن کے لیے دُعا گو رہتے اور اللہ سے اُنہیں معافی دلوا دیتے، لیکن اُن کے اس جواب پر بے حد غم گین اور رنجیدہ ہو گئے اور اُن کے لیے بددُعا فرماتے ہوئے اُنہیں "فاسقین" کے نام سے پکارا۔ اللہ جل شانہ نے اپنے رسول کی دُعا قبول فرمائی اور اُنہیں مصر اور شام کے درمیان "میدانِ تیہ" میں قید کر دیا اور وہ چالیس سال اُس میدان میں بھٹکتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی اُن کے ساتھ تھے، جو اُن کی غلطیوں اور نافرمانیوں پر اللہ سے معافی طلب کرتے رہتے، جس کی برکت سے سزا کے دَوران بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں برستی رہیں۔ اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دھوپ کی

شکایت کی، تو آپ علیہ السلام کی دُعا سے اُن کے سروں پر اَبر کا سایہ کر دیا گیا۔ پھر بھوک کی شکایت کی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے مَن و سَلویٰ نازل فرمادیا۔ مَن ایک قسم کے دانے تھے، جو زمین میں پھیلے ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل اُنھیں پیس کر روٹی بنا لیتے، جب کہ سَلویٰ ایک قسم کے پرندے تھے، جو دریا کی طرف سے آتے تھے۔ مدّتوں یہ لوگ مَن و سلویٰ کھاتے رہے۔ اُن کے کپڑے میلے ہوتے اور نہ ہی پھٹتے۔ جب اُن کو پانی کی حاجت ہوئی، تو وہ بھی عطا کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا"

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:60)

" پھر جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنے عصا کو پتھر پر مار، سو اس سے بارہ چشمے بہہ نکلے ہر قوم نے اپنا گھاٹ پہچان لیا، اللہ کے دیے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو"۔

بنی اسرائیل نے حسبِ عادت نعمتِ خداوندی کی ناشکری کرتے ہوئے ادنیٰ چیزوں کی فرمائش کر دی۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے"

﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّاۗىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ﴾ (سورۃ البقرۃ:61)

"اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے سو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کر دے، کہا کیا تم اس چیز کو لینا چاہتے ہو جو ادنیٰ ہے بدلہ اُس کے جو بہتر ہے"

وادی تیہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کے دو پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور دو نیک بندے، حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا بھی تھے اور اللہ تعالیٰ اُن کے طفیل بنی اسرائیل کو چالیس سالہ قید اور سزا کے دَوران بھی اپنی نعمتوں اور انعامات سے نوازتا رہا۔

بیل ذبح کرنے کا حکم اور بنی اسرائیل کے حیلے بہانے

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی بزرگ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت مال دار بوڑھا تھا، جس کے بھتیجے، اُس کی موت کے متمنّی تھے تاکہ وہ وارث بن جائیں، لہٰذا ایک نے اُسے قتل کر ڈالا اور اُس کی لاش پھینک دی۔ لوگوں کو صبح پتا چلا، تو قاتل کی تلاش شروع ہوئی، مگر کچھ علم نہ ہو سکا۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، جس پر اللہ نے حکم فرمایا کہ ایک گائے ذبح کریں۔ قرآنِ کریم میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (67) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ (68) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ (69) قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ (70) قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ

فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (71) وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۗ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ -
تَكْتُمُوْنَ (72) فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (73) ﴾(سورۃ البقرۃ:67-73)

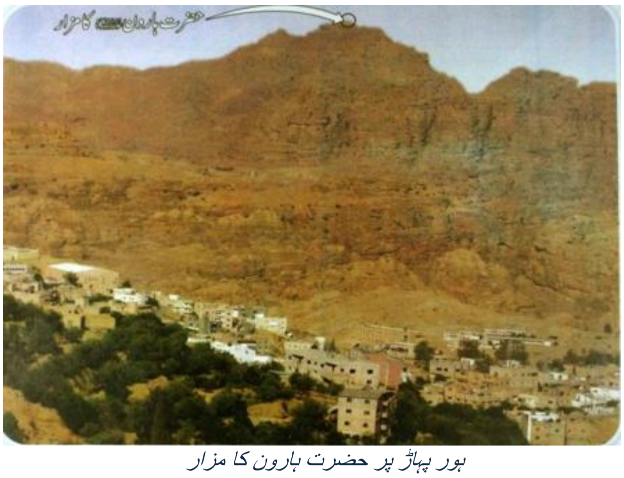
"اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، انہوں نے کہا کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے، کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہوں۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچہ اس کے درمیان ہے، پس کر ڈالو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیسا ہے، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک زرد گائے ہے اس کا رنگ خوب گہرا ہے، دیکھنے والوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر ہمیں بتائے کہ وہ کس قسم کی ہے کیونکہ وہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور پتہ لگا لیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے محنت کرنے والی نہیں جو زمین کو جوتتی ہو یا کھیتی کو پانی دیتی ہو، بے عیب ہے اس میں کوئی داغ نہیں، انہوں نے کہا اب تو نے ٹھیک بات بتائی، پھر انہوں نے اسے ذبح کر دیا اور وہ کرنے والے تو نہیں تھے۔ اور جب تم ایک شخص قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے، اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا اس چیز کو جسے تم چھپاتے تھے۔ پھر ہم نے کہا اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو، اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا، اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو"۔

اللہ کے حکم کے مطابق گائے کے گوشت کا حصّہ مقتول کے جسم سے ملایا گیا، تو وہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، اُس کی رگوں سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اُس سے سوال کیا کہ "تجھے کس نے قتل کیا؟" اُس نے جواب دیا "مجھے فلاں بھتیجے نے قتل کیا"۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا اور جیسا تھا، ویسا ہی ہو گیا"۔ (ابنِ کثیرؒ)

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات:

سورۃ الکہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات



ہور پہاڑ پر حضرت ہارون کا مزار

بنی اسرائیل صحرائے تیہ میں چالیس برس تک بھٹکتے رہے، اس کُھلے میدان سے نکلنے کے لیے صبح سے شام تک روز سفر کرتے، لیکن شام کو اسی جگہ موجود ہوتے، جہاں سے صبح چلے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔ ایک دن صحرائے تیہ میں "ہور" نامی پہاڑ پر پہنچے، تو حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور اُنہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔ 120 برس کی عُمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے سب لوگ بھی مر کھپ گئے۔ بنی اسرائیل کی اولاد اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت کالب علیہ السلام باقی بچ گئے۔

۔ چالیس برس کی مدّت پوری ہونے کے بعد اللہ کے حکم سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل شام اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجا گیا، جب آپؑ کے پاس پہنچے، تو

آپ علیہ السلام نے اُنہیں ایک تھپڑ رسید کر دیا، تو ملک الموت واپس اپنے ربّ کے پاس پہنچے اور عرض کیا" آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا، جو موت کا ارادہ نہیں رکھتے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا" واپس جاؤ اور اُنھیں کہو کہ بیل کی پُشت پر ہاتھ رکھیں، تو اُن کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آجائیں، ہر بال کے بدلے ایک سال زندگی ملے گی۔" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا" اے پروردگار! پھر کیا ہو گا؟" فرمایا" پھر موت ہے۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا" تو پھر اب ہی سہی،" پھر آپ علیہ السلام نے دُعا فرمائی" اے اللہ! اس آخری وقت میں مجھے ارضِ مقدّس کے قریب کر دے۔" اللہ نے آپ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی، فرشتے نے اُنھیں ایک عمدہ خوش بُو سنگھائی اور روح قبض کرلی۔ فرشتوں نے آپ علیہ السلام کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور دفن کیا۔ مسندِ احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا، تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا، آپ علیہ السلام وہاں سُرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔"



حضرت موسیٰ کا مزار

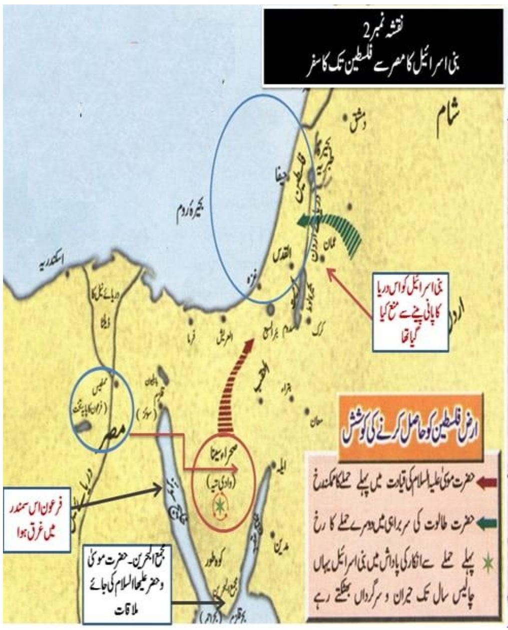
یہودیت کی تاریخ

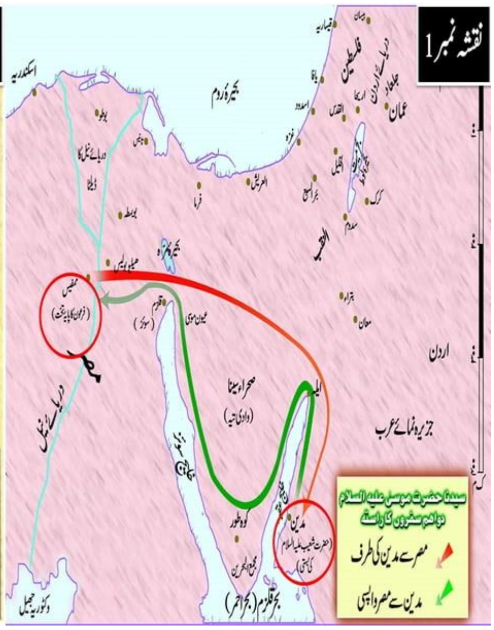
ویسے تو دنیا کا ہر ایک مذہب اس کے ماننے والوں کی تاریخ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہی ہے لیکن (جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ) یہودی مذہب کا تو ان کی تاریخ کے بغیر سمجھنا ہی مشکل ہے۔ یہ حقیقت قارئین کرام کو تب واضح ہو جائے گی یا ہو جاتی ہے جب ان کے سامنے یہودی تاریخ اور یہودی مذہب دونوں کا مفصل اور جامع بیان آتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر اولاً یہود کی قومی تاریخ مختصر اً لیکن جامع انداز پر بیان کی جارہی ہے۔

یہود کا اصل نام بنی اسرائیل ہے۔ کتب مقدسہ اور دیگر مذہبی کتب کی بنیاد پر یہودی تاریخ کے مندرجہ ذیل اہم ادوار ہیں:

۱ - دور اکابرین:

اس دور میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام تک کے احوال شمار ہوتے ہیں۔



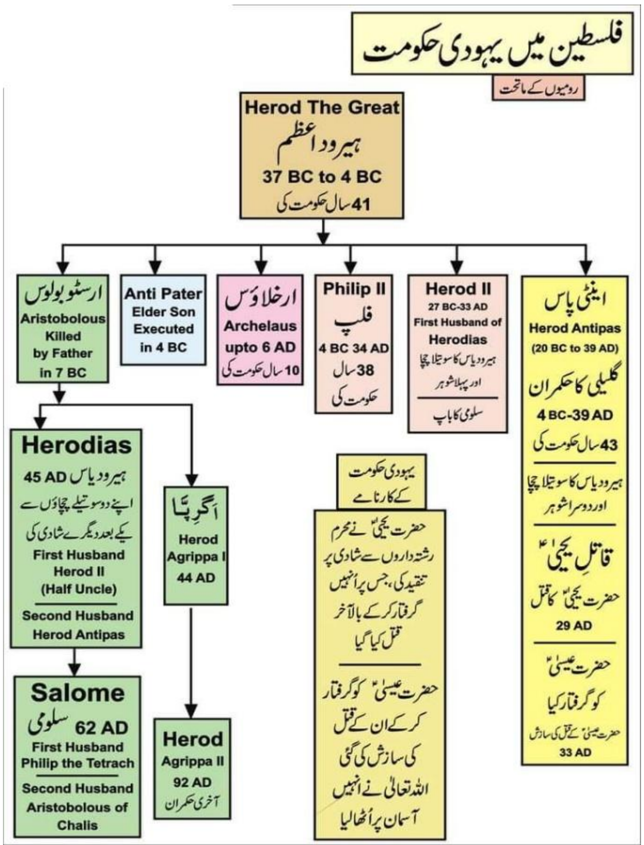


۲ - بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فلسطین میں بنی اسرائیل کا داخلہ:

اس دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، یوشع علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا مصر میں ابتلاء اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے من جانب اللہ ان کا خروج غرق فرعون اور صحراء سینا کے راستے فلسطین میں یہود کا داخلہ اور تورات کا نزول۔

۳ - دورِ قضاۃ:

یہ تقریباً تین سو سال کا زمانہ ہے جس میں بنی اسرائیل کا انتظام وانصرام ان کے قضاۃ کے ذریعہ ہوا۔ جب کوئی قاضی؛ شریعت موسوی کا پابند ہوتا تو خدا کی نصرت اس کے ساتھ ہوتی اور پڑوس کی قومیں مغلوب رہتیں اور جب بھی کوئی قاضی خدا کا نافرمان یا شریعت موسوی کا فراموش کرنے والا ہوا تو وہ ذلیل وخوار ہوا اور آس پاس کی قومیں اس پر غالب آتی گئیں۔



۴ - دورِ سلاطین:

اس دور میں حضرت طالوت، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام شامل ہیں جو تقریباً ۱۲۰ / سال کا زمانہ ہے۔

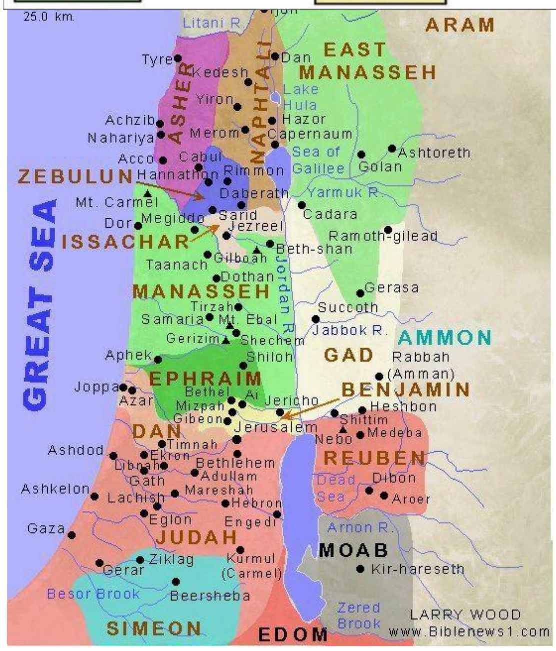
۵- منقسم سلطنت بنی اسرائیل:

اس دور میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت بنی اسرائیل دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

❶ اسرائیل: جو دس قبائل پر مشتمل تھی۔

❷ یہودا: جو بنی اسرائیل کے دو قبائل بنو یہودا اور بنیامین پر مشتمل تھی۔

پہلی حکومت یعنی اسرائیل ۷۲۱ ق،م اور دوسری حکومت یہودا، ۵۸۶ ق،م میں اپنا وجود کھو چکی تھی۔



۶ - دورِ جلاوطنی اوّل:

یہ وہ دور ہے جب بنی اسرائیل کی شمالی حکومت یعنی اسرائیل کے دس قبائل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیے گئے اور آج تک ان کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس وادی میں کھو گئے یا زمین کے کس حصے نے ان کو نگل لیا۔ یہی دس قبائل بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑ (Lost Sheep of Bani Israel) کہلاتے ہیں۔ اسی دور کا دوسرا حصہ وہ ہے جو ۶۰۶ ق م سے ۵۳۶ ق م تک پھیلا ہوا ہے یعنی ستر سال۔ اس دور میں بنی اسرائیل کی یہودا نامی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ہزاروں یہود کو بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔

۷ - بنی اسرائیل یا یہود کی بابل سے واپسی / بنی اسرائیل اہل فارس کے زیر اقتدار:

یہ وہ زمانہ ہے جو بابل کی حکومت کا خاتمہ ہو کر اہل فارس کا اقتدار فارس سے لے کر فلسطین تک ہو گیا اور ان کی رواداری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو بیت المقدس واپسی نصیب ہوئی اور ہیکل سلیمانی کو بھی از سر نو شاہان فارس نے بنانے کی اجازت دی اور مدد بھی کی۔

۸ -بنی اسرائیل یونانیوں کے زیر اقتدار:

یہ زمانہ تقریباً ۳۳۱ق م سے ۱۶۷ق م تک ہے۔

۹ -دورِ آزادی:

بنی اسرائیل ۱۶۷ق م سے لے کر ۶۳ق م تک آزاد رہے۔ اس کے بعد یہود کو کبھی بھی ۱۹۴۸ء تک حکومت نصیب نہیں ہوئی اور یہ حکومت بھی قرآن کریم کی اسی آیت کے تحت ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:112)

"ان پر ذلت لازم کی گئی ہے جہاں وہ پائے جائیں گے مگر ساتھ اللہ کی پناہ (وجہ) کے اور لوگوں کی پناہ (وجہ) کے اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر پستی لازم کی گئی، یہ اس واسطے ہے کہ اللہ کی نشانیوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل جاتے تھے"۔

"یہود کا وجود دنیا میں یا تو صرف رحمتِ الٰہی (جو سبھی ضعفاء، مظلوم وغیرہ کو شامل ہے) یا پھر کسی دنیاوی بڑی حکومت کی پاسبانی ان کو نصیب ہو جائے یعنی "حبل من اللہ وحبل من الناس"

۱۰ -بنی اسرائیل رومیوں کے زیر اقتدار:

یہ دور دو حصوں میں منقسم ہے:

❶ پہلا دور ۶۳ق م سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور، رفع الی السماء اور یہود کی دوسری جلاوطنی یعنی ۷۰ عیسوی تک جاری رہا۔

❷ اور دوسرا دور یہود کی دوسری جلاوطنی یعنی ۷۰ عیسوی سے لے کر رومن امپائر کے خاتمے تک محیط ہے۔

۱۱ -یہود عیسائیوں کے زیر اقتدار:

یہ دور رومی شہنشاہ قیصر کے عیسائیت قبول کرنے سے لے کر یورپ اور امریکہ میں آج تک جاری ہے۔

۱۲ -یہود مسلمانوں کے زیر اقتدار:

یہ دور دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور خاص طور پر ۶۳۶ عیسوی سے لے کر عرب ممالک اور ایران میں آج تک جاری ہے۔

۱۳ -یہود کی موجودہ اسرائیلی حکومت کا دور:

یہ دور ۱۹۴۸ء میں غاصب ریاست اسرائیل کے قیام سے شروع ہو کر آج تک جاری ہے اور اللہ ہی کو علم ہے کہ کب تک جاری رہیگا۔

یہود اور اسلام کا تنازع

نبی کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے ساتھ ہی جب نبی کریم ﷺ نے میثاق مدینہ کیا اور ریاست مدینہ منورہ کی بنیاد رکھی تو وہاں موجود یہودی قبائل جو کہ صدیوں سے نبی آخر زمان ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ لیکن اپنے فطرت کی بناء پر کسی نبی کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی سربراہی کو بھی تسلیم نہ کیا۔ اور کفار مکہ اور دیگر مشرکین کے ساتھ مل کر مسلسل مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو نہ صرف اندرونی طور پر خطرات کا سامنا رہتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات نقصان بھی اٹھانا پڑا۔

غزوہ بنی قینقاع

مدینہ منورہ میں آباد یہودیوں کا ایک قبیلہ۔ نبی کریم ﷺ نے مدینے کے یہودی قبائل سے یہ معاہدہ کیا تھا(میثاق مدینہ)۔ کہ جنگ کی صورت میں فریقین ایک دوسرے کی مدد کریں گے جنگ بدر کے موقع پر یہود نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ مسلمان اکیلے ہی مشرکین مکہ پر فتح حاصل کر کے مدینے واپس لوٹے تو یہودیوں کو اور ناگوار گذرا۔ حسد میں وہ مسلم دشمنی پر اتر آئے۔ مجبوراً مسلمانوں کو سب سے پہلے یہود کے قبیلہ بنو قینقاع کو مدینے سے جلاوطن کرنا پڑا۔ یہ خیبر میں جا آباد ہوئے۔ مگر اسلام دشمنی سے پھر بھی باز نہ آئے۔ بدستور سازشوں میں مصروف رہے۔ اسلامی لشکر نے جنگ خیبر میں ان کی سرکوبی کی۔ رمضان 2ھ میں حضور ﷺ جنگِ بدر کے معرکہ سے مدینہ واپس لوٹے۔ اس کے ایک مہینے بعد ہی 15 شوال 2ھ میں غزوہ بنی قینقاع کا واقعہ در پیش ہوا۔ بدر کے بعد یہودیوں نے شر وعداوت کا مظاہرہ کیا مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔ ان تینوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا مگر جنگِ بدر کے بعد جس قبیلہ نے سب سے پہلے معاہدہ توڑا وہ قبیلہ بنو قینقاع کے یہودی تھے جو سب سے زیادہ بہادر اور دولت مند تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک برقع پوش عرب عورت یہودیوں کے بازار میں آئی، یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس پر ایک یہودی نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا پچھلی طرف باندھ دیا اس عورت کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب وہ اٹھی تو اس سے بے پردہ ہو گئی۔ اس پر تمام یہودی قہقہہ لگا کر ہنسنے لگے، عورت چلائی تو ایک عربی آیا اور دکان دار کو قتل کر دیا اس پر یہودیوں اور عربوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور یہودیوں کی اس غیر شریفانہ حرکت پر ملامت فرمانے لگے۔ اس پر بنو قینقاع کے خبیث یہودی بگڑ گئے اور بولے کہ جنگِ بدر کی فتح سے آپ مغرور نہ ہو جائیں مکہ والے جنگ کے معاملہ میں بے ڈھنگے تھے اس لیے آپ نے ان کو مار لیا اگر ہم سے آپ کا سابقہ پڑا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کس چیز کا نام ہے؟ اور لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ جب یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا تو حضور ﷺ نے نصف شوال 2ھ پیر کے دن ان یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ یہودی جنگ کی تاب نہ لا سکے اور اپنے قلعوں کا پھاٹک بند کر کے قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بالآخر یہودی مغلوب ہو گئے اور ذی القعدہ کے چاند رات کو یہودی ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہو گئے۔ حضور ﷺ نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے ان یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور یہ عہد شکن، بدذات یہودی ملک شام کے مقام اذرعات میں جا کر آباد ہو گئے۔

بنو قریظہ

بنو قُریظہ مدینہ کا ایک مشہور اور نہایت قدیم یہودی قبیلہ تھا، جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادیٔ مہزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہو گیا۔ جس نے مدینہ منورہ کے قریب قلعے بنائے تھے۔ یہ وادی بعد میں انہی کے نام سے مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی۔

رسول پاک ﷺ نے مدینے کے جن قبائل سے معاہدہ صلح کیا تھا، ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رُو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے؛ لیکن سنہ 5ھ میں انھوں نے معاہدہ شکنی کی۔ جس پر قبیلہ بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس وقت بنو قریظہ نے تجدید معاہدہ کی۔ مگر جنگ خندق کے موقع پر انھوں نے نہ صرف معاہدہ توڑ دیا بلکہ جس قلعے میں مسلمان عورتیں اور بچے محفوظ تھے اس پر حملہ بھی کر دیا۔ لیکن اپنے ایک آدمی کے مارے جانے پر ہی واپس چلے گئے۔

جنگ خندق کے بعد مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا جو مہینہ بھر جاری رہا۔ آخر انھوں نے درخواست کی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو فیصلہ دیں وہ ہمیں منظور ہو گا۔ ان کا خیال تھا کہ سعد قبیلہ بنو اوس کے سردار ہیں اور اس قبیلے سے ہمارے دوستانہ مراسم ہیں۔ اس لیے وہ ہمارے حق میں فیصلہ دیں گے۔ مگر حضرت سعد نے تورات کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ عورتیں اور بچے قید کر لیے جائیں اور سامان کو مالِ غنیمت قرار دیا جائے۔ اسی فیصلے پر عمل ہوا اور اس قبیلے کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ثعلبہ زید بن دثنہ سعیہ عطیہ ریحانہ وغیرہ اہلِ کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

غزوہ خیبر (7ہجری)

غزوہِ خندق میں جن کفارِ عرب نے مدینہ پر حملہ کیا تھا ان میں خیبر کے یہودی بھی تھے۔ بلکہ در حقیقت وہی اس حملہ کے بانی اور سب سے بڑے محرک تھے۔ چنانچہ "بنو نضیر" کے یہودی جب مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تو یہودیوں کے جو رؤسا خیبر چلے گئے تھے ان میں سے حیی بن اخطب اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق نے تو مکہ جا کر کفار قریش کو مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ابھارا اور تمام قبائل کا دورہ کر کے کفار عرب کو جوش دلا کر برانگیختہ کیا اور حملہ آوروں کی مالی امداد کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ اور خیبر کے تمام یہودیوں کو ساتھ لے کر یہودیوں کے یہ دونوں سردار حملہ کرنے والوں میں شامل رہے۔ حیی بن اخطب تو جنگ قریظہ میں قتل ہو گیا اور ابورافع سلام بن ابی الحقیق کو ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کے محل میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ لیکن ان سب واقعات کے بعد بھی خیبر کے یہودی سکون سے نہیں بیٹھے بلکہ اور زیادہ انتقام کی آگ ان کے سینوں میں بھڑکنے لگی۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ پر پھر ایک دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے اور اس مقصد کے لئے قبیلہ غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ قبیلہ غطفان عرب کا ایک بہت ہی طاقتور اور جنگجو قبیلہ تھا اور اس کی آبادی خیبر سے بالکل ہی متصل تھی اور خیبر کے یہودی خود بھی عرب کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہونے کے ساتھ بہت ہی جنگ باز اور تلوار کے دھنی تھے۔ ان دونوں کے گٹھ جوڑ سے ایک بڑی طاقتور فوج تیار ہو گئی اور ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پلان بنالیا۔

غزوہ خیبر 7ہجری (629ء) میں مدینہ سے 320 کلو میٹر دور یہودیوں کے مضبوط قلعہ بند شہر خیبر میں لڑا گیا، جہاں رسول اللہ ﷺ نے 1600 صحابہ کرام کے ہمراہ یہودیوں پر ان کی سازشوں کے باعث چڑھائی کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مرحب کو قتل کر کے قلعہ قموص فتح کیا۔ جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہوئی اور یہود کی پیداوار کا نصف حصہ دینے کی شرط پر صلح ہوئی۔

غزوہ خیبر کے اہم نکات:

- **سبب:** خیبر کے یہودی بنو نضیر کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملے کی سازشیں کر رہے تھے اور غطفان کے قبیلوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے دشمن تھے۔
- **قلعے اور جنگ:** خیبر آٹھ مضبوط قلعوں (کتیبہ، ناعم، شق، قموص وغیرہ) پر مشتمل تھا۔ مسلمانوں نے ایک ایک کر کے قلعے فتح کیے۔
- **کلیدی کردار:**

قلعہ قموص کی فتح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی، جنہیں اس موقع پر علم (جھنڈا) عطا کیا گیا اور انھوں نے وہاں کے سردار مرحب کو قتل کر کے اس قلعہ کو فتح کیا۔

- **صلح کا معاہدہ:** یہود نے شکست کے بعد درخواست کی کہ انہیں خیبر میں رہنے دیا جائے اور وہ اپنی آمدنی کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیں گے، جس پر صلح ہوئی۔
- **نتائج:** یہودیوں کا اثر و رسوخ ختم ہوا، مسلمانوں کو مال غنیمت ملا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (حی بن اخطب کی بیٹی) سے نبی کریم ﷺ کا نکاح ہوا۔
- **وادی القریٰ اور فدک:** خیبر کے بعد یہود کے دیگر مقامات، وادی القریٰ اور فدک کے یہودیوں نے بھی صلح کر لی۔ بعد میں، خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں معاہدہ شکنی کی وجہ سے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ کو زہر دینے کا واقعہ

فتح خیبر کے موقع پر سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث نامی ایک یہودیہ خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں ایک بُھنی ہوئی بکری لے کر آئی، جس کی دستی میں جان لیوا زہر لگایا ہوا تھا، آپ علیہ السلام نے دستی تناول فرمائی جس کے سبب آپ ﷺ پر اس زہر کا اثر ہوا، تاہم اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی جان کی حفاظت فرمائی۔

دستی کے گوشت میں زہر اس لیے ملایا کہ اس نے سن رکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ گوشت میں سے دستی کا گوشت پسند فرماتے ہیں۔ نیز روایات میں ہے کہ ایک لقمہ لیتے ہی آپ ﷺ کو زہر کا علم ہو گیا، اور بعض روایات میں ہے کہ گوشت نے خود بتا دیا کہ مجھ میں زہر ہے، اور اس زہر سے ایک صحابی (حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ) کی شہادت بھی ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا کہ ابھی میں اس زہر کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں، اس وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا درجہ بھی عطا فرمایا۔

مسلمانوں کے خلاف سازشیں:

① عبداللہ بن ابی (عبد اللہ بن ابی بن سلول) مدینہ کا ایک معروف یہودی شخص تھا، جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقین کا سردار کہلاتا تھا۔ کیونکہ اس نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس نے اسلام کے خلاف ہر میدان میں سازشیں کیں۔

اصل میں، وہ اوس اور خزرج (مدینہ کے دو بڑے یہودی قبائل) کی طرف سے بادشاہ بننے والا تھا، لیکن جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور اسلام پھیلنے لگا، تو اس کی بادشاہت کا خواب ٹوٹ گیا۔ اسی وجہ سے وہ دل سے اسلام کو قبول نہ کر سکا، بلکہ ظاہری طور پر مسلمان ہو گیا اور اندر ہی اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہا۔

چند اہم نکات اس کے بارے میں:

بدر اور اُحد جیسے معرکوں میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔

غزوۂ احد میں اپنی جماعت کے ساتھ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گیا۔

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف افواہیں اور فتنہ انگیزی کرتا رہا۔

مشہور "واقعہ افک" (اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کا واقعہ) میں بھی اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

نبی کریم ﷺ اس کی بدسلوکیوں کو برداشت کرتے رہے تاکہ مسلمانوں میں خانہ جنگی نہ ہو، اور آخر کار عبداللہ بن ابی سن 9 ہجری میں مدینہ میں انتقال کر گیا۔ مرنے کے وقت بھی اس نے نبی ﷺ سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی، اور نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی، حالانکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح فرمایا کہ منافقین کے لیے استغفار نہ کیا جائے۔

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ (سورۃ التوبہ:80)

تو ان کے لیے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر تو ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگے گا تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا، اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۗ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ﴾ (سورۃ التوبہ:84)

"اور ان میں سے جو مر جائے کسی پر کبھی نماز نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے"۔

حالاں کہ اس کا بیٹا حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن سلول نہایت ہی جانثار صحابی تھے۔

② عبداللہ ابن سبا (فتنہ رافضیت کا بانی):

عبداللہ بن سبا ساتویں صدی عیسوی کی اسلامی تاریخ کا ایک کردار ہے۔ عبد اللہ بن سبا پہلے یہودی تھا جو بعد میں بظاہر مسلمان ہو گیا۔ اس نے دوسرے منافقین کے ساتھ مل کر نو مسلموں کو فریب دے کر اسلام کے مٹائے ہوئے خاندانی امتیاز اور نسلی عصبیت کو تعلیم اسلامیہ اور مقاصد ایمانیہ کے مقابلے میں پھر زندہ کیا۔ عبداللہ بن سبا نے مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور قاہرہ کے تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے دنوں

قیام کر کے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہایت چالا کی، ہوشیاری اور شرارت سے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقدار خلافت ہونے کو نو مسلم لوگوں میں اشاعت دے کر بنی امیہ اور بنی ہاشم کی پرانی عداوت اور عصبیت کو جو مردہ ہو چکی تھی پھر زندہ کرنے کی کوشش کی۔ عبد اللہ بن سبا نے سب سے پہلے مدینہ منورہ یعنی دار الخلافہ میں اپنے شر انگیز خیالات کی اشاعت کرنی چاہی مگر چونکہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت اور ان کا اثر غالب تھا۔ لہذا اس کو ناکامی ہوئی اور خود ہاشمیوں نے ہی اس کے خیالات کو سب سے زیادہ ملعون و مردود قرار دیا۔ مدینہ سے مایوس ہو کر وہ بصرہ پہنچا۔ وہاں عراقی وایرانی قبائل کے نو مسلموں میں اس نے کامیابی حاصل کی اور اپنی ہم خیال ایک جماعت بنا کر کوفہ پہنچا۔ اس فوجی چھاؤنی میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود تھے یہاں بھی وہ اپنے حسب منشا ایک مفسد جماعت بنانے میں کامیاب ہوا، کوفہ سے دمشق پہنچا وہاں بھی اس نے تھوڑی سی شرارت پھیلائی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حاکم شام کے بروقت مطلع ہو جانے سے زیادہ دنوں تک قیام نہ کر سکا، وہاں سے قاہرہ پہنچ کر اس نے سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ و قاہرہ کے فسادی عناصر نے مل کر مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ظہور میں آیا۔ اس فتنہ نے 30 ہجری سے 40 ہجری تک مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف رکھ کر اسلام کی تبلیغ واشاعت کے کام کو نقصان پہنچایا۔ عبد اللہ بن سبا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدائی کا دعویٰ کیا، جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسے، اس سے توبہ کرنے کو کہا لیکن جب وہ باز نہ آیا تو اسے زندہ جلا دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے 41 ہجری میں اس تفرق و تشتت کے بدنتائج محسوس کر کے عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کا پیدا کردہ فتنہ کا بڑی ہمت و بہادری سے مقابلہ کیا لیکن عبد اللہ ابن سبا نے جو بیج بویا اس کا زہر آج تک امت مسلمہ کو اذیت دے رہا ہے۔

فتنہ رافضیت انہی عقائد کی بنیاد پر قائم ہوا اور اس کے ساتھی جو فارس میں موجود تھے انھوں نے ہمیشہ امت مسلمہ کی پیٹھ میں خنجر گھونپا۔ اسی میں حسن بن سبا، علی محمد بابی، مرزا حسن علی بہائی، مصر کا علوی خاندان، بابک خرمی اور اَبو الفضل فیضی (اکبر شاہ کے رتن) جیسے بدنام زمانہ کردار اسی مذہب کا حصہ تھے۔

شام میں بشار الاَسد جس کا تعلق رافضی مذہب کے علوی فرقہ سے تھا اس نے لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیا اور اس میں اسے ایران کی مکمل مالی تعاون حاصل تھا۔ اس طرح لبنان میں بھی ہزاروں مسلمانوں کے قتل اور عراق میں مسلمانوں پر کئے گئے مظالم میں رافضی مذہب ہی ملوث رہا ہے۔ اسی طرح پاکستان میں علماء کرام کے قتل میں ایرانی حمایت یافتہ افراد ملوث پائے گئے۔



ملک اسرائیل کا قیام

19 ویں صدی کے آخر میں یورپ میں یہودیوں کے لیے الگ وطن کی تحریک (**صہیونی تحریک**) شروع کی گئی۔ اس سلسلے میں یہودیوں نے دنیا بھر میں بنک اور اشاعتی ادارے قائم کئے جن کے ذریعے سے پروپیگنڈا کر کے اور دنیا کی معیشت پر قبضہ کر کے بڑے منظم انداز میں اس کی راہ ہموار کی گئی۔ اس سلسلے میں پہلی جنگ عظیم کے بعد جب عالمی برادری نے برطانیہ کو یہودیوں کے لیے فلسطین میں ایک 'قومی گھر' تشکیل دینے کی ذمہ داری سونپی۔ یہ کام 1917 کے بیلفور اعلامیے کے تحت ہوا، جو اُس وقت برطانیہ کے وزیرِ خارجہ آرتھر بیلفور نے برطانیہ کی یہودی برادری سے کیا تھا۔ اس مقصد

کے لئے دنیا بھر کے یہودیوں کو ایک سازش کے تحت فلسطین میں جمع کیا گیا جنھوں نے 1948ء میں وہاں اسرائیل کی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد مسلسل دنیا بھر سے یہودی اسرائیل پہنچنے لگے اور فلسطین کی سرزمین پر جبری قبضہ کر کے وہاں اپنی غاصب حکومت قائم کر لی۔ جس کے بعد مسلسل تمام عرب ممالک کے ساتھ تنازع شروع ہوا۔ جو کہ آج تک جاری ہے اس سلسلے میں لاکھوں بے گناہ فلسطینی شہید کئے جا چکے ہیں۔ اور مقبوضہ علاقوں میں فلسطینی قیدیوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں جہاں ان تک خوراک، ادویات اور ضروریات زندگی کی اشیاء نہیں پہنچنے دی جا رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ توسیع پسندانہ عزائم پوری دنیا کے لئے خطرہ ہیں۔

مسیح دجال (Antichrist) کا انتظار:

چھٹی صدی قبلِ مسیح کے اواخر میں بنی اسرائیل (یہودی مذہب کے ماننے والے) بابل کے حکم ران بخت نصر سے شکست، ہیکلِ سلیمانی کی تباہی اور جلا وطنی سے ایسے مایوس ہوئے کہ ماننے لگے کہ خدائے بنی اسرائیل 'یہواہ' نے ان سے منہ موڑ لیا ہے اور ان کا مقدس ترین عبادت خانہ تباہ ہونا اور ارضِ موعودہ (پرامزڈ لینڈ) سے نکلنا سزا ہے۔

اس فکر کے جواب میں یہ سوچ پنپی کہ یہواہ بنی اسرائیل سے ہمیشہ کے لیے ناراض نہیں ہوئے بلکہ وہ وقتی سزا کے بعد ایک طاقت ور بادشاہ 'مسیح' کے ذریعے انھیں دوبارہ عروج عطا کریں گے۔

یہودی عقیدے کے مطابق حضرت داؤد کی اولاد میں ایک عظیم بادشاہ نمودار ہو گا جو بنی اسرائیل کے ان طاقت ور بادشاہ اور نبی کی طرح کہ جن پر زبور نازل ہوئی تھی، یہودیوں کی حکومت پھر سے دنیا پر قائم کرے گا۔

موجودہ بائبل کے عہد نامہ قدیم کے حصہ 'انبیا' (عبرانی میں نیویم) میں شامل صحیفہ دانیال میں لکھا ہے: 'رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے کوئی کھڑا ہے جو انسان جیسا دکھائی دیتا ہے۔ وہ آسمان کے بادلوں پر آ رہا تھا۔ وہ قدیم بادشاہ (خدائے یہواہ) کے پاس آیا تھا۔ اسے اس کے سامنے لے آیا گیا تھا۔ وہ شخص جو کہ انسان کی مانند دکھائی دے رہا تھا، اس کو سلطنت، حشمت اور سارا علاقہ سونپا گیا۔ سبھی قومیں اور ہر زبان کے گروہ اس کی خدمت کریں گے۔ اس کی حکومت ہمیشہ قائم رہے گی۔'

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ انجیلوں اور عہد نامہ جدید کی باقی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔

سید محمد وقاص بائبل کی آخری کتاب، یوحنا کا 'مکاشفہ' کا حوالہ دیتے ہیں، جس میں لکھا ہے: یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلا ہے اور دنیا کے بادشاہوں پر حاکم ہے۔ عہد نامہ جدید کی سب سے آخر میں لکھی جانے والی اس کتاب میں ایک اور جگہ لکھا ہے: 'دنیا کی بادشاہی ہمارے خداوند اور اس کے مسیح کی ہو گی اور وہ ابد الآباد بادشاہی کرے گا۔'

یوں ان دونوں مذاہب کے ماننے والے قیامت سے پہلے کے عہد کو مسیحائی عہد کا نام دے کر اس کے منتظر ہیں۔

اسلام کے پیروکاروں میں بھی حضرت عیسیٰ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا تصور پایا جاتا ہے۔

یہودیت، مسیحیت اور اسلام کے ماننے والوں کے حضرت مسیح کی دوبارہ آمد کے تصورات دیکھنے کے بعد ہم چلتے ہیں ہے اینٹی کرائسٹ (Anti Christ) یا ضدِ مسیح یا دجال کے تصور کی جانب۔

اینٹی کرائسٹ، ضدِ مسیح اور مسیح کا حتمی دشمن، مسیحی روایات کے مطابق، آخری فیصلے (قیامت) سے پہلے کی مدت میں خوفناک طور پر حکومت کرے گا۔

رابرٹ ای لرنر کی تحقیق ہے کے مطابق ضدِ مسیح (دجال) کی اصطلاح پہلی بار یوحنا کے خطوط میں ظاہر ہوئی، اور ضدِ مسیح کی زندگی اور دور حکومت کی مکمل کہانی قرون وسطیٰ کے متن میں پائی جاتی ہے۔

'دجال کا مسیحی تصور یہودی روایات سے اخذ کیا گیا تھا، خاص طور پر عبرانی بائبل میں دانیال کی کتاب سے۔'

'سنہ 167 قبل مسیح کے آس پاس لکھی گئی اس کتاب میں اس آخری اذیت دینے والے کے آنے کی پیش گوئی کی تھی جو 'اعلیٰ ترین کے خلاف بڑے بول کہے گا اور اعلیٰ ترین کے ماننے والوں کو کمزور کر دے گا، اور وقت اور قوانین کو بدلنے کا سوچے گا۔'

لرنر کہتے ہیں کہ سکالرز اس بات پر متفق ہیں کہ دانیال کے صحیفے میں فلسطین کے تب کے ہیلینسٹک حکمران، انٹیوکس چہارم ایپی فینس کی طرف اشارہ تھا، جس نے یہودیت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

'لیکن چونکہ انٹیوکس کا نام نہیں لیا گیا تھا، بعد کے قارئین اس پیش گوئی کو کسی بھی ستانے والے پر لاگو کر سکتے تھے۔ ابتدائی مسیحیوں نے اسے رومن شہنشاہوں پر لاگو کیا، جنھوں نے چرچ کو ستایا، خاص طور پر نیرو جنھوں نے سنہ 54 سے 68 عیسوی تک حکومت کی۔

'ابتدائی مسیحی ایک بہت بڑے Antichrist کے آنے پر زور دیتے تھے۔ یوحنا کا مکاشفہ اس شخصیت کو 'پاتال سے حیوان' (11:7) اور 'سمندر سے حیوان' (13:1) سے تعبیر کرتا ہے۔' وہ ایک عام ارتداد کے وقت آئے گا، لوگوں کو نشانیوں اور عجائبات سے دھوکا دے گا، خدا کے گھر میں بیٹھ کر خود خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ آخر میں، وہ یسوع کے ہاتھوں شکست کھا جائے گا، جو اسے 'پھونک' اور 'اپنے آنے کی چمک' سے تباہ کر دیں گے (2:8)۔'

اینٹی کرائسٹ کے بارے میں قرون وسطیٰ کا نظریہ ایڈسو، ہیپلن، اور بہت سے دوسرے مصنفین نے اس اصول پر قائم کیا کہ وہ ہر چیز میں مسیح کے متضاد مخالف ہے۔

لرنر نے ان سے یہ اخذ کیا کہ ضد مسیح اپنی چالوں سے پیروکار حاصل کرے گا۔ اس کی بالادستی ساڑھے تین سال رہے گی۔ مسیح کی طرح، دجال یروشلم میں آئے گا، لیکن، مسیح کے برعکس، یہودی اس کی جوش و خروش سے تعریف اور تعظیم کریں گے۔

'اپنے دور حکومت میں وہ ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرے گا اور سلیمان علیہ السلام کے تخت پر بیٹھے گا۔ وہ زمین کے حکمرانوں کو اپنے مقصد کی جانب بدل دے گا اور مسیحیوں کو خوفناک طریقے سے ستائے گا۔ ان تمام لوگوں کو اذیت دی جائے گی جو اس کی چالوں کا مقابلہ کریں گے، اور ایسی بڑی مصیبتیں آئیں گی جو دنیا کی ابتدا سے لے کر اب تک کبھی نہیں آئیں۔'

'مختص کیے گئے ساڑھے تین سال کے اختتام پر، تاہم، دجال مسیح کی طاقت سے تباہ ہو جائے گا، جس کے بعد، بہت ہی مختصر وقفے کے بعد، آخری فیصلہ اور دنیا کا خاتمہ ہو گا۔'

اسلام میں بھی دجال کا تصور واضح طور پر موجود ہے اور متعدد احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے اس کا حلیہ اور علامات بیان فرمائی ہیں، جیسے 'مسیح دجال ایک کشادہ پیشانی والا، گھنگریالے بالوں والا شخص ہے، جس کی ایک آنکھ نہیں ہے۔ دوسری آنکھ ایسی ہے، جیسے وہ انگور کا ابھرا ہوا دانہ

ہو۔ وہ چوڑے سینے والا ہے، اُس کی شخصیت میں کچھ بد صورتی سی ہے اور وہ سب سے بڑھ کر جھوٹا ہو گا۔ اور اس کی پیشانی پر واضح طور پر کافر لکھا ہو گا جسے ہر ایمان والا پڑھ لے گا۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور تیز ترین سواری کے ذریعے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کرے گا۔ وہ شعبدہ بازی کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ وہ پوری دنیا میں جائے گا سوائے مدینہ منورہ کے۔ اور لوگ اس کے ہاتھ پر اپنا ایمان گنوا دیں گے۔'

بنی اسرائیل (یہودی) اسی کے منتظر ہیں کہ وہ آکر انھیں دوبارہ سے تمام دنیا کی حکومت دلائے گا۔

اِسی بنا پر آپ ﷺ فتنۂ مسیح دجال سے خود بھی خدا کی پناہ مانگتے تھے اور اپنی اُمت کو بھی پناہ مانگنے کی تلقین فرماتے تھے۔'

لیکن اسلام اور عیسائی مذہب کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ اس دجال سے ہو گا اور وہ اسے لُد کے مقام پر واصل جہنم کریں گے۔ اور یہودیوں کو چن چن کر قتل کریں گے۔ اگر کوئی یہودی کسی پتھر کے پیچھے چھپا ہو گا تو وہ پتھر خود پکار کر بتائے گا کہ یہ اللہ کا دشمن یہاں چھپا ہے سوائے غرقد کے درخت کے۔ یہاں تک کہ دنیا بھر میں کوئی یہودی باقی نہیں رہے گا۔ یہی وجہ ہے آج اسرائیل میں غرقد کے درخت لگائے جا رہے ہیں اور وہ وہاں کا قومی درخت ہے جس کے لئے Save Gharqad کی تحریک بھی چل رہی ہے۔

یہودی عقائد

یہودی عقائد کی بنیاد خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کی فضیلت ہے۔

دینی کتب

یہودیت کی سب سے اہم دینی کتاب تورات ہے جو نہ صرف یہودیوں کے لیے بلکہ مسیحیت اور اسلام میں بھی آسمانی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ تورات تناخ کا پہلا حصہ ہے۔ "تناخ" کو اکثر انگریزی میں عبرانی بائبل کہا جاتا ہے کیونکہ تورات کے علاوہ اس میں دو اور حصے شامل ہیں جن میں یہودی تاریخ و عقائد کے اہم عنصر بیان کئے گئے ہیں۔ تناخ کا دوسرا حصہ ہے "نوی اِیم" یعنی انبیاء اور تیسرا "کیتُوِیم" یعنی کتابیں یا درج کردہ چیزیں۔

تورات

یہودیت کی یہ سب سے مقدس کتاب قدیم عبرانی زبان میں ہے۔ اس کے پانچ اجزاء ہیں جن کو موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابیں" بھی کہا جاتا ہے چونکہ عقیدہ کے مطابق صرف یہ پانچ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں اور تناخ کے باقی حصے اسرائیل کا خدا نے اور پیغمبروں یا عام انسانوں کے ذمے لگائے تھے۔ تورات میں کائنات اور انسانی تخلیق کا قصّہ درج ہے جو آدم علیہ السلام اور بی بی حوّا علیہا السلام سے شروع ہوتا ہے، نوح علیہ السلام اور سیلاب کا بیان دیتا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت، بیاہ اور بیٹوں کا قصہ بیان کرتا ہے۔ تورات کی اس کہانی کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اسرائیل کا خدا نے ابراہیم سے ایک وعدہ یا معاہدہ کیا تھا کہ تم میری عبادت کرو اور میرے احکامات کی پیروی کرو اور میں تمھاری نسل میں سے بڑی بڑی قومیں پیدا کروں گا۔ آج یہودیت میں یہ عہد بہت اہمیت رکھتا ہے اور اسی کے بل بوتے پر اس دین کے دیگر اعمال مبنی ہیں۔ مثلاً مردوں پر ختنہ کی رسم فرض ہے، جو اسلام میں سنتِ ابراہیمی کہلاتی ہے، چونکہ وہ اسی معاہدے کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ جو اس رسم کو پورا نہ کرے وہ ہالاخا (یہودی شرع) کے مطابق یہودی مانے نہیں جاتا۔

قوم کی تاریخ کے علاوہ ان پانچ کتابوں میں احکامات بھی شامل ہیں۔ خصوصاوہ "دس احکامات" جن کا مغرب میں چرچا رہتا ہے۔ تورات میں کل

613 احکامات مندرج ہیں جو شرع اور قوانین، معاشرے اور اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہیں۔
عبرانی زبان میں "تورات" کے لغوی معنے ہیں سبق۔ چنانچہ تورات میں وہ کچھ شامل ہے جس سے ایک دینی قوم کو سبق ہو اور جس پر تاریخ اور شریعت کی بنیاد کھڑی ہو۔

مشناہ

جس زمانے میں بیت المقدس پر روم کا راج تھا اور بنی اسرائیل صرف رومی گورنر کی خاص اجازت سے اپنے معبد پر آیا کرتے تھے، اس زمانے کے علما اپنا زیادہ تر وقت شرعی اور فقہی غور و فکر میں گزارتے تھے جو تورات پر مبنی تھا۔ جب سن 70 عیسوی میں روم نے اس معبد کو تباہ کر دیا اور اُمتِ مُوسوی بکھر گئی، اس کے علما نے تفسیر و تفہیم کے کام پر اور زور دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سن 200 قبل مسیح اور سن 200ء کے درمیان ایک مصحف جمع ہو گیا جس میں یہودیت کے سب سے نامور علما کی آراء اور تفسیریں شامل تھیں۔ اس مصحف کو 'مشناہ' (لغوی: روایات جو دہرائی گئی ہیں)، کہتے ہیں۔ آئندہ کی فقہی اور قانونی تفکیر اسی پر مبنی ہے اور تلمود اسی سے ماخوذ ہے۔
مشناہ چھ حصوں میں بٹی ہوئی ہے: بیج، عیاد، نساء، نقصانات، مقدس امور اور تحارات۔ البتہ ان ناموں سے انکا مکمل مواد ظاہر نہیں ہوتا۔ مثلاً بیج کے حصہ میں فصلوں کی کاشت سے وابستہ قانونی امور کے ساتھ ساتھ غریبوں کا حصہ اور عبادات کے اصول بھی شامل ہیں۔ اسی طرح عیاد کے حصہ میں پیساخ اور شابات جیسے تہواروں کے علاوہ مقدس صحف کی کتابت کے اصول بھی درج ہیں۔

تلمود

دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں یہودی اپنے معبد سے محروم درسِ تورات میں مجذوب رہے۔ سلطنتِ روم نے قوم یہود کے لیے یروشلم میں کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی۔ چنانچہ وہ بکھر کر موجودہ اسرائیل اور عراق کے دیگر شہروں میں بس گئے۔ تورات کو پڑھنا اور گذرے علما کے زبانی کلام کو یاد کر کہ اس پہ غور و فکر کرنا ایک عبادت سی بن گئی۔ اس عبادت کے نتیجہ میں تلمود وجود میں آئی۔
کنعانی اور بابلی مدن میں مقیم یہودی علما نے اپنی زندگی کا مقصد موسیٰ علیہ السلام کی تورات کو سمجھنا اور اس پہ عمل کرنا بنا لیا۔ لہٰذا انھوں نے مشناہ، یعنی ان کے گذرے علما و اساتذہ (عبرانی: رابی، لغوی: میرے آقا") کی روایات کا مطالعہ اپنا بنیادی موقف بنا دیا۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں تفسیر کی دو اقسام ظاہر ہوئیں:

آگادہ - تاریخی اور معرفی روایات

ہالاخاہ - قانونی، اصولی اور اخلاقی روایات

دونوں اقسام تورات اور مشناہ کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔

در حقیقت آج دو الگ مجموعے وجود میں ہیں جن کو ہم تلمود کا نام دے سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک پہلے تیار ہوئی جو چوتھی صدی کے اسرائیلی مدن کی پیداوار ہے۔ اس کو یروشالمی تلمود کا نام دیا جاتا ہے۔ دوسری پانچویں صدی میں بابل میں مکمل ہوئی اور اس کو بابلی تلمود کہا جاتا ہے۔ بابلی تلمود کو تھوڑی زیادہ عزت حاصل ہے اور موجودہ دور میں زیادہ استعمال میں ہے۔

عبادات

شابات (ہفتہ)

یہودیوں پر یومِ سبت یعنی ہفتے کے روز کی عبادت فرض ہے۔ مگر ایک یہودی خاندان کا پورا ہفتہ شابات (سبت) کے 26 گھنٹوں کی تیاری اور انتظار میں گذر جاتا ہے کیونکہ وہ 26 گھنٹے پوری طرح عبادت کے لیے وقف ہوتے ہیں۔

شابات (سبت) کا آغاز جمعہ کی شام سورج کے ڈھلنے پر ہوتا ہے اور اختتام ہفتہ کی رات کو تین ستارے نظر آنے پر۔

اس دوران دین کے پیروکار:

- پیسے کمانے والے کام نہیں کرتے
- پیسوں کے ذکر سے پرہیز کرتے ہیں
- بجلی کو نہیں چھیڑتے یعنی جو بتیاں جلی ہیں ان کو بجھاتے نہیں ہیں اور بجھی بتیوں کو جلاتے نہیں ہیں۔
- آگ سے آگ نہیں جلاتے یعنی چولھا بند رہتا ہے
- گاڑی نہیں چلاتے
- اور دیگر پابندیاں

ان پابندیوں کے پیچھے منطق یہ ہے کہ جب یروشلم میں بنی اسرائیل کی بڑی عبادت گاہ ہوتی تھی، جو عالمی یہودیت کا مرکز تھی، تو دین کے تمام شرعی فرائض وہیں ادا ہوتے تھے۔ سن 70 عیسوی میں روم کی فوج نے اس عبادت گاہ کو تباہ کر دیا، جس کے نتیجے میں یہودی بکھر گئے اور اب قومِ یہود کو اس مسیحا (Anti Christ) کا انتظار ہے جس کی آمد پر انکی یہ مرکزی عبادت گاہ دوبارہ تعمیر ہو گی۔ وہ وقت آنے تک شابات ہی وہ عبادت گاہ ہے، وقت اور آرزو کی تعمیر کردہ، جو ہر ہفتہ دوبارہ بنتی ہے اور ہر ہفتہ بکھر جاتی ہے۔

روز کی عبادات

روز کی تین عبادات مقرر ہیں جن میں سے صبح اور دوپہر کی فرض ہیں اور شام کی اپنے آپ پر واجب کی جا سکتی ہے۔یہودیت میں دیگر احکام اس وقت تک اختیاری ہوتے ہیں جب تک انسان ان کو اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بنانے کی نیت نہ کرلے۔اس نیت کے بعد وہ واجب ہو جاتے ہیں اور ان میں اور فرائض میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

تمام عبادات فرداً بھی ادا ہو سکتی ہیں اور باجماعت بھی تاہم باجماعت ادا کرنے میں فضیلت ہے خصوصاً اس لیے کہ جماعت جب اکٹھی ہو جائے تو وہ خدا کے دربار میں بطور بنی اسرائیل حاضر ہوتی ہے۔جماعت کو پورا ہونے کے لیے کم از کم دس افراد کی ضرورت ہے ورنہ ایک ساتھ رہ کر بھی عبادت فرداً ہی قبول ہو جاتی ہے۔یہودیت کے کئی مذاہب میں دس مردوں کو جماعت مانا جاتا ہے اور کئی میں دس افراد کو، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔

شاخاریت (فجر کی عبادت)

فجر کی عبادت۔یہ سب سے لمبی اور دن کی سب سے اہم عبادت ہوتی ہے۔اس کے چھ حصے ہیں۔پہلے حصہ میں علما کی تفسیریں پڑھی جاتی ہیں۔دوسرے میں توریت اور زبور کے اجزا پڑھے جاتے ہیں۔تیسرے میں شماع پڑھی جاتی ہے، جو اس عبادت کا سب سے اہم حصہ ہے کیونکہ اس میں پوری قوم

بنی اسرائیل کو پکارا جاتا ہے کہ وہ توحید کی شہادت دے-اس کے بعد آمیدہ پڑھی جاتی ہے اور پھر مسیحا کی آمد کی دعا کی جاتی ہے جو زبور میں سے پڑھی جاتی ہے-آخر میں بنی اسرائیل کے فرائض کو دُہرایا جاتا ہے اور توحید کی شہادت بھی دہرائی جاتی ہے-

منخا(دوپہر کی عبادت)

دوپہر کی عبادت : اس میں آمیدہ پڑھی جاتی اور تہواروں پر توریت کا جز بھی پڑھا جاتا ہے-

معاریب(مغرب کی عبادت)

مغرب کی عبادت-اس میں شماع اور آمیدہ پڑھی جاتی ہیں-

اسلام اور یہودیت میں تضادات

ا -خدا کا تصور

اسلام :ا -اسلام توحید خالص ہے اور کسی بھی طرح کا ذرا سا بھی شرک اسلام میں برداشت نہیں ہے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (سورۃ الزمر:3)

"خبردار! خالص فرمانبرداری اللہ ہی کے لیے ہے، جنہوں نے اس کے سوا اور کارساز بنا لیے ہیں، ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، بے شک اللہ ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے، بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا جو جھوٹا ناشکر گزار ہو"۔

"اَلاَ لِلّٰهِ الدِينُ الخَالِصُ "اور"فَادْعوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِيْن".فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورۃ الغافر:14)

"پس اللہ کو پکارو اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اگرچہ کافر برا منائیں"۔

یہودیت :ا-یہودیت حالاں کہ شیما (Adonai Elahun Adonai Achud) آڈونائی ہمارا معبود ہے اور آدونائی ایک ہے۔) پر زور دیتی ہے لیکن یہودیت کے بعض طبقات حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کی سورہ توبہ کی آیت "و قالت الیہود عزیر ابن اللّٰہ" سے ثابت ہے۔ اور حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی تحقیق کے مطابق اسرائیل کے وجود ۱۹۴۸/ سے پہلے فلسطین میں یہود کا ایک طبقہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتا تھا حالاں کہ یہود عامۃ اس کا انکار کرتے ہیں لیکن دلوں کے بھید اللہ تعالیٰ سب سے بہتر جانتا ہے۔

کتابیں

اسلام : اسلام کی اہم ترین کتاب قرآن کریم ہے۔ اور اس کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے۔ قرآن کریم میں کسی بھی قسم کی تحریف نہ تو ہوئی ہے اور نہ ہو سکے گی کیوں کہ اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الحجر:9)

"ہم نے یہ نصیحت اتاری ہے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں"۔

یہودیت : یہودیت میں اہم ترین کتاب تورات ہے اور اس کے بعد تلمود کا مرتبہ ہے۔(بائبل مختلف تراجم اور خاص طور پر Bible in the Making) کا مصنف G. M. Gregor سیکڑوں تحریفات کی نشاندہی کرتا ہے۔

ملائکہ

اسلام : اسلام میں فرشتے تو بالکل معصوم مانے جاتے ہیں۔

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (سورۃ التحریم:6)

"وہ(فرشتے) اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انہیں حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

یہودیت : یہودیت میں فرشتے معصوم نہیں مانے جاتے۔(کتاب تخلیق باب ۶-۱)

۲ -السبت

اسلام :۱ - اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا اور پیدا فرمانے میں یا ان کا انتظام کرنے میں اس کو کوئی تھکن محسوس نہیں ہوئی نہ اس کو آرام کی ضرورت پیش آئی جیسا کہ قرآن کریم کی آیت الکرسی نامی آیت سے ثابت ہے:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۚ لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾(سورۃ البقرۃ:255)

" اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے سب کا تھامنے والا، نہ اس کو اونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے، ایسا کون ہے جو اس کی اجازت کے سوا اس کے ہاں سفارش کر سکے، تمام حاضر اور غائب حالات کو جانتا ہے، اور سب اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا کہ وہ چاہے، اس کی کرسی سب آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے، اور اللہ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی، اور وہی سب سے برتر عظمت والا ہے"۔

یہودیت : - اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ساتویں دن آرام کیا اور یہی سبت (آرام) آج بھی یہود کا ہر ہفتہ کا سب سے اہم دن ہے۔(کتاب تخلیق: باب:۲۰)

۳ - تبلیغ دین

اسلام : اسلام دین تبلیغ ہے اور اسی پر اس کی بقاء ہے "بلغوا عني ولو آية"(الحدیث)

یہودیت : یہودیت اصلاً نسلی مذہب ہے بنی اسرائیل کے علاوہ عامۃ کسی اور شخص کا یہودی بننا یا ہونا مشکل ہے۔ تاریخ میں مشکل سے ایک دو واقعات ملتے ہیں۔ مثلاً یمن میں ذونواز یہودی بادشاہ کے زمانے میں کچھ لوگ یہودی بنے۔(M.J)

۴ -جنت

اسلام : اسلام کے مطابق ہر وہ شخص جس نے خدا کا حکم اپنے وقت کے نبی کے مطابق مانا اور اس پر عمل کیا وہ جنت کا مستحق ہے چاہے وہ نسلاً کچھ بھی ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (سورۃ الغافر:40)

"جس نے برا کام کیا تو اتنی ہی سزا پائے گا، اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایماندار بھی ہو سو وہ جنت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب روزی ملے گی"۔

یہودیت: یہودیت کے مطابق صرف یہودی اور نصاریٰ کے مطابق صرف نصاریٰ جنت میں جائیں گے جیسا کہ قرآن کریم یہود و نصاریٰ کے دعوے کو پیش کرتا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى ۗ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:111)

"اور کہتے ہیں کہ سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا، یہ ان کے ڈھکوسلے ہیں کہہ دو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو"۔

۵ - خدا کے بیٹے یا اس کے دوست

اسلام: خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل کہا ہے۔ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیب کہا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ (سورہ نساء: آیت:۱۲۵) " اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنالیا ہے۔"

یہودیت: یہود کا یہ تصور ہے کہ وہ سب خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں جیسا کہ قرآن کریم ان کے دعوے کو سورہ مائدہ میں بیان کرتا ہے۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۖ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (سورہ مائدہ:18)

"اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں، کہہ دو پھر تمہارے گناہوں کے باعث وہ تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے، بلکہ تم بھی اور مخلوقات کی طرح ایک آدمی ہو، جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے سزا دے، اور آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

٦ - مذہب کا نام

اسلام: دین اسلام خدا کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے حضور اپنی تمام خواہشات کو نچھاور کر دینے کی وجہ سے اسلام کہلاتا ہے، یعنی مکمل فرماں برداری علماً و عملاً۔

یہودیت: یہودیت حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے یہودا کے نام سے منسوب ہے کیوں کہ اس کی اولاد دوسرے بھائیوں کی اولاد کے مقابلے میں زیادہ ترقی پذیر ہوئی اور بڑھی آج بھی اس کی نسل موجود ہے۔ باقی بھائیوں کی نسلیں غائب ہو چکی ہیں۔

۷ - دین کی وسعت

اسلام: دین اسلام نہایت ہی وسیع ہے دنیا کے کونے کونے میں اس کے ماننے والے موجود ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ دین فطرت ہے، دین رحمت

ہے "وما أرسلنک الا رحمة للعلمین."

اسلام تمام عالم اور قیامت تک آنے والے تمام جن وانس کے لئے بھیجا گیا ہے اور ہر شخص اس کے سایہ میں پناہ لے سکتا ہے۔

یہودیت : یہودیت دین فطرت نہیں ہے بلکہ دین نسل یا دین قبیلہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے ہی جتنے لوگ پیدا ہوئے یا پیدا ہوتے رہیں گے وہی لوگ دین یہود کے متبعین اور مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں یہودی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد بڑھنے کے بجائے گھٹ رہی ہے۔

۸ - انبیاء ورسل

اسلام : اسلام سبھی انبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے پر اصرار کرتا ہے۔ وہ شخص جو کسی ایک بھی نبی پر ایمان نہ لائے وہ اسلام سے خارج مانا جاتا ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ (سورة البقرة:285)

"رسول نے مان لیا جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے اترا ہے اور مسلمانوں نے بھی مان لیا، سب نے اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو مان لیا ہے، (کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا، اے ہمارے رب تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

یہودیت : یہودی مذہب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عہد نامہ قدیم کے سب سے آخری نبی ملاکی علیہ السلام تک ہی سب نبیوں پر ایمان لانے کے لیے اصرار کرتا ہے لیکن حضرت زکریا، یحیٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لیے بالکل مصر نہیں بلکہ ایک یہودی کے لیے ان جلیل القدر انبیاء پر ایمان لانا بالکل ضروری نہیں۔ (عہد نامہ قدیم)

عہد نامہ قدیم (Old Testament) کے سب سے آخری نبی **ملاکی** (Malachi) مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے تقریباً 400 ق م کے آس پاس نبوت کی اور ان کی کتاب بائبل کے پرانے عہد نامے کی آخری کتاب ہے۔ ملاکی نے یوحنا بپتسمہ دینے والے (John the Baptist) کی آمد کی بشارت دی، جو عہد نامہ قدیم اور جدید کے درمیانی کڑی سمجھے جاتے ہیں۔

۹ - افضل الانبیاء

اسلام : اسلام کے مطابق خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور سب سے آخر میں آنے والے ہیں آپ کے بعد نبوت ختم ہے:

﴿مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (سورہ احزاب:40)

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتمے پر ہیں، اور اللہ ہر بات جانتا ہے"۔

یہودیت : یہودیت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں اور حضرت ملاکی علیہ السلام ختم الانبیاء ہیں۔ (موسیٰ میمونائڈ کے ۱۳/ اصول وعہد نامہ قدیم کتاب ملاکی)

۱۰ - فضائل انبیاء / مقام انبیاء

اسلام : اسلام تمام انبیاء کو معصوم مانتا ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعَالَمِيْنَ ﴾ (سورہ الانعام:90)

"یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی، سو تو ان کے طریقہ پر چل، کہہ دو کہ میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا، یہ تو جہان والوں کے لیے محض نصیحت ہے"۔

یہودیت : یہودیت نے تقریباً ہر ایک نبی کو داغدار بنادیا ہے۔ ان کی کتابوں میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی توہین کی گئی ہے۔ بلکہ اکثر انبیاء کرام کے لئے بھی توہین آمیز باتیں شامل ہیں۔(کتاب تخلیق حضرت آدم، ابراہیم، یعقوب کے واقعات – کتاب سلاطین: اول دوم حضرت داؤد، حضرت سلیمان وغیرہ کے واقعات)

۱۱ - حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام

اسلام : ان دونوں حضرات انبیاء کو اسلام انبیاء کی فہرست میں شمار کرتا ہے۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوُوْدَ وَسُلَيْمَانَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (سورۃ الانعام:84)

"اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا، ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون ہیں، اور اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں"۔

یہودیت : ان دونوں حضرات کو یہودیت صرف سلاطین مانتی ہے اور انبیاء و رسل کی فہرست سے خارج کرتی ہے۔(کتاب سلاطین اول، دوم)

۱۲ - موسیٰ علیہ السلام اور تجلی الٰہی

اسلام : اسلام کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کو بذات خود دیکھنے کے اصرار پر تجلی الٰہی کے جبل (طور) پر پڑنے سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر نیچے گر گئے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِىٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ تَرَانِىْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِىْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (سورۃ الأعراف:143)

"اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں! فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کی کہ تیری ذات پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا یقین لانے والا ہوں"۔

یہودیت : تورات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے ان کے خدا کی ذات کو دیکھنے کے اصرار پر یہ کہا کہ تم میرا چہرہ نہیں دیکھ سکو گے

بلکہ پیٹھ دیکھ سکو گے۔(کتاب خروج)

۱۳ -ذبیح اللہ–اسماعیل یا اسحٰق علیہما السلام

اسلام :اسلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتا ہے:

﴿ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ اِنِّيٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يَآ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ (102) فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (103) وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّآ اِبْرَاهِيْمُ (104) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (105) ﴾(سورۃ الصافات:102-105)

"پھر جب وہ اس کے ہمراہ چلنے پھرنے لگا کہا اے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے ہے، کہا اے ابا! جو حکم آپ کو ہوا ہے کر دیجیے، آپ مجھے ان شا اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پس جب دونوں نے تسلیم کر لیا اور اس نے پیشانی کے بل ڈال دیا۔ اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراھیم!۔ تو نے خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں"۔

تورات بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو تیرہ سال تک اکلوتا بیٹا مانتا ہے۔(التخلیق)

یہودیت :یہودیت حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتی ہے۔(کتاب تخلیق، باب:۲۲)یہودیت حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اکلوتا بیٹا مانتی ہے۔

اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام

اسلام :اسلام اسماعیل و اسحاق علیہما السلام دونوں کو انبیاء مانتا ہے اور نہایت ہی قابل احترام مانتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی سورتوں، آیات سے ثابت ہے اور دونوں کو قابل اتباع اور ہدایت کا نمونہ بتایا ہے۔(الصافات-سورہ الانعام:۱۱۳–۱۰۰)

یہودیت :یہودیت اسحاق علیہ السلام کو تو بنی اسرائیل کا جد امجد سمجھتی ہے اور نہایت ہی عزت و تکریم بخشتی ہے لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کو (محض بغض کی وجہ سے) بہت ہی برے اور بھدے الفاظ سے یاد کرتی ہے جیسا کہ توریت کی کتاب تخلیق سے ثابت ہے کہ اس کا ہاتھ ہر ایک شخص کے خلاف اور ہر ایک شخص کا ہاتھ اس کے خلاف یعنی گویا نعوذ باللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عداوت کا ایک نمونہ بنا کر پیش کر دیا ہے۔(کتاب تخلیق)

۱۴ -قرآن شریف اور تورات

اسلام :اسلام کی سب سے اوّل اور سب سے عظیم کتاب یعنی قرآن کریم ہر طرح کی تحریف کمی و بیشی سے محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود لیا ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ (سورۃ الحجر:9)

ہم نے یہ نصیحت اتار دی ہے اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔

یہودیت :یہودیت کی سب سے اہم ترین کتاب تورات ہے جو کئی دفعہ جلائی جا چکی ہے جس میں خود علماء یہود کے مطابق نہ جانے کتنے تغیرات ہو چکے ہیں۔ اصل تورات تو کہیں نہیں ملتی صرف اس کی مختلف زبانوں میں تراجم ملتے ہیں جو تقریباً سبھی الگ الگ ہیں۔(G.M. Gregor)

۱۵ -عورت اور نبوت

اسلام :اسلام کے مطابق کوئی بھی عورت رسول یا نبی نہیں گزری ہے وجہ یہ ہے کہ نبوت و رسالت جس صلاحیت کو چاہتی ہے وہ صلاحیت و اوصاف عورت کے اندر اس کی فطری ساخت کی وجہ سے اس میں پیدا نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾(سورہ یوسف:109)

"اور تجھ سے پہلے ہم نے جتنے پیغمبر بھیجے وہ سب بستیوں کے رہنے والے مرد ہی تھے ہم ان کی طرف وحی بھیجتے تھے"

یہودیت : جبکہ یہودیت کے مطابق عورت نبی ہو سکتی ہے۔ عہد نامہ قدیم میں کئی عورتوں کے نام انبیاء کی فہرست میں شامل ہیں۔

۱۶ - حضرت لوط علیہ السلام

اسلام : اسلام حضرت لوط علیہ السلام کو ہدایت کا نمونہ اور اللہ تعالیٰ کا عظیم نبی تسلیم کرتا ہے۔

﴿وَاِسْمَاعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ (سورۃ الانعام:86)

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط، اور ہم نے سب کو سارے جہان والوں پر بزرگی دی۔

یہودیت : یہودیت حضرت لوط علیہ السلام کو نعوذ باللہ ایک زانی کے بطور پیش کرتا ہے۔(کتاب تخلیق باب:۱۹-۱۴)

۱۷ - حضرت یعقوب علیہ السلام

اسلام : حضرت یعقوب علیہ السلام بھی نمونہ ہدایت ہیں۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ﴾(سورہ الانعام آیت:84)

"اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب بخشا، ہم نے سب کو ہدایت دی"۔

یہودیت : حضرت یعقوب علیہ السلام کو نعوذ باللہ دھوکہ باز کہا گیا ہے۔ ان پر اپنے سسر کو دھوکہ دینے کا الزام ہے اور اپنے بھائی ایسوع ایدوم کی فرضی شکل وصورت اور لباس اوڑھ کر اپنے باپ سے ایسوع کے واسطے کی دعا اپنے لئے لینے کا الزام ہے۔(کتاب تخلیق)

۱۸ - داؤد علیہ السلام

اسلام : حضرت داؤد علیہ السلام بھی ہدایت کے چراغ ہیں۔ قرآن کریم انکی بڑی تعریف کرتا ہے اور جالوت ظالم کو ابدی نیند سلانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔(سورہ انعام آیت:۸۵، سورہ بقرہ آیت:۲۵۱)

یہودیت : یہودیت حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے ایک سپاہی یا کمانڈر کو مروا کر اس کی بیوی سے شادی کرنے کا الزام لگاتی ہے۔(کتاب سلاطین)

۱۹ - حضرت سلیمان علیہ السلام

اسلام : اسلام حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدایت کا نمونہ اور گناہوں سے معصوم اور نبی برحق مانتا ہے۔ اور ہر قسم کے کفر وسحر وبت پرستی کے ارتکاب سے بری تسلیم کرتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾(سورۃ البقرۃ:102)

"اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے"

یہودیت : یہودیت حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدایت کا نمونہ نہیں مانتی ان کو صرف ایک بادشاہ تسلیم کرتی ہے، گناہوں سے پاک بھی نہیں مانتی، کفر و سحر اور بت پرستی کا الزام آپ پر لگاتی ہے۔(سلاطین دوم)

۲۰۔حضرت ابراہیم علیہ السلام

اسلام : اسلام ابراہیم علیہ السلام کو ایک سچا مسلمان اور حنیف مانتا ہے"

﴿مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًاؕ وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾(سورۃ آل عمران:67)

"ابراھیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی لیکن سیدھے راستے والے مسلمان تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے"۔

یہودیت : یہودیت ابراہیم علیہ السلام کو بطور یہودی کے پیش کرتی ہے اور ان پر اتنا فخر کرتی ہے کہ یہود اپنے گناہوں پر نادم بھی نہیں ہوتے کہ بابا ابراہیم کی وجہ سے خدا ان کے گناہ معاف کر دے گا۔(انجیل لوقا و مرقس)

۲۱ -نکاح

اسلام : اسلام یہودی عورت سے کسی مسلمان کے نکاح کو اس حالت میں بھی جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے اصلی یہودی مذہب پر رہے۔

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْؗ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:5)

"آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے، اور (تمہارے لیے حلال ہیں) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان پاک دامن عورتوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب کہ ان کے مہر انہیں دے دو ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو ایمان سے منکر ہوا تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا"

یہودیت : یہودیت کسی بھی عورت کا نکاح کسی مرد سے صرف اس حالت میں قبول کرتی ہے جب وہ اپنا قدیم دین چھوڑ کر یہودیت اختیار کرلے۔ (کتاب ازرا یا عزیر)

۲۲ -نماز

اسلام : اسلام میں نماز میں وہ سارے ارکان موجود ہیں جن کے ذریعے آدمی کامل طور پر خدا کی فرماں برداری کا حق ادا کر سکتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں رکوع سجدہ، قیام وغیرہ نہیں ہے۔

۲۳ -قبلہ

اسلام : اسلام میں نماز میں کعبۃ اللہ (مکہ مکرمہ) کی طرف رخ کرنا لازمی ہے۔

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَاۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗؕ ﴾(سورۃ البقرۃ:144)

"بے شک ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پس اب اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیئے، اور جہاں کہیں تم ہوا کرو اپنے مونہوں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو"

یہودیت : یہودیت میں نماز میں یروشلم (ہیکل سلیمانی) کی طرف رخ کرنا لازمی ہے۔(کتاب دانیال)

۲۴ - قبر

اسلام : اسلام میں میت کو قبر میں قبلہ رخ لٹایا جاتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں میت کو یروشلم (بیت المقدس) کے رخ پر لٹایا جاتا ہے۔

۲۵ - نمازوں کی تعداد

اسلام : اسلام میں پانچ وقت کی نماز یعنی: فجر، ظہر، عصر، مغرب وعشاء لازمی ہے۔

یہودیت : یہودیت میں صرف تین وقت کی نماز فجر، ظہر، مغرب واجب ہے۔

۲۶ - نماز مع الجماعت

اسلام : اسلام میں جماعت کے لیے کم سے کم دو آدمی لازمی ہیں۔

یہودیت : یہودیت میں کم سے کم ۱۱ آدمی لازم ہیں۔(M.J.)

۲۷ - نمازی کی حالت

اسلام : اسلام نماز کے دوران نمازی کو پر سکون اور طمانیت قلب کے ساتھ رہنے کی تاکید کرتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں آدمی کو نماز کے دوران پر سکون رہنے کی کوئی خاص ہدایت نہیں ہے۔

۲۸ - حج وزیارت

اسلام : اسلام میں عاقل، بالغ، غنی صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں کم سے کم ایک بار حج بیت اللہ کرنا لازمی ہے۔

﴿فِيهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران:97)

"اس میں ظاہر نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا ہو جاتا ہے، اور لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا اللہ کا حق ہے جو شخص اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو، اور جو انکار کرے تو پھر اللہ جہان والوں سے بے پرواہے"۔



یہودیت : یہودیت میں زمانۂ قدیم میں ہیکل سلیمانی کے زمانے میں سال میں کم سے کم تین بار ہر یہودی کو ہیکل کی زیارت کرنا لازمی تھا۔ (کتاب احبار)

۲۹ - مسجد اقصیٰ یا ہیکل سلیمان

اسلام : اسلام مسجد اقصیٰ کو قدیم ہیکل سلیمانی کے مقام پر بنا ہوا نہیں مانتا۔ اس مسجد کی اصل مسجدِ عمر ہے۔

مسجد عمر (Mosque of Omar): مسجد عمر بن الخطاب (یروشلم میں کلیسائے مقبرہ مقدس کے جنوبی صحن کے سامنے واقع ہے۔ 637ء میں مسلم افواج کی یروشلم کی فتح کے وقت سوفرونیئس نے شرط رکھی کہ کہ شہر کو صرف مسلمانوں کے خلیفہ عمر بن خطاب کے حوالے کیا جائے گا۔ چنانچہ خلیفہ وقت نے یروشلم کا سفر کیا۔ حضرت عمر نے سوفرونیئس کے

ساتھ شہر کا دورہ کیا۔ کلیسائے مقبرہ مقدس کے دورہ کے دوران نماز کا وقت آ گیا اور سوفرونیئس نے حضرت عمر کو کلیسا میں نماز پڑھنے کی دعوت دی لیکن حضرت عمر نے کلیسا میں نماز پڑھنے کی بجائے باہر آ کر نماز پڑھی۔ جس کی وجہ یہ بیان کی کہ مستقبل میں مسلمان اسے عذر کے طور پر استعمال کرتے ہوئے کلیسا کو مسجد کے لیے استعمال نہ کریں۔ خلیفہ کی دانشمندی اور دور اندیشی کو دیکھتے ہوئے کلیسا کی چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیش کی گئیں۔ اس پیشکش کو انکار نہ کرنے کے باعث چابیاں مدینہ سے تعلق رکھنے والے ایک خاندان کو دے دی گئیں اور انھیں کلیسا کو کھولنے اور بند کرنے کا حکم دیا، آج تک بھی کلیسا کی چابیاں اسی مسلمان خاندان کے پاس ہیں۔

1193ء میں اس واقعہ کی یاد میں صلاح الدین ایوبی کے بیٹے الافضل بن صلاح الدین نے میں ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا نام **مسجد عمر** ہے۔ بعد ازاں عثمانی سلطان عبد المجید اول نے اپنے دور میں اس کی تزئین و آرائش بھی کی۔

یہودیت :یہودیت موجود اقصیٰ کو قدیم منہدم ہیکل سلیمانی کے مقام پر مانتی ہے۔ اور اس کی عبادت کا مرکز دیوار گریہ ہے۔

اسے **مغربی دیوار** بھی کہا جاتا ہے، قدیم شہر یروشلم میں واقع یہودیوں کی اہم مذہبی یادگار ہے۔ یہودیوں کے بقول 70ء کی تباہی سے ہیکل سلیمانی کی ایک دیوار کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جہاں دو ہزار سال سے یہودی زائرین آ کر رویا کرتے تھے اسی لیے اسے "دیوار گریہ" کہا جاتا ہے جبکہ مسلمان اس کو دیوارِ براق کہتے ہیں۔ یہودی مذہب کے مطابق یہ دیوار مقدس معبد کی باقیات میں سے ہے اور اسی لیے یہودیت کے مقدس مقامات میں سے ایک ہے۔ یہ یہودیوں کے لیے زیارت گاہ ہے۔ اس کے قریب ہی یہودیوں کا مقدس ترین کنیسہ ہے، جس کو بنیادی پتھر کہا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہودی ربیوں کے مطابق اس مقدس پتھر کے اوپر، کوئی یہودی پیر نہیں رکھ سکتا اور جو ایسا کرتا ہے، عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے بہت سے یہودیوں کے مطابق وہ تاریخی چٹان جس پر قبۃ الصخرۃ واقع ہے، مقدس بنیادی پتھر ہے۔ جبکہ کچھ یہودیوں کے عقیدے کے مطابق یہ مقدس بنیادی پتھر دیوارِ گریہ کے بالکل مخالف سمت میں واقع الکاس آبشار کے نزدیک ہے۔ یہ مقام مقدس ترین مقام تھا، جب مقدس معبد قائم تھا۔ یہودی روایات کے مطابق دیوارِ گریہ کی تعمیر داؤد نے کی تھی اور موجودہ دیوارِ گریہ اُسی دیوار کی بنیادوں پر قائم کی گئی تھی، جس کی تاریخ ہیکل سلیمانی سے جا ملتی ہے

۳۰ - دعاء

اسلام :اسلام ایک مسلمان کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کرنے کی دعاء مانگنے کی ترغیب دیتا ہے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورۃ البقرۃ:201)

"اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔

ایک سچا مسلمان دنیا میں زیادہ رہنا پسند نہیں کرتا اور موت کو برائی سے یاد نہیں کرتا بلکہ موت کو دنیا و آخرت کے دمیان محض ایک پل مانتا ہے۔ اس کی دعاء یہی رہتی ہے۔ حدیث مبار کہ ہے۔

"حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ ، عَنْ الْعَلَاءِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ."

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔ "(صحیح مسلم/کتاب الزهد والرقائق/حدیث:7417)

یہودیت :یہودیت انسان کو صرف موجودہ دنیا میں ہی خوش و خرم رہنے کی دعاء کی ترغیب دیتی ہے اور خراب سے خراب زندگی کو موت (آخرت) کے مقابلے ترجیح دیتی ہے۔(M.J.)

۳۱ - موت

اسلام :ایک مسلمان کسی کی موت سن کر یہ کہتا ہے "انا للہ و انا الیہ راجعون "موت ایک حقیقت مانی جاتی ہے اور اس سے کوئی بھی متدین مسلمان نہیں ڈرتا بلکہ حدیث رسول کی روشنی میں موت دنیا و آخرت کے درمیان ایک پل مانی جاتی ہے:

"الموت قنطرۃ بین الدنیا والآخرۃ" (سورہ جمعہ آیت:۸، مومنون آیت:۱۵)

﴿قُلْ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (6) وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ (7) قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (8)﴾ (سورہ جمعہ:6-8)

"کہہ دو اے لوگو جو یہودی ہو اگر تم خیال کرتے ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو سوائے دوسرے لوگوں کے تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔ اور وہ لوگ اس کی کبھی بھی تمنا نہ کریں گے بسبب ان (عملوں) کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تو ضرور تمہیں ملنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے"۔

یہودیت : ایک یہودی موت کا نام سن کر یہ کہتا ہے: قاضی صادق بابرکت ہو "Blessed be the true juged" یہودی موت کے نام سے ہی گھبراتا ہے حتی کہ جب موت آتی ہے تو مرنے والے کو اس کا نام بدل کر پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا ہی کو اصل سمجھتے ہیں اور ہزاروں سال جینا چاہتے ہیں۔(M.J.54,56)

۳۲ - دفن

اسلام : اسلام مردہ کو جلد از جلد دفن کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

یہودیت : یہودیت ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر دفن کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔

۳۳- دعاء یا نماز دفن

اسلام : کوئی بھی بالغ مرد جنازے کی نماز پڑھ سکتا ہے۔ جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے۔(م-ن فقہ اسلامی)

یہودیت : صرف قریبی رشتہ دار ہی جنازے کی نماز پڑھ سکتا ہے۔ جنازے میں شامل نہ ہونا گناہ ہے۔(M. J. P 56)

۳۴ - صوم

اسلام : صوم کا وقت فجر کے وقت سے شروع ہو کر غروب شمس تک ہے یہاں تک کہ رات ہو جائے۔

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (سورہ البقرہ:187)

" اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمہارے لیے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت صاف ظاہر ہو جائے، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو"

یہودیت : یہودیت میں روزہ کا وقت سورج کے غروب سے لے کر اگلے روز کے غروب شمس تک ہے یعنی ۲۴ گھنٹے کا روزہ ہوتا ہے۔(M.J. 57)

۳۵ - روزہ کا مقصد

اسلام : اسلام میں روزہ کا اصل مقصد تقویٰ کا پیدا ہونا اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکنا روح اور بدن کی پاکیزگی ہے کچھ حالات میں روزہ بطور کفارہ کے بھی رکھا جاتا ہے جیسا کہ قسم کو توڑنا یا قتل خطا وغیرہ کے سلسلے میں۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورہ البقرہ:183)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسے ان پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ"۔

یہودیت : یہودیت میں روزہ ایام رنج وغم کی یاد کے لیے اور گناہوں سے معافی چاہنے کے لیے رکھا جاتا ہے۔(M.J. 57)

۳۶ - صدقہ

اسلام : اسلام میں صدقہ فرض بھی ہے اور نفل بھی ہے اور فرض صدقے کے مصارف بھی واضح کر دیے گئے ہیں:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (سورۃ التوبہ:60)

"زکوٰۃ مفلسوں اور محتاجوں اور اس کا کام کرنے والوں کا حق ہے اور جن کی دلجوئی کرنی ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے"۔

یہودیت : یہودیت میں صدقہ اسلام کی طرح فرض وواجب تو نہیں ہے لیکن کھیت کی میڈھوں کے آس پاس یا جو اناج نیچے گر جائے وہ سب فقراء کا ہے اور پھل دار درختوں کی پہلی فصل بھی خدا کے نام پر دی جاتی ہے۔(کتاب احبار)

۳۷ - سود

اسلام : اسلام میں سود کی بالکل ممانعت ہے بلکہ یہ اللہ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبَا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (275) يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (276)﴾ (سورۃ البقرۃ:275-276)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن وہ نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص اٹھتا ہے جس کے حواس جن نے لپٹ کر کھو دیے ہیں، یہ حالت ان کی اس لیے ہو گی کہ انہوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جسے اپنے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا رہا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو کوئی پھر سود لے وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار کو پسند نہیں کرتا"۔

اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (278) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (279)﴾ (سورۃ البقرۃ:279-278)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ اگر تم نے نہ چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے، اور اگر توبہ کر لو تو اصل مال تمہارا تمہارے واسطے ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا"۔

یہودیت : کسی یہودی سے سود نہیں لیا جا سکتا؛ لیکن یہودی غیر یہودی سے لے سکتا ہے۔(کتاب استثناء باب:۲۳، آیات:۲۱-۲۰)

۳۸ - جہاد

اسلام : اسلام میں جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ اپنی حفاظت کے لیے بھی ظلم سے بچنے کے لیے بھی جہاد کی اجازت ہے۔

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ (39) الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (40)﴾ (سورہ الحج آیت: ۴۰-۳۹)

"جن سے کافر لڑتے ہیں انہیں بھی لڑنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ وہ لوگ جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے صرف یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا تو تکیئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا، بے شک اللہ زبردست غالب ہے"۔

﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (سورۃ الصف:11)

"(وہ یہ ہے کہ) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہترین بات ہے، اگر تم سمجھو"۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (15) وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (16)﴾ (سورۃ الانفال:15-16)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدان جنگ میں ملو تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرو۔ اور جو کوئی اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا مگر یہ کہ لڑائی کا ہنر کرتا ہو یا فوج میں جاملتا ہو سو وہ اللہ کا غضب لے کر پھرا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بہت برا ٹھکانا ہے"۔

﴿وَاِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ (12) اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (13) قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ (14)﴾ (سورۃ التوبہ:12-14)

"اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں تو کفر کے سرداروں سے لڑو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں تاکہ وہ باز آئیں۔ خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی، کیا تم ان سے ڈرتے ہو، اللہ زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو۔ ان سے لڑو تاکہ اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے اور انہیں ذلیل کرے اور تمہیں ان پر غلبہ دے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے"۔

اگر کوئی شخص عین میدان جہاد میں کسی مسلمان کے سامنے کلمہ پڑھ لے یا کسی گاؤں سے اذان کی آواز آجائے تو ان سے جہاد (قتال) نہیں کیا جاسکتا۔

یہودیت : یہودیت میں جہاد کا مقصد صرف زمین و جائیداد کی تحصیل ہے، اگر کوئی شخص اپنی جان بچانے کیلئے یہودیت اختیار بھی کرنا چاہے تب بھی اس کو قتل کر دینا جائز ہے۔ (M.J.65) (کتاب استثناء: باب: ۲۰، آیت: ۱۸-۱۰)

۳۹ -طعام

اسلام : اسلام میں ہر ایک طیب چیز کا کھانا جائز ہے حتی کہ اونٹ اور خرگوش کی بھی اجازت ہے۔

﴿يَسْأَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۖ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (4) اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيٓ اَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (5) ﴾ (سورۃ المائدہ:4-5)

" تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیز حلال ہے، کہہ دو تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور جو شکاری جانور جسے شکار پر دوڑنے کی تعلیم دو کہ انہیں سکھاتے ہو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا ہے، سو اس میں سے کھاؤ جو وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے، اور (تمہارے لیے حلال ہیں) پاک دامن مسلمان عورتیں اور ان پاک دامن عورتوں میں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب کہ ان کے مہر انہیں دے دو ایسے حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے، اور جو ایمان سے منکر ہو تو اس کی محنت ضائع ہوئی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا"۔

یہودیت : یہودیت میں اونٹ اور خرگوش کو کھانا جائز نہیں حتی کہ ایسے پھل کو کھانا بھی جائز نہیں جو ایسے درخت سے توڑا گیا ہو جو تین سال سے کم ہو۔ (کتاب احبار)

۴۰ -شکار کرنا

اسلام : اسلام میں حلال جانوروں کا شکار کرنا جائز ہے۔ (م-ن فقہ اسلامی)

یہودیت : یہودیت میں شکار کرنا جائز نہیں شکار کے مسائل کی وجہ سے۔ (M.J.74)

۴۱ -ذبیحہ

اسلام : اسلام یہودی کے ہاتھ کے ذبح کیے ہوئے حلال جانوروں کا گوشت کھانا جائز قرار دیتا ہے۔ (اہل کتاب ہونے کی وجہ سے)

﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (سورۃ المائدہ:5)

" آج تمہارے واسطے سب پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، اور اہل کتاب کا کھانا تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے"

یہودیت : یہودیت کسی مسلمان کے ہاتھ سے ذبح کیے ہوئے حلال جانور کو بھی یہودی کے لیے کھانا جائز نہیں رکھتی۔ (M.J.74)

۴۲ -شراب کا استعمال

اسلام : اسلام شراب کو پینا مطلقاً حرام قرار دیتا ہے چاہے زیادہ ہو یا کم ہو۔ اسی طرح اس کا بنانا اور خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ معاشرے میں بگاڑ کی وجہ ہے اور اُم الخبائث ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (90) اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (91) ﴾

(سورہ المائدہ آیت:۹۲-۹۱)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روکے، سو اب بھی باز آ جاؤ"۔

یہودیت : یہودیت تورات کے اعتبار سے تو شراب کو حرام قرار دیتی ہے (کتاب احبار: باب:۱۰، آیت:۹) لیکن تلمود کے اعتبار سے ربیوں کے یہاں شراب کے استعمال پر آراء مختلف ہیں، بعض بالکل حرام قرار دیتے ہیں اور بعض تھوڑی مقدار میں پینے کو روا رکھتے ہیں۔(M.J.79-80)

۴۳ -عام قانون

اسلام : اسلام دین یسر ہے اس کے قوانین اتنے آسان ہیں کہ پورے عالم میں کہیں پر بھی اس کے مطابق چلا جا سکتا ہے۔

یہودیت : یہودی عام قانون بڑا سخت ہے۔(M.J.78)

۴۴ -مذہبی امور

اسلام : اسلام میں مذہبی امور میں آسانی ہے، مثلاً جمعہ کے روز جمعہ کی نماز کی تیاری اور ادائیگی کے لیے جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر جمعہ کی نماز ادا کرنے تک دنیا کا کوئی بھی کام کرنا جائز نہیں۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (9) فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (10) ﴾ (سورۃ الجمعہ:9-10)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، تمہارے لیے یہی بات بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پس جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں چلو پھرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ"۔

(سورہ جمعہ آیت:۱۱-۹)(م-ن اسلامی فقہ باب نماز)

یہودیت : لیکن یہودیت میں جمعہ کے روز غروب شمس سے لے کر سنیچر کے روز غروب شمس تک دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتے حتی کہ بجلی کی سوئچ وغیرہ بھی آن آف کرنے کی اجازت نہیں۔(کتاب تخلیق: باب:۲، آیت:۲)(M.J. 80-81-82)

۴۵ -معبد میں مسلم اور یہودی کی حاضری

اسلام : اسلام میں مسجد میں نماز پڑھنے یا ذکر کرنے یا تلاوت وغیرہ کے لیے کوئی کہیں بھی بیٹھ سکتا ہے۔(م-ن اسلامی فقہ: باب نماز)

یہودیت : یہودیت میں مساوات کا نام تک نہیں بڑے لوگوں کے لیے ان کی سیٹیں محفوظ رہتی ہیں حتی کہ عبادت کی جگہیں وراثت میں حاصل بھی کی جاتی ہیں۔(M.J.81-82)

۴۶ -مذہبی تعلیم

اسلام : اسلام میں مذہب کی تعلیم مرد و عورت دونوں کے لیے لازمی ہے جیسا کہ حدیث رسول ﷺ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ،"

یہودیت : تورات کا حکم یہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو تعلیم دو۔ اس وجہ سے یہودیت میں مذہبی تعلیم میں عورتوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے حتی کہ بعض ربیوں کے مطابق عورت کو تورات کی تعلیم دینا ایسا ہے جیسا کہ لکڑی میں آگ لگا دینا۔ کیوں کہ بائبل میں نعوذ باللہ انبیاء کو بھی زناکار، دھوکہ باز اور کذاب بنا کر پیش کیا گیا ہے۔(M.J.93-94)

۴۷ - شیطان

اسلام : شیطان نے حضرت آدم و حواء کو دھوکہ دیا اور شجر ممنوعہ کھلا دیا۔

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُوْرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ (20) وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ (21) فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (22)﴾

(سورۃ الاعراف:20-22)

" پھر انہیں شیطان نے بہکایا تاکہ ان کی شرم گاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے، اور کہا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لیے کہ کہیں تم فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ۔ اور ان کے روبرو قسم کھائی کہ البتہ میں تمہارا خیر اخواہ ہوں۔ پھر انہیں دھوکہ سے مائل کر لیا، پھر جب ان دونوں نے درخت کو چکھا تو ان پر ان کی شرم گاہیں کھل گئیں اور اپنے اوپر بہشت کے پتے جوڑنے لگے، اور انہیں ان کے رب نے پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تمہیں کہہ نہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

یہودیت : شیطان کے بجائے سانپ نے حضرت حواء کو دھوکہ دیا اور شجر ممنوعہ کھلوا دیا۔(کتاب تخلیق: باب:۳-۲)

۴۸ - تعلیم

اسلام : اسلام کی تعلیم یونیورسل بین الاقوامی ہے۔ مرد و عورت دونوں کے لیے لازمی جیسا کہ سورہ اقرأ اور حدیث "العلم فریضة" سے ثابت ہے۔

یہودیت : یہودیت کی تعلیم خاص طور پر بنی اسرائیل تک محدود ہے اور بنی اسرائیل میں بھی مذہب کی تعلیم تو صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے دینی تعلیم کو پسند نہیں کیا جاتا کیوں کہ تورات کا یہ حکم ہے اپنے لڑکوں کو تعلیم دو۔ (M.J. 95) (کتاب تلمود۔ کتاب استثناء: باب:۱۱، آیت:۱۹)

۴۹ - تعلیم اور عورتیں عام اصول

اسلام : آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دے، دینی اور دنیوی دونوں تعلیم، تعلیم میں شامل ہیں۔ اسی وجہ سے مندرجہ ذیل عورتیں اسلامی تاریخ میں منظر عام پر آئیں:

① حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (زوجہ رسول اللہ ﷺ) ② حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ③ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، ④ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، ⑤ مریم و فاطمہ جو.... یونیورسٹی مسجدہ کی موسسہ تھیں، ⑥ جمیلہ جو یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئیں، ان کا بھی تعلیمی میدان میں بڑا نام ہے۔

یہودیت : ۱ - پہلا قول یہ ہے کہ آدمی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی لڑکوں کو تورات کی تعلیم دے۔

۲ - دوسرا قول یہ ہے کہ جو بھی شخص اپنی بیٹی کو تورات کی تعلیم دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اپنی بچی کو گندی چیزوں کو سکھائے۔

۳ - تیسرا قول یہ ہے کہ عورت کو تورات کی تعلیم دینے کی بجائے تورات ہی کو جلا دینا بہتر ہے۔

۴ - چوتھا قول یہ ہے کہ جب ایک ربی سے کسی عورت نے سونے کے بچھڑے کے متعلق پوچھا تو اسے ڈانٹتے ہوئے کہا گیا کہ عورت کو تعلیم سے کوئی سروکار نہیں، صرف اس کا کام اسپنڈل کا استعمال ہے۔

۵ - یہودی علماء نے مشترکہ تعلیم کو اس واسطے عورتوں کو دلانے سے منع کیا کہ اس کی وجہ سے یونان اور روم میں عورتوں کے اندر اخلاقی گراوٹ یہاں تک آئی کہ ناقابل برداشت ہوگئی۔

مندرجہ بالا وجوہات کی وجہ سے یہودی عورتوں میں زیادہ مشہور و معروف تعلیم یافتہ عورتیں نہیں گزری ہیں۔(M.J.)

۵۰ - عورت کا مقام

اسلام : اسلام عورت کو اس کا جائز مقام دیتا ہے صرف ساخت کی وجہ سے مرد کے مقابلے میں اختیارات کچھ کم ہیں؛ لیکن عام تعلیم یہ ہے کہ

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْاَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (سورۃ النساء:32)

"اور مت ہوس کرو اس فضیلت میں جو اللہ نے بعض کو بعض پر دی ہے، مردوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور عورتوں کو اپنی کمائی سے حصہ ہے، اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے"۔

﴿مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (سورۃ الغافر:40)

جس نے برا کام کیا تو اتنی ہی سزا پائے گا، اور جس نے نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایماندار بھی ہو سو وہ جنت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب روزی ملے گی۔

یہودیت : عورت پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اسی نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکا کر شجر ممنوعہ کا پھل کھلوایا۔ اس لیے سب سے پہلے گناہ کی مرتکب وہی ہوئی، یعنی گناہ کی شروعات کا الزام عورت کے اوپر ہے۔ جس کی سزا کے طور پر مرد کو اس کے اوپر حاکم بنایا گیا ہے۔ اور اس کو حمل کے جننے وغیرہ کی سزائیں دی گئی ہیں۔(کتاب تخلیق: باب:۳-۲) عورت عام طور سے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے اپنی مرضی کے مطابق بنایا اور مرد یہ کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ تو نے مجھے عورت نہیں بنایا ہے۔(M.J.)

۵۱ - کثرت ازواج

اسلام : اسلام کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کے لیے صرف چار عورتوں کو ایک وقت میں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ (سورۃ النساء:3)

"اور اگر تم یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو، اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کر دو یا جو لونڈی تمہارے ملک میں ہو وہی سہی، یہ طریقہ بے انصافی سے بچنے کے لیے زیادہ قریب ہے"۔

یہودیت : یہودیت کے مطابق پہلا قول تو یہ ہے کہ ازواج کی کثرت کی کوئی تحدید نہیں۔ دوسرا قول صرف چار تک کا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی کو طلاق دینا ضروری ہے۔ چوتھا قول زمانہ ہذا میں یورپ اور امریکہ سے متاثر ہو کر یہود نے ظاہری طور پر کثرت ازواج کے سلسلہ کو بند کر دیا ہے۔

۵۲ - عورتوں کا سفر

اسلام : اسلام میں کوئی بھی عورت لمبے سفر پر بلا محرم کے نہیں جا سکتی چاہے حج کا سفر ہی کیوں نہ ہو۔ چھوٹے اور مختصر سفر کے لیے بھی محرم کا ہونا اچھا ہے۔ (م-ن اسلامی فقہ: باب الحج)

یہودیت : عورت بلا محرم کے بھی سفر کر سکتی ہے اور یہ بات مانی جاتی ہے کہ وہ خود اپنی حفاظت کر لے گی۔ (M.J.)

۵۳ - مرد اور عورت کا ساتھ

اسلام : مرد اپنی عورت کے ساتھ ایام حیض و نفاس کے سوا کسی وقت بھی ہم بستر ہو سکتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں ایام حیض کے علاوہ مزید سات روز تک وہ اپنی بیوی کے ساتھ بستر میں شرکت نہیں کر سکتا۔ (M.J.)

۵۴ - جنسی معاملات

اسلام : اسلام میں مرد اپنی عورت کے ساتھ جنسی معاملات کا تذکرہ کر سکتا ہے۔

یہودیت : یہودیت میں جنسی معاملات کا تذکرہ کرنا جائز نہیں۔ (M.J.)

۵۵ - بین الاقوامی قوانین

اسلام : اسلام بین الاقوامی مذہب ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی قوانین پوری طرح سے پیش کرتا ہے۔

یہودیت : یہودیت نسلی مذہب ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی قوانین سے عاری ہے۔ صرف موقع و محل کو دیکھا جاتا ہے۔

۵۶ - اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ

اسلام : اسلام کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ (بی بی حاجرہ علیہا السلام) کو وادی غیر ذی زرع (مکہ معظمہ) اس واسطے چھوڑا تھا تاکہ اللہ کا گھر آباد ہو اور نماز قائم ہو جائے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ﴾ (سورة ابراہیم :37)

"اے رب ہمارے! میں نے اپنی کچھ اولاد ایسے میدان میں بسائی ہے جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس، اے رب ہمارے! تاکہ نماز کو قائم رکھیں پھر کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں میووں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کریں"۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت سے محروم نہیں کیا گیا اور نہ ہی حضرت سارہ علیہا السلام کی وجہ سے گھر سے نکالا گیا۔

یہودیت : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت حاجرہ علیہا السلام کے اس قول سے مجبور ہو کر کہ ابراہیم علیہ السلام کی وراثت میں اسماعیل علیہ السلام کو کچھ نہیں ملے گا اور یہ کہ اسماعیل علیہ السلام لڑکپن میں اپنے چھوٹے بھائی اسحاق علیہ السلام پر ہنس پڑے تھے، اس واسطے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے گھر سے نکال دیا۔(کتاب تخلیق)

۵۷ -تورات کا حافظہ

اسلام : اسلام میں قرآن کریم روز اوّل سے ہی لکھا ہوا تھا اور آپ ﷺ پر جو بھی آیت نازل ہوتی تھی اس کو فوراً لکھا دیا کرتے تھے۔ وحی کے لکھنے پر تقریباً چالیس آدمی مامور تھے۔ اور اس کتاب کا حافظہ بھی روز اول ہی سے رائج ہو گیا تھا کیوں کہ حفظِ قرآن کے فضائل کو اللہ کے رسول ﷺ نے بہت زیادہ بیان کیا تھا۔ (فضائل قرآن: مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، علوم القرآن باگرامی صاحب سابق ڈین فیکلٹی دینیات علی گڑھ)

یہودیت : تورات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تورات کا ایک ہی نسخہ تھا اس کا حفظ مشروع نہیں تھا بلکہ ہر ساتویں سال عوام کے سامنے پڑھ دیا جاتا تھا، جیسا کہ خود عزیر علیہ السلام نے بھی بابل سے یہود کی جلاوطنی کے بعد واپسی پر بیت المقدس میں عوام کے سامنے تورات کو سنایا تھا۔(کتاب استثناء؛ کتاب عزیر)

۵۸ -الٰہی اعمال کا ردعمل

اسلام : اللہ تعالیٰ ظالموں کو سزا دے کر پچھتاتا نہیں ہے اور اکثر و بیشتر یہ آیت یا اس کے مساوی الفاظ ملتے ہیں

﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ﴾ (سورة ہود :101)

" اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہی اپنی جانوں پر ظلم کر گئے، پھر ان کے وہ معبود کچھ کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے جس وقت تیرے رب کا حکم آ پہنچا، اور ان معبودوں نے سوائے ہلاکت کے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا"۔

یہودیت : اللہ تعالیٰ ظالموں کو سزا دینے کے بعد پچھتاتا بھی ہے جیسا کہ طوفان نوح کے موقع پر ہوا۔(کتاب تخلیق، طوفان نوح)

۵۹ -انسانوں سے خطاب

اسلام : قرآن کریم انسان سے بذات خود مسلمانوں سے، کفار سے اور تمام انسانوں سے خطاب کرتا ہے۔ مثلاً "ہل اَتٰی علی الانسان" یا "یا اَیہا الذین آمنوا" یا "یا اَیہا الناس"۔ (سورہ حم سجدہ، سورۃ الدہر، سورہ بقرہ، سورہ اعراف)

یہودیت : یہودیت زیادہ تر بنی اسرائیل کے الفاظ ہی سے یہودیوں کو خطاب کرتی ہے، تورات میں زیادہ تر ایسا ہی ملتا ہے۔ جیسا کہ یہودی عقیدے "شیما" کے الفاظ سے بھی ثابت ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے Sheema Yashroel ... اے اسرائیل سنو!(کتاب استثناء)

۶۰ -کیلنڈر

اسلام : اسلام میں کوئی Leap Year (لوند کا سال) کا سال نہیں ہوتا یعنی کسی مہینے کے دنوں میں کمی بیشی صرف چاند کی رویت ہی پر منحصر ہوتی ہے۔ انسانی دخل اس میں نہیں ہوتا:

﴿اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورۃ التوبہ:37)

" یہ مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے، اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں کہ اس مہینے کو ایک برس تو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام رکھتے ہیں تاکہ ان بارہ مہینوں کی گنتی پوری کر لیں جنہیں اللہ نے عزت دی ہے پھر حلال کر لیتے ہیں جو اللہ نے حرام کیا ہے، ان کے برے

اعمال انہیں بھلے دکھائی دیتے ہیں، اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا"۔

یہودیت : یہودیت میں Leap Year (لوند) مانا جاتا ہے اور ہر انیسویں سال Adar کے مہینے کو سات گنا بڑھا کر جوڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے حساب انگریزی کیلنڈر کے برابر ہی ہو جاتا ہے۔ یعنی ۳۶۵ دن۔ (Helleys Hand Book holy bible)

۶۱ ۔ختنہ

اسلام : اسلام میں ختنہ سنت رسول ﷺ ہے، بلکہ سنت ابراہیمی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ کتاب تخلیق کے مطابق ۹۹ سال کی عمر میں ہوئی تھی، تبھی سے یہ حکم سنت انبیاء مانا جاتا ہے، اس لیے اسلام میں آج تک رائج ہے اور انشاء اللہ رہے گی۔

یہودیت : یہودیت میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ صدیوں بعد تک ختنہ رائج تھی؛ لیکن عیسائیت کے اثر و رسوخ بڑھنے کی وجہ سے سینٹ پال کے بعد ختنہ پر پابندی لگادی گئی، اس لیے آج یہود میں بھی یہ سنت ابراہیمی مفقود ہو گئی ہے۔ (رسولوں کے اعمال، عہد نامہ جدید)

۶۲۔ نزول مسیح علیہ السلام

اسلام: اسلام کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں دمشق میں آسمان سے زمین پر اتریں گے اور پھر مسلمان امیر حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اس لئے تمام عالم اسلام اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منتظر ہیں۔

یہودیت: جبکہ یہودی مسیحِ دجال (Anti christ) کے منتظر ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام یہودیوں سے مقابلہ کر کے انھیں دوبارہ سے حکومت دلائے گا۔ اور وہ اپنا معبد (ہیکل سلیمانی) دوبارہ تعمیر کر سکیں گے۔

یہودیت اور دیگر مذاہب

اسلام اور یہودیت

اسلام اور یہودیت کے درمیان خصوصی اور قریبی رشتہ ہے۔ دونوں مذاہب ایک ہی جدِّ امجد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتے ہیں اور اس لیے ابراہیمی مذاہب میں شمار ہوتے ہیں۔ دونوں ہی مذاہب عقیدۂ توحید پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن یہودیوں کو اہل الکتاب کا خطاب دیتا ہے، ایک خطاب جو یہودیوں نے بعد ازاں تورات اور اپنی دیگر کتب سے رشتہ واضع کرنے کے لیے خود بھی اپنا لیا۔ دوسری طرف بہت سے یہودی بھی یہ مانتے ہیں کہ مسلمان سات قوانینِ نوح علیہ السلام کی پابندی کرتے ہیں اور اس لیے اسرائیل کا خدا کے ہدایت یافتہ بندے ہیں۔ یہودیوں کا مسلمانوں سے ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ نمائے عرب میں آغازِ اسلام سے واسطہ ہے اور اسلام اور یہودیت کے بہت سے بنیادی عقائد اور قوانین مشترک یا ملتے جلتے ہیں۔ مسلم ثقافت اور فلسفے نے مسلم علاقوں میں رہنے والے یہودیوں پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ یورپ کے برعکس قرون وسطیٰ کے مسلم ممالک میں یہودیوں کو شاذونادر ہی قتل وغارت، جبری تبدیلی مذہب یا جبری بید خلی کا سامنا کرنا پڑا؛ انھیں مسلم ممالک میں عمومی طور پر مذہب، رہائش اور کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ یہاں تک کہ 712ء سے 1066ء تک بنوامیہ اور بنو عباس کے دور حکومت کو ہسپانیہ میں یہودی ثقافت کا عہدِ زریں مانا جاتا ہے۔ ان ممالک میں رہنے والے یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں کو ذمّی شمار

کیا جاتا تھا۔ ذمّیوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے اندرونی معاملات اپنی مرضی سے طے کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی، تاہم ان پر کچھ پابندیاں بھی تھیں جو مسلمانوں پر نہیں لگائی جاتی تھیں۔ یہ پابندیاں بھی ان یہودی سازشوں کا نتیجہ تھیں جو ان کی فطرت میں شامل تھی۔ یہ ہمیشہ جہاں بھی رہتے تھے سازشوں اور دیگر طریقوں سے حکومت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ جیسے مدینہ منورہ میں بنی قریظہ اور بنی قینقاع کی سازشیں اور پھر خیبر کے واقعات۔ یہی وجہ تھی کہ ان پر نہ صرف پابندیاں لگائی گئیں بلکہ ان کو جلاوطن بھی کرنا پڑا۔ مثلاً ان پر جزیہ لاگو ہوتا تھا جو ایک فی کس ٹیکس تھا اور ہر بالغ غیر مسلم مرد سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کے لیے ہتھیار لے کر چلنا اور ایسے مقدمات میں گواہی دینا بھی منع تھا جس میں کوئی مسلمان فریق ہو۔ ذمّیوں سے متعلق کئی قوانین علامتی اور امتیازی تھے؛ مثلاً کچھ ممالک میں ذمّیوں کے لیے علاحدہ لباس مخصوص تھا تاکہ ان کی آسانی سے شناخت ہو سکے۔ یہ قانون قرآن یا حدیث میں کہیں مذکور نہیں بلکہ قرونِ اولیٰ کے بغداد میں بنایا گیا اور بعد ازاں مختلف ممالک میں مختلف انداز اور شدّت سے نافذ کیا گیا۔ مسلم ممالک میں یورپ کی نسبت بہتر سلوک کے باوجود یہودی مکمل طور پر جبری اقدامات سے آزاد نہ تھے، مثلاً کچھ یہودیوں کو بارہویں صدی عیسوی میں ایران اور دولت موحدین کے حکمرانوں کی جانب سے ہسپانیہ اور شمالی افریقہ میں قتل و غارت، جبری بیدخلی اور جبری تبدیلی مذہب کا سامنا کرنا پڑا۔ نامور یہودی راہب، فلسفی اور طبیب موسیٰ بن میمون، جو مغرب میں میمونائڈز کے نام سے جانے جاتے ہیں، نے اسی زمانے میں ہسپانیہ سے نقل مکانی کر کے مصر میں سکونت اختیار کی۔ بعض اوقات یہودیوں پر رہائشی پابندیاں بھی لگائی گئیں، مثلاً پندرھویں صدی کے بعد سے مراکش میں یہودیوں کو شہروں کے مخصوص محلّوں تک محدود کر دیا گیا اور اس طرز عمل میں انیسویں صدی اور اس کے بعد مزید اضافہ ہوا۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مسلم ممالک میں یہودیوں سے امتیازی سلوک کی زیادہ مثالیں ہسپانیہ اور شمالی افریقہ میں دیکھنے میں آتی ہیں جو یورپ اور بالخصوص ہسپانیہ کے نصرانی علاقوں سے قریب ہونے کے باعث وہاں نصرانیوں کی جانب یہودیوں پر جاری جبر و استبداد کے اثرات قبول کر رہے تھے۔

بیسویں صدی میں اسرائیل کی صیہونی تحریک (Zionism) اور اسرائیل میں مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے باعث یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے رویّے میں تبدیلی آئی ہے۔ مسلم ممالک میں رہنے والے زیادہ تر یہودی اب اسرائیل منتقل ہو چکے ہیں۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی اکثر تحاریک، جیسے اسرائیل کا خدا اور حماس میں یہودی مخالف جذبات اور رویّے واضع طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔

یہودیوں کو اسلام کی دعوت

یہودیوں کو اسلام کی دعوت دینا ایک حساس اور حکمت والا کام ہے۔ **اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ دعوت نرمی، علم اور احترام کے ساتھ دی جائے۔** چند اہم طریقے یہ ہیں:

① حکمت اور اچھے اخلاق کے ساتھ دعوت

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (سورۃ النحل:125)

اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے۔

یعنی گفتگو میں سختی یا جھگڑا نہ ہو بلکہ نرمی اور دلیل ہو۔ حضرت محمد ﷺ کی دعوت کا انداز بھی یہی تھا کہ آپ لوگوں کو محبت، صبر اور حکمت کے ساتھ اسلام کی طرف بلاتے تھے۔

② مشترک باتوں سے آغاز کریں

یہودی بھی حضرت Moses (حضرت موسیٰ علیہ السلام)، Abraham (حضرت ابراہیم علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء کو مانتے ہیں۔ لہٰذا دعوت دیتے وقت یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام انہی انبیاء کی اصل تعلیمات کی تکمیل ہے اور Muhammad (محمد ﷺ) بھی اسی سلسلے کے آخری نبی ہیں۔

③ قرآن کی تعلیمات بیان کریں

انہیں بتائیں کہ قرآن کریم Qur'an پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور توحید (ایک خدا کی عبادت) کی دعوت دیتا ہے۔

④ دلائل اور سوالات کا احترام

اگر وہ سوال کریں تو غصہ یا بحث کے بجائے علم اور دلیل سے جواب دیں۔ اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو تحقیق کے بعد جواب دیں۔

⑤ اپنے عمل سے دعوت

اکثر لوگ کردار سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ سچائی، امانت داری اور اچھا اخلاق دیکھ کر لوگ اسلام کے قریب آتے ہیں۔

⑥ دعا بھی کریں

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ان کے لئے ہدایت کی دعا بھی کرتے رہیں۔

یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے وقت علماء عام طور پر چند مضبوط دلائل پیش کرتے ہیں۔ مقصد بحث جیتنا نہیں بلکہ حق کو حکمت اور احترام کے ساتھ واضح کرنا ہوتا ہے۔

① توحید کا مشترک عقیدہ

یہودی اور مسلمان دونوں ایک ہی خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام بتاتا ہے کہ تمام انبیاء نے ایک ہی پیغام دیا:

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اسی پیغام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام (Abraham) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام (Moses) نے بھی پہنچایا۔

② تمام انبیاء پر ایمان

اسلام یہ سکھاتا ہے کہ ہم تمام سچے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں، جیسے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلمان علیہ السلام اور اسلام یہ بتاتا ہے کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

③ آخری نبی کی ضرورت

ہر زمانے میں اللہ نے ہدایت کے لئے نبی بھیجے۔ جب انسانیت پوری دنیا میں پھیل گئی تو ایک آخری اور عالمی نبی کی ضرورت تھی جو سب کے لئے ہو۔ اسلام کے مطابق یہ نبی حضرت Muhammad ﷺ ہیں۔

④ آخری نبی کی بشارتیں

بعض مقامات پر تورات میں آنے والے نبی (حضرت محمد ﷺ) کی بشارت ملتی ہے، اور بنی اسرائیل کے علماء انھیں خوب پہچانتے ہیں۔

⑤ قرآن کی تصدیق

اسلام کے مطابق **قرآن کریم** سابقہ آسمانی کتابوں کی اصل تعلیمات کی تصدیق کرتا ہے اور انسانوں کو خالص توحید کی طرف بلاتا ہے۔

⑥ قرآن کی حفاظت

پچھلی آسمانی کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وقت کے ساتھ ان میں تبدیلیاں آ گئیں، لیکن Qur'an کو اللہ نے محفوظ رکھا ہے۔ اسی لئے قرآن آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے حضرت Muhammad ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

⑦ نبی کریم ﷺ کی سچائی اور کردار

حضرت محمد ﷺ کی سچائی، امانت اور اخلاق اس بات کی بڑی دلیل ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حتیٰ کہ دشمن بھی آپ کو الصادق اور الامین کہتے تھے۔

کن غلطیوں سے بچنا چاہئے

یہودیوں کو اسلام کی دعوت دیتے وقت کچھ ایسی غلطیاں ہیں جن سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اگر ان سے بچا جائے تو دعوت زیادہ مؤثر اور باوقار ہوتی ہے۔

① سختی یا توہین آمیز انداز

کبھی بھی ان کے مذہب یا انبیاء کی توہین نہ کریں۔ اسلام ہمیں ادب سکھاتا ہے۔ اگر سختی یا طنز ہو تو سامنے والا حق بات بھی قبول نہیں کرتا۔

② بحث اور جھگڑے کا طریقہ

دعوت کا مقصد بحث جیتنا نہیں بلکہ دل جیتنا ہے۔ اگر گفتگو جھگڑے میں بدل جائے تو بہتر ہے نرمی سے بات ختم کر دیں اور موقع دیکھ کر دوبارہ بات کریں۔

③ علم کے بغیر بات کرنا

اگر کوئی شخص سوال کرے اور ہمیں جواب معلوم نہ ہو تو غلط بات نہیں کہنی چاہیے۔ بلکہ صاف کہنا بہتر ہے کہ میں تحقیق کر کے بتاؤں گا۔

بنی اسرائیل سے چند سوالات

یہودی علماء یا اہلِ علم کے ساتھ گفتگو کرتے وقت بعض سوچنے پر مجبور کرنے والے سوالات پوچھے جاسکتے ہیں۔ مقصد بحث نہیں بلکہ حق کی تلاش میں گفتگو ہوتا ہے۔

① کیا اللہ کی ہدایت صرف ایک قوم کے لئے ہو سکتی ہے؟

یہودی مذہب میں اکثر بنی اسرائیل کو خاص قوم سمجھا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ: اگر اللہ پوری انسانیت کا رب ہے تو کیا اس کی ہدایت صرف ایک قوم تک محدود رہنی چاہیے یا پوری انسانیت کے لئے ہونی چاہیے؟

اسلام کہتا ہے کہ حضرت محمد (Muhammad) ﷺ پوری انسانیت کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

② کیا انبیاء کا سلسلہ ہمیشہ جاری نہیں رہا؟

پوری انسانی تاریخ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بار بار نبی بھیجے، جیسے:

- حضرت ابراہیم علیہ السلام (Abraham)
- حضرت اِسحاق علیہ السلام (Issac)
- حضرت یعقوب علیہ السلام (Jaccob)
- حضرت مُوسیٰ علیہ السلام (Moses)
- حضرت داؤد علیہ السلام (David)

تو سوال یہ ہے: کیا ممکن نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میں بھی کوئی نبی آیا ہو جسے ماننا ضروری ہو؟

③ کیا آنے والے نبی کی بشارتیں موجود نہیں؟

تورات (Torah) میں آنے والے نبی کی خبر دی گئی ہے۔

سوال یہ ہو سکتا ہے کہ:

اگر ایسی بشارتیں موجود ہوں تو کیا ہمیں اس نبی کو قبول نہیں کرنا چاہیے؟

④ اصل توحید کی تعلیم کیا ہے؟

سوال کیا جاسکتا ہے: کیا تمام انبیاء کی اصل دعوت **ایک اللہ کی عبادت** نہیں تھی؟

یہی پیغام حضرت ابراہیم علیہ السلام (Abraham) سے لے کر تمام انبیاء کرام نے دیا۔

⑤ اگر کوئی نبی سچا ثابت ہو جائے تو کیا اسے ماننا ضروری نہیں؟

اگر کسی نبی کی سچائی دلائل سے واضح ہو جائے تو کیا پھر اس کو قبول کرنا لازم نہیں ہونا چاہیے؟

قرآن کریم میں دعوت الیٰ اللہ

قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اہلِ کتاب (یہودی اور عیسائی) کو دعوت دی گئی ہے۔ یہاں چار اہم آیات ہیں جو دعوت کے لیے بہت اہم سمجھی جاتی

ہیں:

① سب کو ایک مشترک بات کی طرف دعوت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾(سورۃ آل عمران:64)

"کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب! ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ سوائے اللہ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور سوائے اللہ کے کوئی کسی کو رب نہ بنائے، پس اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو فرمانبردار ہونے والے ہیں"۔

یہ آیت یہودیوں کو توحید کی طرف بلاتی ہے، جو سب انبیاء کی مشترک تعلیم ہے۔

② نبی ﷺ کو پہچاننے کے باوجود انکار

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (سورۃ البقرۃ:146)

"وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بے شک کچھ لوگ ان میں سے حق کو چھپاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں"۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد (Muhammad) ﷺ کی پہچان کا ذکر فرمایا ہے۔

③ حق کو نہ چھپاؤ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اہل کتاب سے یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۞وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:41-42)

"اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی، تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بنو، اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو"۔

یہ آیت اہلِ کتاب کو سچائی ظاہر کرنے کی نصیحت کرتی ہے۔

④ اگر ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو ایمان کی دعوت اس طرح دی ہے:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَّاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ (سورۃ البقرۃ 137:)

"پس اگر وہ بھی ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پا گئے، اور اگر وہ نہ مانیں تو وہی ضد میں پڑے ہوئے ہیں، سو تمہیں ان سے اللہ کافی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے"۔

یعنی صحیح ایمان وہ ہے جو تمام انبیاء پر اور نبی آخر الزمان حضرت محمد (Muhammad) صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لانے سے **مکمل** ہوتا ہے۔

قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل (یہودیوں) کی بعض **غلطیوں کا ذکر نصیحت اور عبرت کے طور پر** کیا گیا ہے، تاکہ مسلمان ان غلطیوں سے بچیں۔ چند اہم غلطیاں یہ ہیں:

① اللہ کے احکام کی نافرمانی

اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت نعمتیں دیں، مگر بعض لوگوں نے احکام کی نافرمانی کی۔ مثلاً حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ (**Moses**) کے زمانے میں کئی مرتبہ حکم کے باوجود مخالفت کی گئی۔

﴿يَا بَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:47)

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں دی تھیں اور میں نے تمہیں جہان پر فضیلت دی تھی۔

② انبیاء کی نافرمانی اور بعض کو قتل کرنا

قرآن میں ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور بعض کو قتل بھی کیا۔ یہ بہت بڑی گمراہی تھی۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۖ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾(سورۃ البقرۃ:87)

"اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد بھی پے در پے رسول بھیجتے رہے، اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کی، کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ حکم لایا جسے تمہارے دل نہیں چاہتے تھے تو تم اکڑ بیٹھے، پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کیا"۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (سورۃ آل عمران:21)

"بے شک جو لوگ اللہ کے حکموں کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں سو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں"۔

③ حق کو چھپانا

اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا تھا، مگر بعض علماء نے حق کو چھپایا یا بدل دیا۔ یہ بات قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر بیان ہوئی ہے۔

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۖ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام:91)

" اور انہوں نے اللہ کو صحیح طور پر نہیں پہچانا جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری، ان سے کہو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے وہ جو لوگوں کے واسطے روشنی اور ہدایت تھی، جسے تم نے ورق ورق کر کے رکھا جو تم دکھاتے ہو اور (اس کی) بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو، اور تمہیں وہ چیزیں سکھائیں جنہیں تم اور تمہارے باپ دادا نہیں جانتے تھے، تو کہہ دو کہ اللہ ہی نے اتاری تھی، پھر انہیں چھوڑ دو کہ اپنی بحث میں کھیلتے رہیں"۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرۃ:42)

اور سچ میں جھوٹ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

④ دنیا کی محبت اور لالچ

بعض لوگوں نے دین کے مقابلے میں دنیاوی فائدہ کو ترجیح دی، جس پر قرآن میں تنبیہ کی گئی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ﴾ (سورۃ ابراہیم:3)

" جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں"۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۚ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام:159)

" جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی جماعتیں بن گئے تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی انہیں بتلائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے"۔

⑥ اللہ کے ساتھ عہد توڑنا

قرآن کے مطابق اللہ کے ساتھ کیے گئے وعدوں اور احکام کو بار بار توڑا گیا۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَاٰتُوا الزَّكَاةَ ۗ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ:83)

" اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، پھر سوائے چند آدمیوں کے تم میں سے سب منہ موڑ کر پھر گئے"۔

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ﴾ (سورۃ المائدہ :13)

" پھر ان کی عہد شکنی کے باعث ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا، وہ لوگ کلام کو اس کے ٹھکانے سے بدلتے ہیں، اور اس نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی"

اہم بات:

قرآن میں یہ واقعات صرف تنقید کے لئے نہیں بلکہ **سبق کے لئے** بیان کیے گئے ہیں، تاکہ مسلمان بھی انہی غلطیوں میں نہ پڑیں۔

قرآنِ مجید میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بہت سی بڑی نعمتیں عطا کیں۔ ان میں سے چند اہم نعمتیں یہ ہیں:

① انبیاء کی کثرت

بنی اسرائیل میں بہت زیادہ انبیاء کرام آئے۔

مثلاً: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اِسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داوٗد علیہ السلام، حضرت سلمان علیہ السلام

یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی کہ ان کی رہنمائی کے لئے بار بار انبیاء بھیجے گئے۔

② فرعون سے نجات

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی۔ حضرت مُوسیٰ (Moses) علیہ السلام کے ذریعے انہیں آزادی ملی۔

③ آسمانی کتاب

اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانی کتاب تورات (Torah) عطا کی، جس میں ہدایت اور احکام تھے۔

④ آسمانی رزق

جب بنی اسرائیل صحرا (وادی تیہ) میں تھے تو اللہ نے ان کو منّ و سلویٰ عطا کیا، یعنی آسمان سے خاص رزق دیا۔

⑤ دنیا میں فضیلت

قرآن میں ذکر ہے کہ ایک زمانے میں اللہ نے بنی اسرائیل کو دنیا کی قوموں پر فضیلت دی تھی، کیونکہ ان میں انبیاء اور ہدایت زیادہ تھی۔

بنی اسرائیل کے واقعات

قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل کے کئی واقعات بیان ہوئے ہیں جو **عبرت اور نصیحت** کے لئے ہیں۔ ان میں سے 3 اہم واقعات یہ ہیں:

① بچھڑے کی عبادت کا واقعہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام (Moses) کوہِ طور پر گئے تو ان کی غیر موجودگی میں بعض بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ حالانکہ انہوں نے اللہ کے معجزات دیکھے تھے، پھر بھی اس گمراہی میں پڑ گئے۔ یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ایمان میں ثابت قدمی ضروری ہے۔

② گائے ذبح کرنے کا واقعہ

قرآن کریم میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن انہوں نے بار بار غیر ضروری سوالات کیے اور حکم کو مشکل بنا لیا۔ آخرکار انہیں وہی کرنا پڑا جو حکم دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اللہ کے حکم کو من و عن تسلیم کر لینا چاہئے اور اس کے سامنے بحث و حجت نہیں کرنی چاہیے۔

③ ہفتہ (سبت) کی نافرمانی

اللہ نے بنی اسرائیل کو ہفتے کے دن (یوم السبت) میں شکار سے منع کیا تھا۔ لیکن بعض لوگوں نے چالاکی سے اس حکم کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس نافرمانی پر انہیں سخت سزا دی گئی۔ یہ واقعہ ہمیں سکھاتا ہے کہ اللہ کے احکام میں دھوکہ یا چالاکی نہیں کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نافرمانی اور گناہوں کے باوجود بھی انہیں بار بار ہدایت دی اور نصیحت کی، تاکہ وہ درست راستے پر آئیں۔ قرآن میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں:

① حضرت مُوسیٰ علیہ السلام Moses کے ذریعے نصیحت

جب بنی اسرائیل فرعون کے ظلم سے آزاد ہوئے، تو انہوں نے بار بار اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی، مثلاً بچھڑے کی عبادت۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب و نافرمانی اور جہاد سے انکار وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے انہیں بار بار نصیحت کی اور درست راستے پر لانے کی کوشش کی۔

② اللہ کا صبر اور معافی

اللہ نے انہیں بہت نعمتیں عطا فرمائیں، لیکن وہ بعض اوقات ناشکری کرتے رہے۔ قرآن میں ذکر ہے کہ اللہ نے ان کی بار بار نافرمانی کے باوجود انہیں عذاب سے پہلے ہدایت دینے کی کوشش کی۔

③ آسمانی کتاب کی نصیحت

اللہ نے انہیں کتاب "تورات" (Torah) دی تاکہ وہ اس کے ذریعے صحیح اور غلط کو پہچانیں، لیکن بعض لوگوں نے اسے بدل دیا یا چھپایا۔ پھر بھی اللہ نے ان کے نیک لوگوں کے لیے رہنمائی جاری رکھی۔

④ عبرت اور سبق

قرآن میں بنی اسرائیل کے واقعات بیان کر کے اللہ سبحان و تعالیٰ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ:

- ہر قوم کے اندر نیک اور بد دونوں لوگ ہوتے ہیں
- اللہ کی ہدایت ہمیشہ موجود ہوتی ہے
- نصیحت اور اصلاح کے لیے صبر ضروری ہے

نرمی، حکمت، قرآن و سنت کے دلائل، اچھے اخلاق، سوچنے والے سوالات، دعا اور صبر — یہ سب مل کر یہودیوں کو اسلام کی طرف مؤثر انداز میں لے جا سکتے ہیں۔

⑨: بہائی مذہب:



بہت سے مذاہب کی چیزوں کو ماننے والے اس مذہب کی بنیاد بہاءاللہ نے ایران میں 1863 میں رکھی اور بعد میں نبوت کا دعویٰ بھی کیا، اس مذہب کے ماننے والوں کی دُنیا میں کُل تعداد 7 ملین ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا تقریباً 0.10 فیصد ہے۔

بہائی مذہب کا پہلا پیش روسیّد علی محمد (بابی) تھا جس نے 23 مئی 1844ء کو اپنے آپ کو وہ باب ("دروازہ") قرار دیا جو خُدا کا آٹھواں مظہر اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بعد پہلا مظہر ہے۔ اِس بیان میں نبی کریم ﷺ کے آخری اور عظیم ترین نبی ہونے اور قرآن کے منفرد اختیار کا ایک ساتھ انکار تھا۔ اسلام نے اِس طرح کے خیالات کے ساتھ کبھی نرمی یا مہربانی کا برتاؤ نہیں کیا۔ باب اور اُس کے پیروکاروں نے جنہیں بابان کہا جاتا تھا بہت زیادہ ایذارسانی کا سامنا کیا اور وہ بہت زیادہ خون خرابے میں ملوث تھے اور صرف چھ سال بعد 9 جولائی 1850ء میں باب کو سیاسی قیدی کے طور پر تبریز، ہر دیر بائجان میں پھانسی دے دی گئی۔ لیکن مرنے سے پہلے اُس نے ایک نئے آنے والے نبی کے بارے میں بات کی جسے اُس نے "مظہر اللہ" کہا تھا۔ 22 اپریل 1863ء میں اُس کے ایک پیروکار مرزا حسین علی نے خود کو اُس پیشین گوئی کی تکمیل اور اللہ کا تازہ ترین مظہر قرار دیا۔ اُس نے اپنے لیے بہاءاللہ (اللہ کی شان) کا لقب استعمال کیا۔ اِس کے پیروکاروں کو بہائی کہا جاتا ہے۔

بہائی مذہب کی تاریخ

بہائی مذہب نے شیعہ مذہب سے جنم لیا۔ بہائی فرقہ کا بانی مرزا علی محمد شیر ازی ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۲۰ء ایران میں پیدا ہوا یہ اثنا عشری شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا مگر پھر اس نے ان سے بھی آگے بڑھ کر ایک الگ فرقہ بنالیا۔ اس نے اسماعیل فرقہ کے عقائد باطلہ اور فرقہ سبئہ حلول کا ایک معجون مرکب تیار کیا۔ شیعہ مذہب میں امام مستور کا عقیدہ شیعہ مذہب کے عقائد میں سے ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق بارہواں امام ''سُر مّن رائی'' کے شہر میں غائب ہو گیا تھا اور ابھی تک وہ اسکے منتظر ہیں۔ مرزا علی محمد بھی دیگر اہل تشیع کی طرح یہی عقیدہ رکھتا تھا۔ اکثر اہل فارس جن میں یہ نوجوان (مرزا علی محمد) پروان چڑھا۔ اسی نظریہ کے حامل تھے اس نے روافض کی حمایت میں بڑی غیرت کا ثبوت دیا۔ جس کے نتیجہ میں یہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ فن نفسیات سے اسے گہرا لگاؤ تھا یہ فلسفیانہ نظریات کے درس و مطالعہ میں بھی لگا رہتا۔ لوگوں کی حوصلہ افزائی کے صلہ میں مرزا علی محمد نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ امامِ مستور کے علوم و فنون کا واحد عالمِ بے بدل ہے اور اس کی طرف رخ کئے بغیر وہ علوم نہیں کیے جاسکتے اس لیے کہ شیعہ مذہب کے قول کے مطابق دیگر ائمہ روافض کی طرح امامِ مستور ائمہ سابقین کی وصیت کی بناء پر قابل اتباع علوم کا جامع اور مصدر ہدایت و معرفت ہوتا ہے۔ اس مفروضہ کی بناء پر کہ مرزا علی ائمہ سابقین کے علوم کا حامل ہے اسے محبت سمجھا جانے لگا اور بلا چون وچرا اس کی اطاعت کی جانے لگی۔ ایک امام کی حیثیت حاصل ہو جانے پر مرزا علی محمد ایک متبوع عام قرار پایا اور بلا استثناء انکے جملہ اقوال کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ کچھ عرصہ گزارنے پر علی محمد غلّو سے کام لینے لگا اور اس نظریہ کو مطلقاً نظر انداز کر دیا کہ وہ امام مستور کے علوم کا ناقل ہے۔ اس نے مستقل مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا جن کا ظہور غیوبت امام کے ایک ہزار سال بعد ہونے والا تھا۔ روافض کے مطابق ان کا امام غائب ۲۶۰ھ میں نظروں

سے او جھل ہوئے تھا۔ مرزا نے اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی واغ دیا کہ ذاتِ خداوندی اس میں حلول کر آئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے توسط سے مخلوقات کے سامنے جلوہ افروز ہوتے ہیں ۔اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کا ظہور اسکے ذریعہ ہو گا ۔اس نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے عام عقیدہ سے تجاوز کر کے اس پر رجوع موسیٰ علیہ السلام کا اضافہ کیا اور کہنے لگا کہ ان دونوں انبیاء کا ظہور اس کے توسط ہو گا۔ مرزا علی محمد کی شخصیت میں اتنی جاذبیت پائی جاتی تھی کہ لوگ اسکے بلند بانگ دعاوی کو بلاچون وچرا مان لیتے تھے۔

بانی بہائیت کے عقائد واعمال: ان دعاوی باطلہ کے بعد مرزا علی محمد چند عقائد و اعمال کا اعلان کرنے لگا۔ ہم ذیل میں وہ امور ذکر کرتے ہیں۔ اعتقادی امور یہ تھے۔

① مرزا علی محمد روز آخرت اور بعد از حساب دخولِ جنت و جہنم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ روز آخرت سے ایک جدید روحانی زندگی کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے۔

② وہ بالفعل ذاتِ خداوندی کے اس میں حلول کر آنے پر اعتقاد رکھتا تھا۔

③عقیدہ ختم نبوت سے انحراف کرتے ہوئے اس نے دعویٰ نبوت اور دعویٰ الوہیت بھی کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ ذاتِ باری مجھ میں حال ہے اور میرے بعد آنے والوں میں بھی حلول کرتی رہے گی۔ گویا حلول الوہیت کو وہ اپنے لیے مخصوص نہیں ٹھہراتا تھا۔

④ وہ کچھ مرکب حروف ذکر کر کے ہر حرف کے عدد نکالتا اور اعداد کے مجموعہ سے عجیب وغریب نتائج اخذ کرتا تھا۔ وہ ہندسوں کی تاثیر کا قائل تھا ۔انیس کا ہندسہ اس کے نزدیک خصوصی مرتبہ کا حامل تھا۔

⑤ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تمام انبیاء سابقین کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ مجموعہ رسالت ہے اور اس اعتبار سے مجموعہ ادیان بھی۔ بنابریں بہائی مذہب یہودیت نصرانیت اور اسلام کا معجونِ مرکب ہے اور ان میں کوئی حدِ فاصل نہیں پائی جاتی۔

مرزا نے اسلامی احکام میں تبدیلی پیدا کر کے عجیب وغریب قسم کے عملی امور مرتب کیے تھے۔ وہ عملی امور حسب ذیل ہیں۔

① عورت میراث کے امور میں مرد کے برابر ہے۔ یہ آیت قرآنی کا صریح انکار ہے جو موجب کفر ہے۔

② وہ بنی نوع انسان کی مساوات مطلقہ کا قائل تھا۔ اس کی نگاہ میں جنس ونسل دین ومذہب اور جسمانی رنگت موجب امتیاز نہیں ہے۔

بہائی مذہب کی مقدس کتاب

علی محمد باب کے اتباع وتلامذہ کے یہ اذکار وآراء مرزا نے اپنی تحریر کردہ تصانیف میں جمع کر دیئے تھے۔ جس کا نام البیان ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کے جملہ اذکار عقائد اسلام سے اعراض وانحراف بلکہ انکار پر مبنی تھے۔ اس نے حلول کے نظریہ کو از سر نو زندہ کیا۔ جسے عبد اللہ بن سبا (بانی رافضی مذہب) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے گھڑا تھا اور جو صریح کفر ہے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر حکومت اس کے خلاف ہو گئی اور مرزا علی محمد اور اسکے اتباع کو ادھر اُدھر بھگا دیا۔ مرزا ۱۸۵۰ء میں صرف تیس سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔ مرزا علی نے اپنی نیابت کیلئے اپنے دو خاص

مُریدوں کو منتخب کیا تھا۔ ایک صبح ازل نامی اور دوسرا بہاء اللہ۔ ان دونوں کو فارس سے نکال دیا گیا تھا۔ صبح ازل قبرص میں سکونت پذیر ہوا اور بہاء اللہ نے آدرنہ کو اپنا مسکن ٹھہرایا۔ صبح ازل کے پیرو بہت کم تھے۔ اس کے مقابلہ میں بہاء اللہ کا حلقہ ارادت خاصا وسیع تھا۔ بعد ازاں اس مذہب کو بہاء اللہ کی طرف منسوب کر کے بہائی کہنے لگے اس فرقہ کو بانی موسسؔ کی جانب منسوب کر کے بابی بھی کہا جاتا ہے۔ مرزا علی محمد نے اپنے لیے ''باب'' کا لقب تجویز کیا تھا۔ صبح ازل اور بہاء اللہ میں نقطہ اختلاف یہ تھا کہ اول الذکر بابی و بہائی مذہب کو اسی طرح چھوڑ دینا چاہتا تھا جیسے اس کے بانی نے اسے منظم کیا تھا۔ اس کا کام صرف تبلیغ واشاعت تھا۔ بخلاف ازیں بہاء اللہ نے مرزا کی طرح بہت سی اختراعات کیں۔ وہ بھی مرزا کی طرح حلول کا قائل تھا اور اپنے آپ کو مظہر الوہیت قرار دیتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مرزا علی محمد نے میرے متعلق بشارت دی تھی۔ مرزا کا وجود میرے لیے تمہید کا حکم رکھتا تھا جس طرح نصاریٰ کی نظر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام ظہور مسیح کا پیش خیمہ تھا۔

بہاء اللہ کے پیرو اسے فوق البشر تصور کرتے اور اسے اکثر صفات الٰہی کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔ (العقیدۃ والشریعۃ ص ۲۴۴ ترجمہ محمد یوسف عبدالعزیز عبدالحق دعلی حسن عبدالقادر)

بہاء اللہ کے افکار و عقائد جس طرح عوام کالانعام شخص پرستی کے عادی ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہاء اللہ کے پیرد بھی اسی جرم کے مرتکب تھے۔ بعد ازاں بہاء اللہ اور صبح ازل کے اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ یہ دونوں قریب قریب رہتے تھے۔ ایک آدرنہ میں قیام پذیر تھا اور دوسرا قبرص میں۔ چنانچہ سلطنت عثمانیہ نے بہاء اللہ کو عکا کی طرف ملک بدر کر دیا جہاں اس نے اپنے مشرکانہ عقائد کو مدون کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے قرآن کریم کے خلاف بہت کچھ لکھا اور اپنے استاد کی مرتب کردہ کتاب البیان کی تردید پر قلم اٹھایا۔ بہاء اللہ نے عربی و فارسی دونوں زبانوں کو تعبیر وبیان کا ذریعہ بنایا۔ اس کی مشہور ترین تصنیف ''الاقدس'' ہے جس کے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ وہ وحی الٰہی پر مبنی اور ذاتِ خداوندی کی طرح قدیم ہے۔ وہ اعلانیہ کہا کرتا تھا کہ اس کی تصنیفات جملہ علوم کی جامع نہیں بلکہ اس نے بہت سے علوم کو اپنے برگزیدہ اصحاب کے لئے الگ محفوظ کر رکھا ہے۔ اس لیے کہ دوسرے لوگ ان باطنی علوم کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

بہاء اللہ کا دعویٰ تھا کہ جس مذہب کی وہ دعوت دے رہا ہے وہ اسلام سے الگ ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات بہاء اللہ اور اس کے استاد میں مابہ الامتیاز ہے۔ اس کے استاد مرزا علی محمد کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے افکار سے اسلام کی تجدید واحیاء کر رہا ہے اور وہ اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔ وہ بزعم خود اسلام کو ایک جدید مذہب قرار دیتا تھا اور اسکی اصلاح کا مدعی تھا۔ اس کے برخلاف بہاء اللہ اپنے مذہب کو دین اسلام سے ایک الگ مذہب تصور کرتا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے دین اسلام پر بڑا احسان کیا اور اسے اپنے مزعومات باطلہ کی آلودگی سے پاک رکھا۔ بہاء اللہ اپنے مذہب کو بین الاقوامی حیثیت دیتا اور اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ یہ مذہب جمیع ادیان و مذاہب کا جامع اور سب اقوام کے لیے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ وہ وطن پرستی کے خلاف تھا اور کہا کرتا تھا کہ زمین سب کی ہے اور وطن سب کا ہے۔ چونکہ بہاء اللہ اپنے مذہب کو بین الاقوامی مذہب سمجھتا اور مظہر الٰہی ہونے کا دعویٰ دار تھا۔ اس لیے اس نے مشرق و مغرب کے سلاطین وحکام کو تبلیغی خطوط ارسال کیے اور ان میں یہ دعویٰ کیا کہ ذات الٰہی اس میں حلول کر آتی ہے وہ قرآنی اجزاء کی طرح اپنی تحریروں کو سور (سورۃ کی جمع) کہا کرتا تھا۔ اسے غیب دانی کا بھی دعویٰ تھا۔ وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی پیش گوئیاں بھی کیا کرتا تھا۔ اتفاق سے کچھ باتیں درست ثابت ہوجاتیں مثلاً اس نے پیش گوئی کی تھی کہ نپولین سوم کی حکومت ختم ہوجائے گی۔ چنانچہ چار سال کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اس پیشگوئی کے ظہور سے اس کے پیروؤں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا۔ بہاء

اللہ نے ہوشیاری سے کام لے کر زوال حکومت کی کوئی تاریخ متعیّن نہیں کی تھی۔ ممکن ہے اس نے سیاسی بصیرت کی بناء پر یہ بھانپ لیا ہو کہ یہ حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ مگر یہ دعویٰ کسی شخص نے بھی نہیں کیا کہ بہاء اللہ کی سب پیشگوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ یہاں تک کہ اس کے بڑے سر گرم پیروکار بھی یہ دعویٰ نہ کر سکے۔ بہاء اللہ اپنی دعوت کو پھیلانے کیلئے اپنے اتباع کو ترغیب دلایا کرتا تھا کہ وہ دوسری زبانیں سیکھیں۔

بہاء اللہ کی دعوت کے خصوصی خدوخال بہاء اللہ کی دعوت کے خصوصی نکات یہ تھے۔

① بہاء اللہ نے تمام اسلامی قواعد وضوابط کو ترک کر دیا تھا۔ بنابریں اس کا مذہب اسلام سے قطعی طور پر بے تعلق تھا۔ یہ بات بہاء اللہ اور اسکے استاد مرزا علی محمد میں مابہ الامتیاز ہے۔

② وہ انسانوں کے رنگ ونسل اور ادیان ومذاہب کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود ان کی مساوات کا قائل تھا۔ مساوات بنی آدم کا نظریہ اس کی تعلیمات میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ تعصّب واختلافات سے پُر کائنات عالم میں بہاء اللہ کا یہ نظریہ بڑا جاذب نظر تھا۔

③ بہاء اللہ نے عائلی نظام مرتب کیا اور اس میں اسلام کے بنیادی قوانین کی خلاف ورزی کی۔ چنانچہ وہ تعدد ازواج سے رد کتا تھا اور شاذ ونادر حالات میں اس کی اجازت دیتا تھا۔ بصورت اجازت بھی وہ دو بیویوں سے تجاویز نہیں کرنے دیتا تھا۔ طلاق کی اجازت دہ ناگزیر حالات میں دیتا تھا۔ اس کے یہاں مطلقہ کے لیے کوئی عدت مقرر نہ تھی بلکہ طلاق کے بعد وہ فی الفور نکاح کر سکتی تھی۔

④ نماز باجماعت منسوخ کر دی۔ صرف نماز جنازہ میں جماعت کی اجازت تھی۔

⑤ وہ خانہ کعبہ کو قبلہ قرار نہیں دیتا تھا بلکہ اس کا اپنا سکونتی مکان قبلہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ چونکہ وہ حلول باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھتا تھا لہٰذا قبلہ وہی جگہ ہونی چاہئیے۔ جہاں خدا کی ذات حال ہو اور وہ بزعم خویش بہاء اللہ کا مکان تھا۔ جب بہاء اللہ اپنی سکونت تبدیل کر لیتا تو بہائی بھی اپنا قبلہ تبدیل کر لیا کرتے تھے۔

⑥ بہاء اللہ نے اسلام کی پیش کردہ طہارت جسمانی وروحانی کو بحال رکھا تھا بنابریں وہ وضو اور غسل جنابت کا قائل تھا۔

⑦ بہاء اللہ نے حلال وحرام سے متعلق جملہ احکام اسلامی کو نظر انداز کر دیا اور اس ضمن میں عقل انسانی کو حاکم تصور کرنے لگا۔ اگر حق کی توفیق شامل حال ہوتی تو اسے معلوم ہوتا کہ اسلام کی حلال کردہ اشیاء عقل کے نزدیک بھی حلال ہیں اور محرمات کے حق میں عقل بھی حرمت کا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اعرابی کا واقعہ ذکر کرنے کے قابل ہے۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ تم محمد ﷺ پر کیوں کر ایمان لائے۔ اس نے جواباً کہا میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس میں محمد ﷺ اس کو انجام دینے کا حکم صادر کریں اور عقلِ انسانی کہے کہ ایسا نہ کر۔ اور نہ کوئی ایسا معاملہ میری نگاہ سے گزرا کہ عقل منع کرے اور آپ وہ کام کرنے کا حکم دیں اگر بہاء اللہ اس اعرابی کی بات پر غور کرتا تو حقیقت کر پالیتا۔ مگر اسکا مقصد صرف تخریب تھا۔ ظاہر ہے کہ تخریب کے لیے صرف پھاوڑا مطلوب ہے جو ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔

⑧ اگرچہ بہاء اللہ اور اس کا استاد مرزا علی محمد انسانی مساوات کے قائل تھے۔ مگر جمہوریت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ کو معزول کرنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطان کو معزول کرنا ان کے نظریات سے میل نہیں کھاتا تھا۔ ان کے مذہبی نظریات کی اساس یہ تھی کہ ذاتِ باری انسانوں میں حلول کر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اندریں صورت انسانوں کی تقدیس کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان

میں حال نہ بھی ہو اس لیے کہ ان میں حلول کا امکان ہوتا ہے۔ بنابریں تقدیس سلاطین کا نظریہ ان کی عقل و منطق کے ساتھ ہم آہنگ تھا۔ تقدیس سلطان کے باوجود بہاء اللہ علماء کی فضیلت و عظمت کو تسلیم نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا استاد مرزا علی محمد ان علماء کے خلاف جنگ آزمار ہا جو اس کے نظریات کا ابطال کرتے تھے۔ اسی طرح بہاء اللہ بھی علمی اجارہ داری کے خلاف معرکہ آراء رہا۔ خواہ وہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہو یا یہود و نصاریٰ میں

بہاء اللہ کا جانشین عباس آفندی بہاء اللہ کا اقتدار ۱۶ مئی ۱۸۹۲ء کو اس کی موت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عباس آفندی جسے عبد البہار یا غصنِ اعظم (بڑی شاخ) بھی کہتے تھے اس کا نائب قرار پایا۔ چونکہ سب عقیدت مند بہاء اللہ سے خلوص رکھتے تھے اس لیے کوئی بھی بہاء اللہ کا خلیفہ بننے میں اس کا مزاحم نہ ہوا۔ عباس آفندی مغربی تہذیب و تمدن سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس لیے اسنے اپنے والد کے افکار کو مغربی طریقِ فکر و نظر میں ڈھال دیا۔ اسنے حلول کے عقیدہ کو اپنے مذہب سے خارج کر دیا۔

مغربی تہذیب و ثقافت کے زیر اثر اس نے یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ (بہائی مذہب کی تدریجی ترقی کی داستان بڑی عجیب ہے) اس مذہب کے اولین بانی نے اسلام کی تجدید و اصلاح کے نام سے اسکی تعلیمات کا بیڑا اٹھایا تھا۔ جب اسکا نائب بہاء اللہ مسند نشین اقتدار ہوا تو اس نے جملہ تعلیمات اسلامی کا انکار کر کے اپنے استاد کے مشن کی تکمیل کر دی۔ جب تیسرے گدی نشین نے مسند سنبھالی تو اسنے اصولِ اسلامی کے انکار پر ہی بس نہ کی بلکہ قرآن کریم کی بجائے کتب یہود و نصاری کی جانب متوجہ ہوا اور ان سے اخذ و استفادہ کرنے لگا۔

یہود و نصاریٰ میں بہائیت کی اشاعت

اسی کے زیر اثر یہ مذہب یہود و نصاریٰ اور مجوس میں پھیلنے لگا اور ان مذاہب کے لوگ جوق در جوق بہائیت میں داخل ہونے لگے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جب عباس آفندی اور اس کا والد بہاء اللہ مسلمانوں سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنی توجہ دیگر مذاہب والوں کی طرف منعطف کرنا شروع کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرزمین فارس اور اس کے قریب وجوار میں یہود و نصاریٰ کثرت سے بہائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے انہوں نے بلاد ترکستان میں عمارتیں تعمیر کر رکھی تھیں جہاں اجلاس منعقد کیا کرتے تھے یہ مذہب یورپ و امریکہ میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا اور بہت سے لوگ ان کے دامِ تزویر میں پھنس گئے۔

مشہور کتاب "العقیدۃ والشریعۃ" کا مصنف (مشہور مستشرق گولڈ زیہر) لکھتا ہے: "بہاء اللہ نے محسوس کیا کہ یورپ و امریکہ کے بعض لوگ بڑے جوش و خروش سے بہائیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی ان کے حلقہ بگوش پیدا ہو گئے۔ امریکہ میں جن ادبی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا وہ بہائیت کے اصول و ضوابط کے استحکام میں ممد و معاون ہوتی تھیں۔ امریکہ سے ۱۹۱۰ء میں ایک مجلہ "نجم الغرب" نامی نکلنا شروع ہوا۔ جس کے سال بھر میں انیس شمارے شائع ہوا کرتے تھے انیس کے عدد کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ یہ ہندسہ ان کے یہاں بڑا موثر تھا۔ بہائی یوں بھی اعداد کی قوت تاثیر کے قائل تھے جیسا کہ ہم مرزا علی محمد کا حال بیان کرتے وقت تحریر کر آئے ہیں"۔

مصنف مذکور مزید لکھتا ہے: "بہائیت اضلاع متحدہ امریکہ کے دور افتادہ علاقوں میں پھیل گئی اور شکاگو میں ایک مرکز بھی قائم کر لیا"۔ (العقیدۃ والشریعۃ ص ۲۵۰) بہائی مذہب والوں نے عیسائیوں کو ورغلانے کے لیے ان کی کتابوں سے استدلال کرنا شروع کیا اور یہ دعویٰ کھڑا کر دیا کہ عہدِ قدیم و جدید میں بہاء اللہ اور اس کے بیٹے کی بشارت موجود ہے۔ گولڈ زیہر اس ضمن میں لکھتا ہے: "عباس آفندی کے ظہور سے بہائی مذہب نے تورات و انجیل سے مدد لے کر ایک نیا قالب اختیار کیا۔ تورات و انجیل میں عباس آفندی کے ظہور کی خبر گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ وہ امیر و رئیس ہو گا۔ اور عجیب و

غریب القاب سے ملّقب ہو گا۔ یہ ذکر کتاب اشعیاء کے انیسویں باب کی آیت نمبر ۶ میں مذکور ہے۔ اس میں مرقوم ہے: "ہمارے یہاں ایک لڑکا (بہاء اللہ) پیدا ہو گا جس کے گھر میں ایک بچہ جنم لے گا۔ جو بڑا نام پائے گا۔ اسے بڑے القاب و آداب سے یاد کیا جائے گا اور رئیس الاسلام کے نام سے پکارا جائے گا۔

بہائی عقیدے کا تعلق اُن نئے عالمی مذاہب سے ہے جو اصل میں فارس (جدید ایران) میں شیعہ مذہب سے پیدا ہوئے تھے۔ تاہم اِس نے اب اپنا ایک منفرد مقام حاصل کر لیا ہے۔ بہائی مذہب نے اپنے حجم (50 لاکھ اراکین)، اپنے عالمی پیمانے پر پھیلاؤ (236 ممالک)، اس کے پھیلاؤ کی ایک بڑی وجہ اس میں نظریہ ضرورت کے تحت آنے والی تبدیلیاں ہیں۔ جو کہ اسے مذہب بیزار طبقہ کے لئے پر کشش بناتی ہیں۔

① ایک خُدا کی عبادت اور تمام بڑے مذاہب کے ساتھ مفاہمت۔

② انسانی خاندان کے تنوع اور اخلاقیات کی حوصلہ افزائی اور تمام طرح کے تعصب کا خاتمہ۔

③ عالمی امن کا قیام، خواتین اور مردوں کی مساوات اور آفاقی تعلیم کی ترویج۔

④ کسی فرد کی طرف سے سچائی کی تلاش میں سائنس اور مذہب کے درمیان تعاون۔

اِن میں کچھ مضمر عقائد اور طریقوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے:

⑤ ایک آفاقی معاون زبان

⑥ وزن اور پیمائش کرنے کا آفاقی نظام

⑦ خُدا جو کہ خود ناقابلِ دریافت ہے اپنے آپ کو اپنے مظہروں میں ظاہر کرتا ہے۔

⑧ یہ مظہر ایک طرح سے بتدریج مکاشفہ ہیں۔

⑨ کوئی مذہب کی تبدیلی نہیں (جارحانہ گواہی)

⑩ بہائی مذہبی کتابوں کے علاوہ دیگر کتب کا مطالعہ۔

بہائی مذہب کے اعتقادات

① کعبہ سے منحرف ہیں، ان کا کعبہ اسرائیل ہے، بہاء اللہ کی آخری آرام گاہ۔

② قرآن پاک سے منحرف ہیں، ان کی مذہبی کتاب بہاء اللہ کی تصنیف کردہ "کتاب اقدس" ہے۔

③ ان کے ہاں وحی نازل ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔

④ جہاد اور جزیہ ناجائز اور حرام ہے۔

⑤ پردہ ناجائز ہے۔

⑥ بینکاری سود جائز ہے۔

⑦ بہائی مذہب کا عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ ہی خدا کے کامل اور اکمل مظہر ظہور اور خدا کی مقدس حقیقت کے مطلع انوار ہیں۔

⑧ ان کا عقیدہ ہے کہ بہاء اللہ ایک ہی روح القدس ہے، جو بار بار پیغمبر ان کے جسد خاکی میں ظاہر ہوتا ہے۔

⑨ یہ ختم نبوت اور ختم رسالت سے منکر ہیں، ان کا کہنا ہے کہ خدا ہر ایک ہزار سال کے بعد ایک مصلح پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا۔

موجودہ دور میں بہائی مذہب اپنی لچک اور بظاہر نرمی کی وجہ سے عیسائی اور لادین طبقہ کو متاثر کر رہا ہے۔ جسکا نتیجہ اسے یورپ اور لاطینی امریکہ میں پسند کیا جارہا ہے۔ کیونکہ اس مذہب میں ہر دوسرے مذہب کے عقائد اور نظریات کو جگہ مل جاتی ہے۔ یعنی اس مذہب میں رہ کر ہر شخص اپنی پسند کے عقائد اور نظریات پر عمل کرتا ہے۔ لیکن دوسرے تمام مذاہب تو مذہب کی حدود میں پابند کرتے ہیں اور مادر پدر آزادی نہیں دیتے۔

بہائی مذہب کو اسلام کی دعوت:

اسلامی عقائد کی روشنی میں انہیں ختم نبوت اور قرآن کی حاکمیت کی طرف بلانا ہے، کیونکہ بہائیت کے عقائد (جیسے مرزا بہاء اللہ کو خدا کی نشانی سمجھنا) اسلام کے بنیادی اصولوں سے متصادم ہیں۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور ہدایت صرف قرآن و سنت میں ہے۔

اسلام کی دعوت کے بنیادی نکات:

- **ختم نبوت کا اقرار :** اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی یا وحی کا دعویدار نہیں آسکتا، جبکہ بہائیت میں نئے نبی اور نئی آسمانی کتاب کا دعویٰ ہے۔
- **عقیدہ توحید :** اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور کسی بھی انسان کو خدا کی نشانی یا مظہر ماننے سے گریز کرنا۔
- **قرآن کی پیروی :** قرآن کریم کو آخری اور مکمل الٰہی کتاب ماننا، اور اس کے بعد کسی دوسری وحی یا کتاب کو تسلیم نہ کرنا۔
- **معاملات واحکام :** اسلام کے احکام (نماز، روزہ، حج وغیرہ) کو حتمی ماننا اور کسی نئے مذہب یا نظریے کو ان پر فوقیت نہ دینا۔

تبدیلی کا راستہ:

اسلام کی دعوت کے مطابق، بہائیوں کو چاہیے کہ وہ مرزا بہاء اللہ کے دعوؤں کو چھوڑ کر، اسلام کے ان بنیادی عقائد (توحید اور ختم نبوت) پر دوبارہ ایمان لائیں، جو مسلمانوں کے اجماعی عقائد ہیں۔

⑩ *: جین مت(Jainism)*



جین ایزم یا جین دھرما کی ابتدا ہندوستان سے تقریباً 900بی سی ای میں ہوئی بہت سے خداؤں کو ماننے والے اس مذہب کے پیروکاروں کی کُل تعداد تقریباً 4.2 ملین ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا تقریباً 0.06 فیصد ہیں۔

جین مت (Jainism) قدیم ہندوستان کا ایک قدیم، عدم تشدد (اہنسا) پر مبنی اور "ناستک" مذہب ہے جو کسی خالق خدا کے بجائے انفرادی روح کی پاکیزگی اور خود اختیاری پر زور دیتا ہے۔ اس کی بنیاد 24 تیرتھنکروں (روحانی رہنماؤں) کی تعلیمات پر ہے، جن میں آخری **وردھمان مہاویر** (چھٹی صدی ق م) تھے۔ جین مت کا مرکزی پیغام تمام جانداروں کے لیے عدم تشدد، سچائی اور مادی خواہشات کو ترک کرنا ہے۔

جین مت کے اہم پہلو:

- **بنیادی فلسفہ (اہنسا):** جین مت میں عدم تشدد (Ahimsa) سب سے اہم ہے، یعنی انسان، جانور، یہاں تک کہ پودوں اور خوردبینی جانداروں کو بھی تکلیف نہ پہنچانا۔
- **روح اور کرما:** جینی مانتے ہیں کہ ہر چیز میں روح ہے، اور انسانی اعمال (کرما) روح پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نجات (موکش) کے لیے کرما سے پاک ہونا ضروری ہے۔
- **تیرتھنکر:** ان کے عقیدے کے مطابق 24 تیرتھنکر (رہنما) آئے، جن میں پہلے رشبھ دیو اور آخری مہاویر تھے۔
- **خدا کا تصور:** جین مت میں کسی خالق کائنات خدا کا تصور نہیں ہے۔ وہ کائنات کو ازلی اور ابدی مانتے ہیں، جو اپنے قدرتی اصولوں کے تحت چلتی ہے۔
- **فرقے:** جین مت کے دو بڑے فرقے ہیں: **دگمبر** (آسمان کو لباس سمجھنے والے) اور **شویتمبر** (سفید لباس پہننے والے)۔
- **شہری آبادی:** یہ مذہب بنیادی طور پر بھارت میں ہے، جہاں ان کی شرح خواندگی سب سے زیادہ (94.1٪) ہے۔

جین مت کے پیروکار سبزی خور ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کو سادگی، اخلاقیات، اور خود کنٹرول کے اصولوں پر گزارتے ہیں تاکہ روح کو "فاتح" (جینا) بنا کر نروان حاصل کر سکیں۔

جین مت جو جین شاسن اور جین دھرم کے ناموں سے بھی معروف ہے، ایک غیر توحیدی بھارتی مذہب ہے جو تمام ذی روح اور ذی حیات اجسام کے حق میں اہنسا (عدم تشدد) کی تعلیم دیتا ہے، نیز جملہ مظاہر زندگی میں مساوات اور روحانی آزادی کا حامی ہے۔ جین مت کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ عدم تشدد اور ضبط نفس کے ذریعہ نجات (موکش) حاصل کر سکتے ہیں۔

اس وقت جین مت دو بڑے فرقوں میں تقسیم ہے، شویتامبر اور دگمبر۔

لفظ جین مت سنسکرت کے ایک لفظ جِن (जिन) سے لیا گیا ہے، جس کے معنی ہے فاتح۔ جین مت کے بھکشوؤں میں جذبات اور جسمانی آسائشوں کے حصول کے درمیان جو معرکہ جاری رہتا ہے، یہ لفظ دراصل اس کے جانب اشارہ کرتا ہے۔ جس شخص نے اپنے جذبات اور نفس پر فتح حاصل کر لی وہ فاتح (जिन) سمجھا جاتا ہے۔

جین مت کا شمار دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد کب، کس نے، کہاں پر رکھی اس بارے میں ماہرین آج تک کسی نتیجے پر نہیں پائے۔ جین گرنتھوں کے مطابق 527 ق م سے قبل وردھمان مہاویر (599-527 ق-م) نے نروان حاصل کیا تھا۔ روایتی طور پر جین مت کے پیروکار اپنے مذہب کی ابتدا ان چوبیس تیرتھنکروں (तीर्थंकर) کے سلسلہ کو قرار دیتے ہیں جن میں پہلا تیرتھنکر رشبھ دیو (ऋषभदेव) اور آخری مہاویر تھے۔ جین مت کے پیروکار یہ یقین رکھتے ہیں کہ جین مت ابدی اور لافانی ہے۔ یہ اسی وقت سے ہے، جب سے دنیا بنی ہے۔ اور تب تک رہے گا، جب تک دنیا باقی ہے۔ جین مت کے لوگ مہاویر کو آخری اوتار یا دیوتا مانتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک طویل عرصہ تک جین مت ہندوستانی ریاستوں اور مملکتوں کا سرکاری مذہب رہا ہے، نیز برصغیر ہند میں اس مذہب کی کافی اشاعت ہوئی تھی۔ آٹھویں صدی عیسوی سے جین مت کی شہرت اور اشاعت میں کمی آنے لگی، جس میں اس خطہ کے سیاسی ماحول نے بھی اثر ڈالا تھا۔

جین مت کے پیروکار بھارت میں 4.2 ملین ہیں، نیز دنیا کے دیگر ممالک بیلجیئم، کینیڈا، ہانگ کانگ، جاپان، سنگاپور اور ریاستہائے متحدہ امریکا میں مختصر تعداد میں موجود ہیں۔ بھارت میں جین مت کے ماننے والوں میں شرح خواندگی دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ (94.1 فیصد) ہے۔ بھارت میں مخطوطات کا قدیم ترین کتب خانہ جین مت کا ہی ہے۔ عالمی سطح پر جین مت کے پیروکاروں کی تعداد 6.1 ملین ہے۔

آغاز

جین مت کے آغاز کی صحیح تاریخ یا دور کے متعلق معلومات موجود نہیں ہیں۔ تاہم پانچویں اور چھٹی صدی ق م کے درمیان وردھمان مہاویر جین مت کی انتہائی موثر شخصیت اور معلم رہے ہیں۔ مہاویر جو جین مت میں اپنے دور کے آخری عظیم تیرتھنکر ہونے کی وجہ سے انتہائی قابل تعظیم سمجھے جاتے ہیں، غالب گمان یہی ہے کہ وہ جین مت کے بانی نہیں ہیں۔ پارشوناتھ جو مہاویر کے پیشرو کہلاتے ہیں، وہ پہلے جین مت کی شخصیت ہے جن کی تاریخی شہادت میسر ہے۔ پارشوناتھ نویں سے ساتویں صدی ق م کے درمیان کسی زمانہ میں تھے۔ پارشو کے پروکاروں کا ذکر گرنتھوں میں ملتا ہے۔

عقائد

جین مت خدا کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان کا کہنا ہے کہ جو بڑا ہے وہی انسان کی روح میں پائی جانے والی طاقت خدا ہے۔ دنیا میں ہر چیز جاودانی ہے۔ روحیں جسم بدل بدل کر آتی ہیں مگر اپنی الگ ہستی کا احساس باقی رہتا ہے۔ نروان یعنی روح کی مادے اور جسم سے رہائی نویں جنم کے بعد ممکن ہو سکتی ہے۔ جین مت کے عقائد سات کلیوں کی شکل میں بیان کیے جاتے ہیں، جن کو جین مت کی اصطلاح میں سات تتو یا سات حقائق کہا جاتا ہے۔ یہ کائنات اور زندگی کے بنیادی مسئلہ اور اس کے حل کے بارے میں سات نظریات ہیں۔ جن میں جین مت کا بنیادی فلسفہ بخوبی سمٹ کر آگیا ہے۔

1. جیو: روح (**جیو**) ایک حقیقت ہے۔
2. اجیو: غیر ذی روح (**اجیو**) بھی ایک حقیقت ہے، جس کی ایک قسم مادہ ہے۔

3. اسرو: روح میں مادہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔
4. بندھ: روح میں مادہ کی ملاوٹ سے روح مادہ کی قیدی بن جاتی ہے۔
5. سمورا: روح میں مادہ کی ملاوٹ کو روکا جاسکتا ہے۔
6. نرجرا: روح میں پہلے سے موجود مادہ کو زائل کیا جاسکتا ہے۔
7. موکش: روح کی مادہ سے مکمل دوری کے بعد نجات (**موکش**) حاصل ہو سکتی ہے۔

پابندیاں

- جانوروں کا ہلاک کرنا
- درختوں کو کاٹنا
- حتٰی کہ پتھروں کو کاٹنا

بھی ان کے قریب گناہ ہے۔ سادھو بارہ برس کے بعد نروان حاصل کر سکتا ہے۔

دو دھڑے

وردھمان مہاویر کی وفات کے 160 سال بعد، یہ دھرم کے پیروکار دو حصوں میں یا دو فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک فرقہ دگمبر یا دگامبر کہلانے لگا اور دوسرا فرقہ سانچہ: شویت امبر یا سانچہ: شویتامبر۔

دگمبر

سنسکرت میں "امبر" کے ایک معنی "کپڑے" یا "لباس" کے ہیں۔ دگمبر یا دگامبر کے معنی وہ شخص جو بغیر لباس کے یا عریاں رہتا ہے۔ اس فرقے کے سادھو سنت بغیر لباس کے رہتے ہیں، ان کو دگمبر کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم دور حکومت میں انھیں زبردستی کپڑے پہنائے گئے۔ لیکن آج بھی ان سادھوؤں کا یہی رویہ ہے کہ یہ بغیر لباس ہی رہتے ہیں۔ کنبھ میلہ اجلاس میں یہ سادھو آج بھی عریاں ہی حصہ لیتے ہیں۔

شویت امبر

سنسکرت زبان میں "اشویت" کے معنی سفید رنگ کے ہیں اور امبر کے معنی لباس کے ہیں۔ یعنی شویت امبر یا اشویتامبر کے معنی ہوئے "سفید لباس"۔ وہ سادھو سنت جو سفید کپڑے پہنتے ہیں، انھیں اشویتامبر کہتے ہیں۔ یہ سنت اکثر اپنے مُنہ پر بھی سفید کپڑا باندھے رہتے ہیں۔

مقدس مقامات

ان کے مقدس مقامات میں سماتا کا پہاڑ جہاں مہاویر کا انتقال ہوا تھا، کوہ آبو راجستھان، شراون بیلا گولہ اور گومٹھیشور کرناٹک مجسمہ ہے۔

جین مت کے عقائد کا رد:

① کثیر معبودوں کا رد:

﴿اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِـهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُـمْ يُنْشِرُوْنَ (21) لَوْ كَانَ فِيْـهِمَآ اٰلِـهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (22)﴾

(سورۃ الانبیاء: 21-22)

"کیا انہوں نے زمین کی چیزوں سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو زندہ کریں گے۔ اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں خراب ہو جاتے، سو اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں"۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا﴾(سورۃ بنی اسرائیل:۴۲)

کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا وہ کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش والے تک کوئی راستہ نکال لیا ہوتا۔

② **عقیدہ آخرت** کے بغیر مذہب کا تصور بے کار ہے۔ اگر انسان کو کسی امتحان اور سزا و جزا کا خوف یا لالچ نہ ہو تو وہ بے لگام ہو جائے گا۔ یہ عقیدہ آخرت ہی تو ہے جو انسان کو اپنی اصلاح کی طرف مائل کرتا ہے۔ جیسے اگر بچے کو معلوم ہو کہ سالانہ امتحان نہیں ہے تو وہ پڑھائی کیسے کرے گا۔ یا کسی کو احتساب کا ڈر نہ ہو تو وہ اپنی مرضی سے اچھائی اور برائی کے فیصلے کرے گا۔

③ اسی طرح جنسی خواہشات کو مارنا بھی انتہائی غلط عقیدہ ہے یہ نسل انسانی کی بقا کے لئے نقصان دہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ خواہش ہر انسان میں رکھی ہے۔ حتیٰ کہ ہر جاندار میں رکھی ہے اور یہ غیر فطری نہیں ہے تو خود کو اس سے محروم کرنا نہ صرف اپنے ساتھ ظلم ہے بلکہ پوری بنی نوع انسان کے ساتھ زیادتی ہے۔

④ اس کے علاوہ جین مت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ "آہنسہ" کا ہے یعنی کسی بھی طرح سے زندگی لینے یا کسی بھی ذی جان کو مارنے کی ممانعت۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چرند پرند اور جانور اور نعمتیں انسان کے لئے پیدا فرمائی ہیں ان سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے حلال اشیاء کو کھانا اور حرام سے بچنا سائنسی نقطہ نظر سے بھی ثابت ہے۔ جو لوگ صرف سبزیاں کھاتے ہیں تو وہ اکثر معدہ کے سرطان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسی طرح صرف گوشت کھانے والے یا حرام گوشت کھانے والوں کی بیماریاں بھی میڈیکل سائنس سے ثابت ہیں۔



لامذہبیت (ملحدین)

نوٹ: دُنیا کی ایک بڑی آبادی کسی بھی خُدا کو نہیں مانتی اور خُدا کو نہ ماننے والے ان افراد (مُلحدین) کی تعداد 1.2 بلین ہے اور یہ دُنیا کی آبادی کا تقریباً 24.2٪ فیصد ہیں۔

لامذہبیت یا ملحدین

الحاد ایک تصور ہے جس کا ماننے والا اپنے آپ کو ملحد کہلواتا ہے۔ ملحد ایسا شخص ہوتا ہے جو خدا کے وجود کا صریح انکار کرتا ہے۔

انگریزی لفظ atheism جو یونانی زبان سے آیا ہے، میں a کے سابقہ کا مطلب ہے نہیں یا کوئی نہیں اورtheism ،جو لفظ theos سے آیا ہے، کا مطلب ہے کسی خدا یا خداؤں کے وجود کا عقیدہ انگریزی لفظ کا مطلب ہوا خدا کے وجود کا عقیدہ نہ رکھنا۔

قاموس الجدید میں ہے:

''لحد والتحد عن الدین'' ، ''یعنی بے دین ہونا-''

''ولحد عن الکذا''، ''ہٹنا، منحرف ہونا-''

الحاد کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح و عرف میں الحاد کا استعمال مختلف صدیوں میں بدلتا رہا ہے عالم اسلام میں مذہب مانویہ کے ماننے والے کو ملحد و زندیق کہا جاتا تھا-

(اس مذہب کے ماننے والے روشنی اور اندھیرے کے ازلی اور قدیم ہونے کے قائل ہیں- مانی بن حکیم فاتک نے اس مذہب کی بنیاد رکھی اور یہ سابور بن اردشیر کے زمانے میں تھا یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے کے بعد-

جیسا کہ ''تاریخ طبری، ج:3، ص:588'' پر مذکور ایک روایت کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے-

پھر اس کا استعمال اس قدر عام ہوا کہ ہر وہ شخص جو مذہب اہلسنت والجماعت سے الگ ہوا، الحاد و زندقہ میں داخل ہوا- پھر اس خیال میں اور زیادہ پھیلاؤ ہوا- یہاں تک کہ اٹھارویں صدی میں ملحد اس شخص کو کہا جانے لگا جو وجودِ الٰہی کا انکار کرے۔

ہمارا موضوع بھی الحاد کی اسی قسم سے متعلق ہے-

الحاد کی اصطلاح میں پوشیدگی سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ الحاد سے مراد لیے جانے والے معنی سمجھنے کے لیے اس کے آگے و پیچھے کی عبارت اور استعمال کی جگہ اور زمانے کا بڑا عمل دخل ہے- ہم صرف اسی اصطلاحی تعریف پر اکتفا کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے-

المعجم الفلسفی میں ہے:

''الالحاد مذهب من ینکرون الالوهیۃ و الملحد غیر مؤله وهذا معنی شائع فی تاریخ الفکر الانسانی''

''الحاد ان کا مذہب ہے جو خدائیت کا انکار کرتے ہیں اور ملحد اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی بھی خدا، پروردگار کا قائل نہ ہو اور یہی معنی فکر انسانی کی تاریخ میں مستعمل ہے-''

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے چھپی جولین بگینی (Julian Baggini) کی کتاب میں ہے:

"A person who believes there is no GOD or GODS"

"ملحد وہ شخص ہوتا ہے جو ایک یا کئی خدا کے موجود نہ ہونے کا یقین رکھتا ہو۔"

مصری ملحد اسماعیل احمد ادھم نے اپنی کتاب "لماذا انا ملحد" میں اپنے الحاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"الالحاد هو الايمان بان سبب الكون يتضمنه الكون ذاتي وان ثمة لا شيئ وراء هذا العالم"

"الحاد اس بات پر یقین کو کہتے ہیں کہ کائنات کا سبب خود کائنات ہے اور اس عالم کے علاوہ کسی بھی چیز کا وجود نہیں ہے۔"

ملحد ایسے شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے یہ دو قسم کا ہے۔

① الحاد الی الشرک باللہ

② الحاد الی الشرک بالاسباب

اول ایمان کے منافی بلکہ اسے باطل کر دیتا ہے۔ دوسرا ایمان کے منافی ہے نہ اسے باطل کرتا ہے، صرف اس کی بنیادیں کمزور کر دیتا ہے۔ یہ الحاد کی دوسری قسم ہے۔"

ملحد کسے کہتے ہیں؟

ملحد کی تعریف:

یہ عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ موحد کا اُلٹ (متضاد) ہے۔ ملحد کے معنی "لا دین" کے ہیں، عربی میں ملحد کے علاوہ ایک اور لفظ بھی آتا ہے جسے "دہریہ" کہا جاتا ہے۔۔ وہ بھی ملحد کی قسم میں آتا ہے۔ اردو میں آپ اسے "ناستک، بے مذہب، منکر خدا" کہہ سکتے ہیں، انکا کوئی مذہب نہیں ہوتا نہ ہی یہ کسی مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں بلکہ کائنات کے خلق ہونے اور اسکے خالق پر یقین نہیں رکھتے، آسان لفظوں میں کہیں تو اپنے باپ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق یہ سمجھتے ہیں کہ کایَنات خود بنی ہے اور یہ بندر کی نسل سے موجودہ شکل میں آن بسے ہیں۔۔

دہریت (ملحدیت) کی ابتداء:

دہر عربی لفظ ہے، جس کا ترجمہ "زمانہ" ہے۔ یہ لفظ منکر مذہب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مکہ کے بہت سارے لوگ خدا کی تخلیق اور خدائی کے پیغام کے جواب میں نبی کریم ﷺ کو یوں کہتے کہ "وَ مَا يُهۡلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهۡرُ "یعنی ہم کو موت خدا نہیں دیتا، بلکہ زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے۔ گویا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا نام کی کوئی ہستی نہیں، جینا مرنا یہ سب زمانہ "دہر" کے تغیرات ہیں۔

اسی لفظ دہر سے اخذ کر کے، اسی قرآنی مطلب میں یہ لفظ "دہریہ" مستعمل ہے۔ اسی طرح سورۃ الانسان اور پھر سورۃ الجاثیہ میں یہ مفہوم اپنے سیاق وسباق کے حوالے سے گمراہ اور غیر خدائی لوگوں کے لیے استعمال ہوا۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے ہی دہریت کا وجود تھا۔۔

موجودہ دور کے ملحدین کی ابتداء:-

الحاد کی تاریخ بھی شرک کی تاریخ کی طرح پرانی ہے۔ ہزاروں سال پہلے جب شرک کی ابتداء ہوئی تو کچھ افراد نے بت پرستی اور کچھ نے دین بیزاری کا راستہ چنا۔ دین سے بیزاری کی وجوہات مذہب کی پابندیوں (حلال و حرام) سے انکار تھا۔ ایسے لوگ جو خود کو ان پابندیوں سے آزاد تصور کرتے اور من چاہی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ کسی بھی ایک خدا یا ایک سے زیادہ خداؤں کے وجود سے انکار کر دیتے۔ وہ یہ تصور کرتے کہ بس انسان مر جائے گا اور مٹی بن جائے گا اور اس کی کہانی ختم ہو جائے گی۔

یونانی فلسفہ دانوں نے ان نظریات کو مزید جلا بخشی یہی وجہ ہے کہ یونانی فلاسفہ کی نزدیک دنیا کی ابتداء اور انتہاء نامعلوم اور لامتناہی ہے۔

یہی نظریات نبی کریم ﷺ کے عہد میں عرب کے کچھ لوگوں میں بھی پائے جاتے تھے جن کو دہریہ کہا جاتا تھا یعنی ان کا کہنا تھا کہ وہ دہر (یعنی زمانے) سے وجود میں آئے ہیں اور دہر کی وجہ سے مر جائیں گے۔ اور بس ختم ہو جائیں گے۔

موجودہ دور میں اس کو عروج جدیدیت کے نام سے ملا۔

جدیدیت کی ابتداء

یہ ملحد دو قسموں کے ہوتے ہیں۔

پہلی قسم میں ایسا فرقہ موجود ہے جو سائل کے بھیس میں چھپے ممتحن ہیں اور خود باقاعدہ تعلیم حاصل کیے بغیر آپ کا امتحان لے رہے ہیں اور نتیجہ صرف اور صرف آپ کی ناکامی ہے۔

دوسری قسم وہ جو موروثی مسلمان ہیں (مسیحی، سکھ یا ہندو بھی ہو سکتے ہیں) لیکن دینی تعلیمات سے نابلد، کمزور یقین کا شکار ہیں اور اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات ڈھونڈنے کی چاہ میں پہلی قسم اور لبرل ازم کی بھینٹ چڑھ کر اپنی عاقبت تباہ کر دیتے ہیں۔ انکے نزدیک حقائق صرف وہ ہیں جو ان کی عقل شریف میں سما جائیں۔ بنیادی دینی تعلیمات سے ناواقف ہونے کے باوجود ان کم عقلوں کو باور کروایا جاتا ہے کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں، جس سے یہ ایسے سوالات اٹھائیں گے اور بیشمار اٹھائیں گے جیسا کہ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کس لئے آئے ہیں؟ ہماری ابتدا اور انتہاء کیا ہے؟

ان تمام سوالات کا جواب داستان دہریت یا ملحدیت میں کہیں نہیں ملتا۔۔ گو کہ انہیں کہا جائے کہ

"تمہاری ابتدا شک ہے، تمہاری انتہا ریب ہے۔ اور تمہارا انجام ہے ایسے شخص کا جو منکر لاریب ہے۔ تم سوالات اٹھاتے ہو جواب کوئی نہیں
تم مسائل کھڑے کرتے ہو حل کوئی نہیں۔"

لیکن ان تمام سوالات کے جوابات صرف وہی ہونگے جو انکو قابل قبول ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی مادی مشین ہے جو حواس خمسہ میں مقید ہو کر کائناتی حقائق کو کھولنے کا دعوے دار ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دہریت یا ملحدیت کوئی علمی یا فکری چیز نہیں بلکہ ایک نفسیاتی عارضہ ہے اور یہ لوگ فتوی کے نہیں علاج کے مستحق ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے۔

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشَاوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (23) وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ (24) وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ (25) (سورۃ الجاثیہ:23-25)

بھلا آپ نے اس کو بھی دیکھا جو اپنی خواہش کا بندہ بن گیا اور اللہ نے باوجود سمجھ کے اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، پھر اللہ کے بعد اسے کون ہدایت کر سکتا ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔ اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے، حالانکہ انہیں اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں، محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ اور جب انہیں ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو سوائے اس کے ان کی اور کوئی دلیل نہیں ہوتی کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

مقامی ملحدوں کی طبقاتی تقسیم

مقامی الحاد کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں ملحدوں کے مختلف طبقات دکھائی دیتے ہیں "ملحد" سے ہماری مراد وہ تمام افراد ہیں جو کسی بھی درجے میں دین کا انکار کرنے والے ہوں چاہے وہ دین کی معاشی جہات ہوں معاشرتی جہات ہوں سیاسی جہات ہوں یا دین کا کوئی بھی ایسا دائرہ کہ جس کی بابت قرآن و سنت سے جمہور علماء امت نے احکامات اخذ کیے ہوں۔

الحاد کا آخری درجہ "دہریت" ہے یعنی تصور خدا اور مذہب کا سرے سے انکار یا پھر مذہب کی مابعد الطبیعیات کا سرے سے انکار بظاہر دکھائی یہ دیتا ہے کہ ہمارے یہاں حقیقی دہریے بہت کم اور زیادہ تر کا تعلق الحاد کی کسی نہ کسی قسم سے ہے اگر الحاد کی ایک فکری ٹائم لائن بنائی جائے تو ابتدائی درجے میں تجدد پسندی یا جدیدیت پیدا ہوتی ہے یعنی دین کی روایتی تعبیر سے انحراف اس کے بعد بتدریج دین کے مختلف دائروں کا انکار شروع ہوتا اور انسان لبرل، سیکولر، ہیومنسٹ، فیمینسٹ، کمیونسٹ یا کیپیٹلسٹ ہو جاتا ہے، اس کے بعد دور تشکیک شروع ہوتا ہے اور انسان بتدریج ایگناسٹک ہوتا چلا جاتا ہے اس دور میں وہ خدا کے کسی ایبسٹریکٹ یا فلسفیانہ تصور کا تو قائل ہوتا ہے لیکن مذہبی خدا یعنی متمدن مذاہب سے تعلق رکھنے والے خدا کا انکاری ہوتا ہے، اس کے بعد آخری درجے میں وہ یکسر خدا کے انکار کی طرف چلا جاتا ہے جسے ہم دہریت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ہم اس نکتے کا متعدد بار پہلے بھی تذکرہ کر چکے ہیں کہ دنیا کے تقریباً نوے فیصد مذاہب مشرق میں پیدا ہوئے اور پھر ان کا سفر مغرب کی جانب ہوا تو مشرق اپنی بنت اور اپنی ذات میں مذہب پسند یا مسٹک ہے دوسری جانب مغرب بنیادی سطح پر مذہب گریز واقع ہوا ہے گو کہ آج بھی مغرب میں مذہب کے ماننے والوں کی تعداد لا مذہبوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت کسی نہ کسی دور میں مشرق سے ہی مغرب کی جانب گئی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرق میں الحاد کس طرح وارد ہوا بظاہر تاریخ کا مطالعہ یہی بیان کرتا ہے کہ یہاں پر الحاد استعمار کے کاندھوں پر سوار

ہو کر آیا سب سے پہلے تجد د پسندی کی ہوا چلی اور تحریک استشراق شروع ہوئی یہ تحریک مسیحی مستشر قین نے اٹھائی تھی بعد ازاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اس سے متاثر ہو کر انکار حدیث کی جانب چلا گیا اس ارتقائی عمل میں بتدریج اسلامی معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت کا انکار شروع ہوا تو دوسری جانب اسلامی تاریخ، فقہ، تصوف، کلام، حدیث، اور تفسیر سے بھی دوری پیدا ہوئی اور آہستہ آہستہ عوام جدت پسندی کا شکار ہو کر معاشرتی سطح پر لبرل، فکری اعتبار سے ہیومنسٹ، سیاسی دائروں میں سیکولر، صنفی دائروں میں فیمینسٹ اور معاشی دائروں میں کمیونسٹ یا کیپیٹلسٹ ہوتی چلی گئی یہ تمام معاملات ابتدائی درجے میں روایت کے انکار سے ہی شروع ہوئے۔

اب اس بنیادی تمہید کے بعد ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہمارے یہاں الحاد و دہریت کے ماننے والوں یعنی اس مکتب فکر کے مختلف طبقات کے وجود میں آنے اور ان کی طبقاتی تقسیم کا سٹر کچر یا فریم ورک کیا ہے۔

مسلمان ہونا یا مذہبی ہونا جہاں پر ایک انفرادی معاملہ ہے وہیں پر یہ ایک اجتماعی فکر اور نظم کو بھی ظاہر کرتا ہے، انسانی نفسیات کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ وہ گروہ بنا کر رہتا ہے، انسان کے اندر لسانی، علاقائی، قومی، وطنی، قبائلی، خاندانی، نظریاتی، طبقاتی اور گروہی عصبیت موجود ہوتی ہے کوئی بھی انسان کسی عصبیت کے بغیر نہیں رہ سکتا ایک خاندان کی سطح سے شروع ہونے والی عصبیت کا یہ سلسلہ ایک ملت کی سطح تک جاتا ہے۔

مسلمانوں کے اندر کے امت کا تصور ہمیشہ سے موجود رہا ہے قرآن و سنت میں بھی مسلمانوں کے مجموعے کو امت کے نام سے ہی موسوم کیا گیا اور امت کی سطح پر ہی مسلمانوں کے مسائل کو دیکھا گیا۔

بر صغیر میں الحاد در حقیقت امت کے تصور سے انحراف کی وجہ سے پیدا ہوا اور امت کے مقابل قائلی عصبیت، قوم پرستی یا وطن پرستی کے تصور کو غالب کیا گیا۔

اگر بر صغیر کے پس منظر کو دیکھا جائے تو یہاں پر کسی دور میں قبائلی نظام رہا ہے اور یہ بہت مضبوط نظام تھا اور آج بھی اس کے آثار بہت واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں گو کہ ہم نے بر صغیر میں نیشنلزم کا نعرہ لگا کر ایک وطنی عصبیت ترتیب دینے کی کوشش ضرور کی لیکن قبائلی یا لسانی عصبیت ہمیشہ غالب رہی ہمارے آج کے معاشرے میں لوگوں کی اکثریت زبان پرست یا پھر قبیلہ پرست ہے ہم مختلف لسانی اکائیوں میں منقسم ہیں اور یہ تقسیم براہ راست مذہب کے تصور امت سے متصادم ہے۔

ہمارے خطے میں ملحد وکی واضح اکثریت قوم پرستوں اور لسانیت پرستوں سے تعلق رکھتی ہے ایک اندازے کے مطابق ستر فیصد ملحدوں کا تعلق اسی طبقے سے ہے اور یہ معاملہ ہر قوم سے تعلق رکھنے والے طبقات کا ہے پاکستان کی تمام ہی لسانی اکائیوں سے تعلق رکھنے والے قوم پرست بحیرہ عرب سے لیکر افغان سرحدوں تک الحاد و دہریت کے فتنے میں مبتلاء ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟

بنیادی سطح پر انسان ایک نظریاتی وجود ہے اگر کسی انسان کے اندر کسی نہ کسی درجے میں شعور ہے تو وہ کسی نہ کسی نظریے کا قائل ہوگا چاہے وہ اس سے واقف ہو یا ناواقف ہے یہی معاملہ قوم پرستوں کا بھی ہے در حقیقت لسانیت پرستی اور قوم پرستی تصور امت سے متصادم ہے کیونکہ انسان ایک

وقت میں کسی ایک ہی عصبیت پر قائم رہ سکتا ہے اب وہ عصبیت یا تو اعتقادی ہو گی یا پھر لسانی ہو گی۔

ایک لسانی عصبیت میں مبتلاء شخص یا قبائلی عصبیت کا شکار شخص ثقافتی طور پر مذہبی تو ہو سکتا ہے زندگی کے متعدد معاملات میں اس کی قوم اس کے مذہب کے مقابل کھڑی ہو جائے گی اب اس کے شعوری فیصلے اور اس کی ہمدردی مذہبیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ لسانیت کی بنیاد پر ہو گی۔

قوم پرستی کا شکار نظریاتی اعتبار سے کوئی نہ کوئی آڑ دیکھتا ہے کہ جسے وہ مذہب کے مقابل اپنا شعار بنا سکے ایک ایسا شخص جو قوم پرست ہے وہ ہمیشہ سیکولر تصور سیاست رکھے گا چاہے وہ جمہوری ہو یا بادشاہت کا قائل ہو وہ کبھی بھی سیاسی دائروں میں مذہب کی حاکمیت قبول نہیں کرے گا، اسی طرح ایک ایسا شخص جو قومیت، لسانیت اور قبیلہ پرست ہے وہ معاشرتی دائروں میں لبرل ہو گا اسی طرح معاشی دائروں میں یا تو وہ کیپیٹلزم کی آڑ لیگا یا پھر کمیونزم کا راہ اختیار کرے گا اسی قوم پرست طبقے سے بعد ازاں دہریے نمودار ہوتے ہیں۔

یہ قوم پرست طبقہ ابدائی درجے میں اپنی مذہبی تاریخ کا انکار کرے گا اسے اپنے مذہب کی تاریخی شخصیات پر اعتراض ہو گا اور ان کے مقابل یہ تاریخ سے ایسے مقامی ہیرو تلاش کرے گا کہ جن سے اس کی قبائلی مناسبت ہو گی اس کے بعد بتدریج سے مذہبی ثقافت مذہبی معاشرت اور مذہب تہذیب یہاں تک کہ رسوم و روج کا منکر ہو جائے گا اس کے شادی بیاہ کے معاملات سے لیکر اس کے تیوہار تک علاقائی اور قبائلی ہوتے چلے جائیں گے اور آخر کار وہ مذہب کو زندگی کے ہر ہر دائرے سے نکال کر ایک لسانیت پرست لبرل سیکولر اور آخری درجے میں دہریہ تک بن جائے گا۔

ہمارے یہاں لامذہبوں کا دوسرا بڑا طبقہ وہ ہے کہ جو لسانیت پرست یا قوم پرست تو نہیں ہے لیکن وہ مغرب پرست ضرور ہے اس طبقے کی ابتداء بھی کبھی جدیدیت اور کبھی تجدد پسندی سے ہوتی ہے اور آخر کار وہ ہیومنسٹ (Humanist) ہو جاتا ہے یہ کسی مقامی تہذیب و ثقافت کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے نزدیک ایک عالمی تہذیب و ثقافت ہی انسانیت کی معراج ہے اور وہ تہذیب اس کے نزدیک مغربی تہذیب ہے یہ طبقہ ناصرف مذہب گریز ہوتا ہے بلکہ اسے اپنی زبان، قوم، قبیلے اور ثقافت سے بھی شدید نفرت ہوتی ہے۔

لامذہبوں کا تیسرا اور سب سے مختصر طبقہ ہوہے کہ جو درحقیقت دہریے نہیں ہیں ان کا حقیقی تعلق کسی مذہبی اقلیت سے ہو گا لیکن یہ بظاہر خود کو لبرل سیکولر اور کبھی ملحد و متشکک ظاہر کریں گے اور بعض اوقات یہ دہریے بھی ہو جائیں گے لیکن مخصوص مواقع پر ان کی مذہبیت بیدار ہو جاتی ہے درحقیقت یہ ہمیشہ مذہبی ہی رہتے ہیں اور الحاد و دہریت کی آڑ صرف اسلیے لیتے ہیں کہ مین سٹریم مذہبی فکر کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

آخری طبقہ وہ ہے کہ جو واقعی کسی فکری مغالطے کی وجہ سے ملحد یا دہریے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہو گی۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ رد الحاد سے تعلق رکھنے والوں کی اکثر کاوشیں اسی آخری طبقے سے متعلق ہوا کرتی ہیں کہ جو تعداد میں سب سے کم ہیں اور یہی وہ وجہ ہے کہ درست جگہ پر فوکس نہ ہونے کی وجہ سے رد الحاد کی محنت کے باوجود ملحدوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

عصر حاضر میں الحاد کا مفہوم:

عصر حاضر میں عموماً اس لفظ کا مصداق ایسے شخص کو ٹھہرایا جاتا ہے جو وجود خدا، نبوت و رسالت اور آخرت میں سے کسی ایک کا یا تینوں کا انکار کریں لیکن قرآن و سنت میں الحاد ان تینوں یا ان میں سے کسی ایک کا انکار صرف الحاد نہیں ہے- بلکہ قرآن و سنت نے الحاد کا ایک وسیع مفہوم بیان کیا ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے- لیکن ایک الحاد کی وہ تعبیر ہے جو اس عہد جدید کی پیداوار ہے جو انکار مذہب اور دہریت جیسے نظریات پر اپنی بنیاد رکھتے ہیں-

اس اعتبار سے ہم الحاد کو دو بڑے حصوں میں منقسم کر سکتے ہیں-

1- الحاد قدیم 2- الحاد جدید

الحاد قدیم پر ہم تفصیل سے بات کر چکے ہیں- اب ہم عصر حاضر میں الحاد سے کیا مراد لیا جاتا ہے؛ اس پر تھوڑی بات کریں گے-

عصر حاضر میں الحاد کا لفظ عموماً لادینیت اور وجود خدا کے عدم یقین کے معنوں میں بولا جاتا ہے- یعنی ایسا شخص جو مطلقاً مذہب کی ضرورت کا انکار یا وجود نبوت و رسالت اور آخرت میں سے کسی ایک کا یا تینوں کا انکار کرے وہ ملحد ہے- زمانہ قدیم سے ہی بعض لوگ الحاد کے کسی نہ کسی شکل میں قائل تھے- لیکن اس معنی میں خدا کے وجود کا انکار بہت ہی کم کیا گیا ہے- بڑے بڑے مذاہب میں صرف بدھ مت ہی ایسا مذہب ہے جس میں کسی خدا کا تصور نہیں ملتا- اسی طرح ہندو مذہب کے بعض فرقے جیسے جین مت میں خدا کا تصور نہیں ملتا- اس کے علاوہ دنیا بھر میں صرف چند ہی فلسفی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے خدا کا انکار کیا- عوام الناس کی اکثریت ایک یا کئی خداؤں کے وجود کی بہر حال قائل رہی ہے- نبوت و رسالت کا اصولی حیثیت سے انکار کرنے والے بھی کم ہی رہے- ہاں ضرور ہوا کہ جب کوئی نبی یا رسول ان کے پاس خدا کا پیغام لے کر آیا تو اپنے مفادات یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہوں نے اس مخصوص نبی یا رسول کا انکار کیا ہو- حضور نبی کریم (ﷺ) کے دور کے مشرکین کے بارے میں بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ خدا کے منکر تو نہ تھے لیکن ان میں آخرت پر یقین نہ رکھنے والوں کی کمی نہ تھی.

عصر حاضر میں الحاد کا مفہوم لفظ عموماً انکار مذہب یا وجود خدا کے عدم یقین پر بولا جاتا ہے لیکن وسیع مفہوم کے تناظر میں دیکھا جائے تو دور حاضر میں الحاد کی 3 بڑی قسمیں ہیں- جنہیں مروجہ اصلاحات میں الحاد مطلق (Gnosticism) لاادریت (agnosticism) ڈیزم (Deism) کہا جاتا ہے-

1- الحاد مطلق (Gnosticism)

Gnosticism سے مراد معرفت یا علم رکھنا ہے- یہ ملحدین خدا کے انکار کے معاملے میں شدت کا رویہ رکھتے ہیں- یہ لوگ روح، دیوتا، فرشتے، جنت، دوزخ اور مذہب سے متعلقہ روحانی اموار اور مابعد الطبیعاتی (metaphysical) اموار کو کسی بھی صورت تسلیم نہیں کرتے- ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ انسان اور کائنات کی تخلیق میں کسی خالق کا کمال نہیں ہے- بلکہ یہ خود بخود وجود میں آئی ہے اور

فطری قوانین (laws of nature) کے تحت چل رہی ہے۔اس نقطہ نظر کے حاصل لوگوں کو "Gnostic atheist" کہا جاتا ہے۔عام طور پر جب ملحدین یعنی ایتھی ایسٹ کا ذکر ہوتا ہے تو ملحدین سے مراد یہی طبقہ ہے۔

2۔لاادریت:(agnosticism)

لاادریت کی اصطلاح انیسویں صدی کے اواخر میں ایک انگریز ماہر حیاتیات ٹی. ایچ.ہکسلے نے رقم کی تھی۔ یہ اصطلاح متعارف کرنے کا مقصد ان لوگوں سے مخاطب ہونا تھا جن کی پسندیدگی اپنی ذات ہوتی ہے اور وہ مابعد الطبیعات اور دینیات کے تناظر میں الجھی بحثوں سے خود کو دور رکھتے ہیں۔(1984ء) یعنی اختصار سے کہا جائے تو یہ نظریہ کہ خدا ہے یا خدا نہیں ہے، اس بحث میں الجھنے سے گریز کرنا۔ بالفاظِ دیگر theism اور atheism کے جھگڑے سے ماورا یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے حامل لوگ خدا کے وجود کی بحث میں الجھنے سے گریز کرتے ہیں۔

3۔ڈی ایزم:(Deism)

اس کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ اگرچہ خدا ہی نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے لیکن اس کے بعد وہ اس سے بے نیاز ہو گیا ہے۔اب یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے۔دوسرے لفظوں میں اس تحریک کا ہدف رسالت اور آخرت کا انکار تھا۔ اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مڈلٹن کے علاوہ مشہور ماہر معاشیات ایڈم سمتھ کی تحریروں سے بھی ملا۔بنیادی طور پر یہی تین نظریے کے حامل ملحدین اسی حاضر میں موجود ہیں۔

وجود باری تعالیٰ پر قرآنی دلائل:

کائنات کے لامحدود احاطے اور انسان کی انفرادی بناوٹ اور ساخت تک تمام تخلیقات اور وجودوں کے پیدا ہونے اور فنا ہونے کا تسلسل اربوں، کھربوں سالوں بلکہ اس سے بھی قبل جاری و ساری ہے اور انسانی عقل سے یہ بات ماورا ہے کہ یہ نظام کب تک یوں ہی قائم و دائم رہے گا۔ ان سوالات کے ہجوم میں سے ایک سوال ان تمام عوامل کے ناظم اور ان تمام تخلیقات کے خالق کی نشاندہی کی جانب اٹھتا ہے۔جدید دور کا جدید نظریہ یہ کہتا ہے کہ کوئی ایسی ذات ہے ہی نہیں جس نے یہ سب پیدا کیا ہو اور وہ حاکم ہو بلکہ ان کا ماننا یہ ہے کہ یہ تمام اشیائے ظاہری و تصوری خود خلق کار ہیں جو معینہ مدت طے کر لینے کے بعد اپنی شکل و حالت کو تبدیل کر لیتی ہیں۔لبِ لباب یہ کہ اس نظریہ الحاد کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ کا کوئی اثبات نہیں ہے۔بحیثیت مسلمان اللہ رب العزت نے ہماری اور تمام انسانوں کی رہنمائی کا سرچشمہ اپنی لاریب کتاب قرآن مجید فرقان حمید کو فرمایا ہے اور جابجا اس میں اپنی ذات کے اثبات کے دلائل اور اپنی تخلیق کے اسرار و رموز کو واضح کیا ہے تاکہ عقل والے غور و فکر کر کے خالق حقیقی کی جانب مبذول و متوجہ ہو سکیں اور الحادی نظریات سے اپنی عقل کے دریچوں کو ناپاک ہونے نہ دیں۔

کائنات کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ پر دلائل:

زندگی اور کائنات کی سب سے اہم حقیقت اللہ تعالیٰ کا وجود ہے۔اس کے ہونے یا نہ ہونے سے ہر چیز کے معنیٰ بدل جاتے ہیں۔اگر اللہ ہے تو زندگی اور کائنات کی ہر چیز بامعنی اور بامقصد ہے اور اگر اللہ موجود ہی نہیں تو پھر کائنات کی ہر چیز بے معنی اور بے مقصد ہے۔یہ زمین، یہ آسمان، یہ سورج،

یہ چاند، یہ ستارے، یہ کہکشاں، یہ ندی، یہ پہاڑ، یہ رات اور یہ دن، بلکہ کائنات کا ہر ایک ذرہ اللہ کے وجود پر دلیل ہے -

زمین و آسمان کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے وجود کا نشان ہے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾(سورۃ البقرۃ:164)

”بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کیلیے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں-“

زمین و آسمان کی نشانیوں کو بھی اللہ پاک نے اپنی ذات کے اثبات کے لئے دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے-

آسمان کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ پر دلیل:

اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿اللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ﴾(سورۃ الرعد:2)

”اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا، تم انہیں دیکھتے ہو، پھر اس نے عرش پر جلوہ فرمایا اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے نظام پر کاربند فرما دیا ہر ایک اپنی مقرر مدت تک گردش کر رہا ہے، وہی دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے وہ آیتوں کی تفصیل فرماتا ہے تاکہ تم کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے کا یقین ہو-“

ایک اور مقام پر مزید ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ﴾(سورۃ الانعام:95)

”بے شک اللہ تعالی دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردہ سے نکالنے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا یہ ہے اللہ! تم کہاں اوندھے جاتے ہو-“

عہد الست سے وجود باری تعالیٰ پر دلائل:

حق یہ ہے کہ وجودِ باری تعالیٰ اور اُس کی ربوبیت و وحدانیت کے معاملے میں ہر انسان پر اتمامِ حجت ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی پیدائش سے قبل ان سے اپنے ربِ ذوالجلال والاکرام ہونے، وحدہ لاشریک ہونے اور اپنی ربوبیت کا عہد لے کر اپنی ذات کے تصور اور عقیدے کو انسانی

فطرت میں داخل کر دیا- جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ إِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ أَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِيْنَ﴾(سورة الأعراف : 172)

"اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پُشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان کی جانوں پر اقرار کرایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہاہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، (یوں نہ ہو کہ) کہیں قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر نہ تھی۔-"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابو اللیث سمر قندیؒ اپنی "تفسیر بحر العلوم" میں لکھتے ہیں:

"وقوله تعالى:﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي ءادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ﴾ أي: اذكر يا محمد إذا أخذ ربك ويقال معناه وقد أخذ ربك من بني آدم، من ظهور بني آدم ﴿ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ يعني: أخذ ربك من ظهور بني آدم ذريتهم وقال بعضهم يعني الذرية التي تخرج وقتاً بعد وقت إلى يوم القيامة ﴿وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ﴾ فقال لهم ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَىٰ﴾يعني إنَّ كل بالغ تشهد له خلقته بأن الله تعالى واحد ﴿ شَهِدْنَا ﴾ يعني قال الله تعالى شهدنا ﴿أَن تَقُولُواْ﴾ أي لكيلا تقولوا، ويقال هذا كراهة أن يقولوا: ﴿يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَـٰذَا غَـٰفِلِينَ ﴾"

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي ءادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ"یعنی: یاد کرو، اے محمد (ﷺ)! جب تمہارے رب نے نکالا- اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی ہے؛ اور تمہارا رب نکال چکا ہے بنی آدم سے، یعنی بنی آدم کی پشتوں سے، ان کی ذریت کو"ذُرِّيَّتَهُمْ"یعنی تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا؛ اور بعض کے مطابق، اس ذریت کو جو قیامت تک وقتاً فوقتاً سامنے آتی جائے گی-"وَ أَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ"اور انہیں خود اُن کے نفوس پر گواہ بنایا- اور ان سے پوچھا:"أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى""کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" انہوں نے کہا"کیوں نہیں!"یعنی ہر بالغ شخص پر اس کی خلقت گواہی دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے-"شَهِدْنَا"یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ گواہی اس لیے لی"أَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِيْنَ"تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو، یا نہیں کہنا چاہیے، کہ ہم تو اس حقیقت سے غافل تھے-"

اسی طرح"المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" کے مصنف، علامہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

"المعنى في هذه الآيات أن الكفرة لو لم يؤخذ عليهم عهد ولا جاءهم رسول مذكر بما تضمنه العهد من توحيد الله وعبادته لكانت لهم حجتان إحداهما كنا غافلين والأخرى كنا تباعا لأسلافنا فكيف نهلك والذنب إنما هو لمن طرق لنا وأضلنا فوقعت شهادة بعضهم على بعض أو شهادة الملائكة عليهم لتنقطع لهم هذه الحجج"

"ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اگر چہ (دنیا میں) کوئی عہد نہ لیا گیا ہو اور کوئی رسول لوگوں تک ان امور کی تذکیر کرنے نہ آیا ہو جو توحید اور اللہ کی عبادت سے متعلق ہیں، پھر بھی کفار کے خلاف دو دلائل موجود ہیں- پہلی دلیل لفظ"غافلین" میں ہے-(یعنی عہد الست کے بعد وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ وہ وجود باری تعالیٰ اور اس کی توحید سے بے خبر تھے) اور دوسری دلیل ان کے اس دعویٰ کے خلاف ہے کہ"ہم تو اپنے اسلاف

کے پیرو ہیں- ہمیں کیونکر سزا دی جاسکتی ہے؟ گناہ تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے یہ غلط روش ڈالی اور ہماری گمراہی کا سامان کیا"- تو اس میثاق سے ان میں سے بعض کی بعض پر گواہی ہوگئی یا فرشتوں کی ان پر گواہی لے لی گئی تاکہ ان کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے-"

اسی بنیاد پر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے "آل عمران:106" کی شرح میں حضرت ابی ابن کعب (رضی اللہ عنہ) کی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"و أولى الأقوال التي ذكرناها في ذلك بالصواب القولُ الذي ذكرناه عن أبي بن كعب أنه عنى بذلك جميع الكفار، وأنّ الإيمان الذي يوبَّخون على ارتدادهم عنه، هو الإيمان الذي أقروا به يوم قيل لهم: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا"

"جو اقوال ہم نے پیش کیے ہیں ان میں سب سے راجح قول ابی ابن کعب (رضی اللہ عنہ) کا ہے- ان کے مطابق اس آیت میں تمام کفار مخاطب ہیں- جس ایمان سے مرتد ہونے پر انہیں زجر و توبیخ کی جارہی ہے وہ ان کا اقرار ہے، جو انہوں نے اس سوال کے جواب میں کیا تھا: "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" "بَلَى شَهِدْنَا" انہوں نے کہا تھا: ضرور ہم گواہی دیتے ہیں-"

جس آیت پر علامہ طبری یہ تفصیل پیش کر رہے ہیں وہ یہ ہے:

"فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ" (سورۃ آل عمران:106)

"یعنی روزِ قیامت، سیاہ رُو کفار سے کہا جائے گا کہ ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کفر کیا؟ تو اب اپنے کفر کے دلے عذاب بھگتو-"

اس آیت مبارکہ میں کفار کو عذاب کی وعید ہے اور علامہ طبریؒ فرمار ہے ہیں کہ اس عذاب کا جواز عہد الست میں موجود ہے- عہد الست کو قرآن حکیم نے اپنے اثبات کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے-

مقامی ملحدوں کی طبقاتی تقسیم

مقامی الحاد کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں ملحدوں کے مختلف طبقات دکھائی دیتے ہیں " ملحد " سے ہماری مراد وہ تمام افراد ہیں جو کسی بھی درجے میں دین کا انکار کرنے والے ہوں چاہے وہ دین کی معاشی جہات ہوں معاشرتی جہات ہوں سیاسی جہات ہوں یا دین کا کوئی بھی ایسا دائرہ کہ جس کی بابت قرآن و سنت سے جمہور علماء امت نے احکامات اخذ کیے ہوں۔

الحاد کا آخری درجہ " دہریت " ہے یعنی تصور خدا اور مذہب کا سرے سے انکار یا پھر مذہب کی مابعد الطبیعیات کا سرے سے انکار بظاہر دکھائی یہ دیتا ہے کہ ہمارے یہاں حقیقی دہریے بہت کم اور زیادہ تر کا تعلق الحاد کی کسی نہ کسی قسم سے ہے اگر الحاد کی ایک فکری ٹائم لائن بنائی جائے تو ابتدائی درجے میں تجدد پسندی یا جدیدیت پیدا ہوتی ہے یعنی دین کی روایتی تعبیر سے انحراف اس کے بعد بتدریج دین کے مختلف دائروں کا انکار شروع ہوتا اور انسان لبرل، سیکولر، ہیومنسٹ، فیمینسٹ، کمیونسٹ یا کیپیٹلسٹ ہو جاتا ہے، اس کے بعد دور تشکیک شروع ہوتا ہے اور انسان بتدریج ایگناسٹک ہوتا چلا جاتا ہے اس دور میں وہ خدا کے کسی ایبسٹریکٹ یا فلسفیانہ تصور کا تو قائل ہوتا ہے لیکن مذہبی خدا یعنی متمدن مذاہب سے تعلق رکھنے والے خدا کا انکاری ہوتا ہے، اس کے بعد آخری درجے میں وہ یکسر خدا کے انکار کی طرف چلا جاتا ہے جسے ہم دہریت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ہم اس نکتے کا متعدد بار پہلے بھی تذکرہ کر چکے ہیں کہ دنیا کے تقریباً نوے فیصد مذاہب مشرق میں پیدا ہوئے اور پھر ان کا سفر مغرب کی جانب ہوا تو

مشرق اپنی بنت اور اپنی ذات میں مذہب پسند یا مسٹک ہے دوسری جانب مغرب بنیادی سطح پر مذہب گریز واقع ہوا ہے گو کہ آج بھی مغرب میں مذہب کے ماننے والوں کی تعداد لا مذہبوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت کسی نہ کسی دور میں مشرق سے ہی مغرب کی جانب گئی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرق میں الحاد کس طرح وارد ہوا بظاہر تاریخ کا مطالعہ یہی بیان کرتا ہے کہ یہاں پر الحاد استعمار کے کاندھوں پر سوار ہو کر آیا سب سے پہلے تجدد پسندی کی ہوا چلی اور تحریک استشراق شروع ہوئی یہ تحریک مسیحی مستشرقین نے اٹھائی تھی بعد ازاں مسلمانوں کا ایک طبقہ اس سے متاثر ہو کر انکار حدیث کی جانب چلا گیا اس ارتقائی عمل میں بتدریج اسلامی معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت کا انکار شروع ہوا تو دوسری جانب اسلامی تاریخ، فقہ، تصوف، کلام، حدیث، اور تفسیر سے بھی دوری پیدا ہوئی اور آہستہ آہستہ عوام جدت پسندی کا شکار ہو کر معاشرتی سطح پر لبرل، فکری اعتبار سے ہیومنسٹ (Humanist)، سیاسی دائروں میں سیکولر (Secular)، صنفی دائروں میں فیمینسٹ (Feminist) اور معاشی دائروں میں کمیونسٹ (Communist) یا کیپیٹلسٹ (Capitalist) ہوتی چلی گئی یہ تمام معاملات ابتدائی درجے میں روایت کے انکار سے ہی شروع ہوئے۔

اب اس بنیادی تمہید کے بعد ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہمارے یہاں الحاد و دہریت کے ماننے والوں یعنی اس مکتب فکر کے مختلف طبقات کے وجود میں آنے اور ان کی طبقاتی تقسیم کا سٹرکچر یا فریم ورک کیا ہے۔

مسلمان ہونا یا مذہبی ہونا جہاں پر ایک انفرادی معاملہ ہے وہیں پر یہ ایک اجتماعی فکر اور نظم کو بھی ظاہر کرتا ہے، انسانی نفسیات کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ وہ گروہ بنا کر رہتا ہے، انسان کے اندر لسانی، علاقائی، قومی، وطنی، قبائلی، خاندانی، نظریاتی، طبقاتی اور گروہی عصبیت موجود ہوتی ہے کوئی بھی انسان کسی عصبیت کے بغیر نہیں رہ سکتا ایک خاندان کی سطح سے شروع ہونے والی عصبیت کا یہ سلسلہ ایک ملت کی سطح تک جاتا ہے۔

مسلمانوں کے اندر کے امت کا تصور ہمیشہ سے موجود رہا ہے قرآن و سنت میں بھی مسلمانوں کے مجموعے کو امت کے نام سے ہی موسوم کیا گیا اور امت کی سطح پر ہی مسلمانوں کے مسائل کو دیکھا گیا۔

برصغیر میں الحاد درحقیقت امت کے تصور سے انحراف کی وجہ سے پیدا ہوا اور امت کے مقابل قبائلی عصبیت، قوم پرستی یا وطن پرستی کے تصور کو غالب کیا گیا۔

اگر برصغیر کے پس منظر کو دیکھا جائے تو یہاں پر کسی دور میں قبائلی نظام رہا ہے اور یہ بہت مضبوط نظام تھا اور آج بھی اس کے آثار بہت واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں گو کہ ہم نے برصغیر میں نیشنلزم کا نعرہ لگا کر ایک وطنی عصبیت ترتیب دینے کی کوشش ضرور کی لیکن قبائلی یا لسانی عصبیت ہمیشہ غالب رہی ہمارے آج کے معاشرے میں لوگوں کی اکثریت زبان پرست یا پھر قبیلہ پرست ہے ہم مختلف لسانی اکائیوں میں منقسم ہیں اور یہ تقسیم براہ راست مذہب کے تصور امت سے متصادم ہے۔

ہمارے خطے میں ملحدوں کی واضح اکثریت قوم پرستوں اور لسانیت پرستوں سے تعلق رکھتی ہے ایک اندازے کے مطابق ستر فیصد ملحدوں کا تعلق اسی طبقے سے ہے اور یہ معاملہ ہر قوم سے تعلق رکھنے والے طبقات کا ہے پاکستان کی تمام ہی لسانی اکائیوں سے تعلق رکھنے والے قوم پرست بحیرہ عرب سے لیکر افغان سرحدوں تک الحاد و دہریت کے فتنے میں مبتلاء ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے ؟

بنیادی سطح پر انسان ایک نظریاتی وجود ہے اگر کسی انسان کے اندر کسی نہ کسی درجے میں شعور ہے تو وہ کسی نہ کسی نظریے کا قائل ہوگا چاہے وہ اس سے واقف ہو یا ناواقف ہے یہی معاملہ قوم پرستوں کا بھی ہے درحقیقت لسانیت پرستی اور قوم پرستی تصور امت سے متصادم ہے کیونکہ انسان ایک وقت میں کسی ایک ہی عصبیت پر قائم رہ سکتا ہے اب وہ عصبیت یا تو اعتقادی ہوگی یا پھر لسانی ہوگی۔

ایک لسانی عصبیت میں مبتلاء شخص یا قبائلی عصبیت کا شکار شخص ثقافتی طور پر مذہبی تو ہو سکتا ہے زندگی کے متعدد معاملات میں اس کی قوم اس کے مذہب کے مقابل کھڑی ہو جائے گی اب اس کے شعوری فیصلے اور اس کی ہمدردی مذہبیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ لسانیت کی بنیاد پر ہوگی۔

قوم پرستی کا شکار نظریاتی اعتبار سے کوئی نہ کوئی آڑ دیکھتا ہے کہ جسے وہ مذہب کے مقابل اپنا شعار بنا سکے ایک ایسا شخص جو قوم پرست ہے وہ ہمیشہ سیکولر تصور سیاست رکھے گا چاہے وہ جمہوری ہو یا بادشاہت کا قائل ہو وہ کبھی بھی سیاسی دائروں میں مذہب کی حاکمیت قبول نہیں کرے گا، اسی طرح ایک ایسا شخص جو قومیت، لسانیت اور قبیلہ پرست ہے وہ معاشرتی دائروں میں لبرل ہوگا اسی طرح معاشی دائروں میں یا تو وہ کیپیٹلزم کی آڑ لیگا یا پھر کمیونزم کا راہ اختیار کرے گا اسی قوم پرست طبقے سے بعد ازاں دہریے نمودار ہوتے ہیں۔

یہ قوم پرست طبقہ ابتدائی درجے میں اپنی مذہبی تاریخ کا انکار کرے گا اسے اپنے مذہب کی تاریخی شخصیات پر اعتراض ہوگا اور ان کے مقابل یہ تاریخ سے ایسے مقامی ہیرو تلاش کرے گا کہ جن سے اس کی قبائلی منسابت ہوگی اس کے بعد بتدریج سے مذہبی ثقافت مذہبی معاشرت اور مذہب تہذیب یہاں تک کہ رسوم و روج کا منکر ہو جائے گا اس کے شادی بیاہ کے معاملات سے لیکر اس کے تیوہار تک علاقائی اور قبائلی ہوتے چلے جائیں گے اور آخر کار وہ مذہب کو زندگی کے ہر ہر دائرے سے نکال کر ایک لسانیت پرست لبرل سیکولر اور آخری درجے میں دہریہ تک بن جائے گا۔

ہمارے یہاں لامذہبوں کا دوسرا بڑا طبقہ وہ ہے کہ جو لسانیت پرست یا قوم پرست تو نہیں ہے لیکن وہ مغرب پرست ضرور ہے اس طبقے کی ابتداء بھی کبھی جدیدیت اور کبھی تجدد پسندی سے ہوتی ہے اور آخر کار وہ ہیومنسٹ ہو جاتا ہے یہ کسی مقامی تہذیب و ثقافت کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے نزدیک ایک عالمی تہذیب و ثقافت ہی انسانیت کی معراج ہے اور وہ تہذیب اس کے نزدیک مغربی تہذیب ہے یہ طبقہ نا صرف مذہب گریز ہوتا ہے بلکہ اسے اپنی زبان، قوم، قبیلے اور ثقافت سے بھی شدید نفرت ہوتی ہے۔

لامذہبوں کا تیسرا اور سب سے مختصر طبقہ ہو ہے کہ جو درحقیقت دہریے نہیں ہیں ان کا حقیقی تعلق کسی مذہبی اقلیت سے ہوگا لیکن یہ بظاہر خود کو لبرل سیکولر اور کبھی ملحد و متشکک ظاہر کریں گے اور بعض اوقات یہ دہریے بھی ہو جائیں گے لیکن مخصوص مواقع پر ان کی مذہبیت بیدار ہو جاتی ہے درحقیقت یہ ہمیشہ مذہبی ہی رہتے ہیں اور الحاد و دہریت کی آڑ صرف اسلیے لیتے ہیں کہ مین سٹریم مذہبی فکر کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

آخری طبقہ وہ ہے کہ جو واقعی کسی فکری مغالطے کی وجہ سے ملحد یا دہریے ہوتے ہیں اور ان کی تعداد پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہو گی۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ رد الحاد سے تعلق رکھنے والوں کی اکثر کاوشیں اسی آخری طبقے سے متعلق ہوا کرتی ہیں کہ جو تعداد میں سب سے کم ہیں اور یہی وہ وجہ ہے کہ درست جگہ پر فوکس نہ ہونے کی وجہ سے رد الحاد کی محنت کے باوجود ملحدوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ اگر تصور امت کو ابھارا جائے اور دین کی بنیاد پر اجتماعیت کی بنیاد رکھی جائے اور دینی عصبیت کو پروان چڑھایا جائے تو تبھی ہم الحاد دہریت کے مقابل دیوار کھڑی کر سکتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ اگر تصور امت کو ابھارا جائے اور دین کی بنیاد پر اجتماعیت کی بنیاد رکھی جائے اور دینی عصبیت کو پروان چڑھایا جائے تو تبھی ہم الحاد دہریت کے مقابل دیوار کھڑی کر سکتے ہیں۔

الحاد سے تائب ہونے والے

یہاں ایسے چند افراد کا ذکر بھی کرتا چلوں جنھیں اللہ سبحان و تعالیٰ نے روشنی دکھائی اور انھوں نے بالآخر الحاد سے توبہ کر کے وجود باری اللہ تعالیٰ کو تسلیم کر لیا۔ ان میں **انتھونی فلیو** سب سے نمایاں مثال ہیں، لیکن انہوں نے کسی مذہب کو قبول نہیں کیا بلکہ صرف خالق کے وجود کو تسلیم کیا۔

جبکہ ڈارون، ہاکنگ یا ڈاکنز کے بارے میں "آخری وقت میں ایمان لانے" کی مشہور کہانیاں مستند شواہد سے ثابت نہیں ہوتیں۔

انتھونی فلیو کی کتاب **"There Is a God: How the World's Most Notorious Atheist Changed His Mind"**(2007ء)

اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے کہ اسے ایک ایسے فلسفی نے لکھا جو نصف صدی سے زائد عرصے تک الحاد کا سب سے نمایاں ترجمان رہا۔

اس کتاب میں انہوں نے یہ وضاحت کی کہ کن دلائل کی بنیاد پر انہوں نے الحاد ترک کر کے ایک خالق کے وجود کو تسلیم کیا۔

انتھونی فلیو کون تھے؟

انتھونی فلیو برطانیہ کے مشہور فلسفی تھے۔1950ء کی دہائی سے وہ الحاد کے مضبوط علمی حامی سمجھے جاتے تھے۔ ان کا مشہور اصول تھا:

"ثبوت جہاں لے جائیں، انسان کو وہیں جانا چاہیے۔"

بعد میں انہوں نے کہا کہ اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے وہ خدا کے وجود کے قائل ہوئے۔

الحاد چھوڑنے کی بنیادی وجوہات

1۔ ڈی این اے کی پیچیدگی

فلیو کے مطابق ڈی این اے میں موجود معلومات (Information) محض اتفاق سے وجود میں آنا انتہائی بعید معلوم ہوتا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ جس طرح کسی کتاب کے الفاظ کسی مصنف کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسی طرح ڈی این اے میں موجود معلومات بھی کسی ذہین سبب (Intelligent Cause) کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

2۔ کائنات کے قوانین

انہوں نے محسوس کیا کہ کائنات انتہائی منظم قوانین کے تحت چل رہی ہے۔

انہوں نے سوال اٹھایا:

- یہ قوانین کہاں سے آئے؟
- ان کی ترتیب کس نے قائم کی؟

ان کے نزدیک یہ نظم ایک عقل مند خالق کی نشاندہی کرتا ہے۔

3۔ Fine-Tuning (باریک پیمانہ بندی)

فلیو نے یہ دلیل بھی قبول کی کہ اگر کائنات کے بنیادی طبیعیاتی مستقلات (constants) میں معمولی سا فرق بھی ہوتا تو نہ ستارے بنتے، نہ سیارے، نہ زندگی وجود میں آتی۔

ان کے نزدیک یہ محض اتفاق کہنا عقلی طور پر کمزور معلوم ہوتا ہے۔

4۔ زندگی کی ابتدا

انہوں نے اعتراف کیا کہ سائنس ابھی تک یہ واضح نہیں کر سکی کہ بے جان مادے سے پہلی زندہ خلیہ (First Living Cell) کیسے وجود میں آیا۔ اسی وجہ سے وہ ایک ذہین خالق کے وجود کو زیادہ معقول سمجھنے لگے۔

انہوں نے الحاد چھوڑ دیا۔ اور ایک خالق پر ایمان کا اظہار کیا۔ لیکن کسی مخصوص مذہب، مثلاً اسلام یا عیسائیت، کو قبول کرنے کا اعلان نہیں کیا۔

ان کے نظریے کو عموماً **Deism** کہا جاتا ہے، یعنی ایک خالق کے وجود کو ماننا مگر کسی خاص مذہب یا وحی کو لازماً قبول نہ کرنا۔

اس کے علاوہ بھی **چند معروف افراد** کی بات کی جائے جنہوں نے کسی مرحلے پر الحاد یا لادینیت کو چھوڑا، تو درج ذیل نام تاریخی طور پر مستند ہیں:

1. **سی ایس لوئیس**

یہ نوجوانی میں ملحد تھے۔ بعد میں خدا پر ایمان لائے اور عیسائیت قبول کی۔ ان کی کتاب Mere Christianity بہت مشہور ہے۔

2. **لی اسٹروبل**

خود کو ملحد کہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے عیسائیت قبول کر لی۔ اپنی تبدیلی کا ذکر The Case for Christ میں کیا۔

3. **الیسٹر میک گراتھ**

آکسفورڈ میں تعلیم کے دوران ملحد تھے۔ بعد میں عیسائی عالم اور فلسفی بن گئے۔ انہوں نے الحاد پر متعدد تنقیدی کتابیں بھی لکھیں۔

4. **ایڈتھ اسٹائن**

ایک عرصے تک لامذہب اور ملحدانہ رجحانات رکھتی تھیں۔ بعد میں عیسائیت قبول کی اور کیتھولک راہبہ بنیں۔

5. **مالکم مگرج**

مذہب سے دور اور شکی مزاج تھے۔ بعد میں خدا پر ایمان لائے اور عیسائیت اختیار کی۔

اسلام قبول کرنے والوں میں

ایسے افراد بھی ہیں جو پہلے ملحد یا لادین تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے، لیکن ان میں سے اکثر عام لوگوں میں اتنے معروف نہیں جتنے اوپر مذکور فلسفی اور مصنف ہیں۔ مثال کے طور پر:

- جوشوا ایونز — خود بیان کرتے ہیں کہ وہ لادین تھے، پھر اسلام قبول کیا۔
- یوسف ایسٹس — اگرچہ وہ ملحد نہیں تھے، بلکہ عیسائی پادری تھے، اس لیے انہیں سابق ملحدوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاتا۔

اسلام کی دعوت کیسے دی جائے

ملحدین کو اسلام کی دعوت دینا ایک نہایت اہم، مگر نازک کام ہے۔ اس میں جذبات سے زیادہ **علم**، **حکمت**، **صبر** اور **حسنِ اخلاق** کی ضرورت ہوتی ہے۔

قرآن مجید نے دعوت کا بنیادی اصول بیان فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (سورۃ النحل:125)

"اپنے رب کے راستے کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلا، اور ان سے پسندیدہ طریقہ سے بحث کر، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے، اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے۔"

دعوت کے چند بنیادی اصول درج ذیل ہیں:

1۔ پہلے ان کی سوچ کو سمجھیں

ہر ملحد ایک جیسا نہیں ہوتا۔ عام طور پر ان کی چند اقسام ہوتی ہیں:

- فلسفیانہ ملحد (Philosophical Atheist)
- سائنسی ملحد (Scientific Atheist)
- مذہب سے بدظن شخص
- جذباتی یا ذاتی تجربات کی وجہ سے خدا کا منکر

جب تک آپ یہ نہ جان لیں کہ وہ خدا کا انکار **کیوں** کر رہا ہے، مؤثر دعوت ممکن نہیں۔

2۔ بحث نہیں، مکالمہ کریں

اگر آپ پہلے ہی جملے میں کہتے ہیں: "تم کافر ہو، جہنم میں جاؤ گے۔" تو یہ دعوت کا طریقہ نہیں۔

اس کے بجائے آپ سوال کریں:

- آپ خدا کو کیوں نہیں مانتے؟
- آپ کے نزدیک کائنات کی ابتدا کیسے ہوئی؟
- اخلاق کی بنیاد کیا ہے؟

- شعور (Consciousness) کہاں سے آیا؟

جب وہ جواب دے تو اس کی بنیاد پر گفتگو کریں۔

3۔ توحید کے عقلی دلائل پیش کریں

اسلام صرف ایمان کی دعوت نہیں دیتا بلکہ عقل سے بھی مخاطب ہوتا ہے۔

مثلاً:

(الف) سبب (Cause) کا اصول

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔

تو سوال یہ ہے:

کائنات کا سبب کیا ہے؟

اگر ہر چیز خود بخود بن سکتی ہے تو پھر ہم روزمرہ زندگی میں کسی چیز کو خود بخود وجود میں آتا کیوں نہیں دیکھتے؟

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ (35) اَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ (36)﴾(سورة الطور 35-36)

"کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود خالق ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، نہیں بلکہ وہ یقین ہی نہیں کرتے"۔

(ب) Fine Tuning

کائنات کے قوانین انتہائی باریک توازن رکھتے ہیں۔ آپ جس جس چیز اور قانون پر بھی غور کریں گے تو آپ کو لازمی ان کے تخلیق کرنے والے کو تسلیم کرنا ہوگا۔ کائنات کا ہر ہر ذرہ اپنے خالق کی موجودگی کی گواہی دے گا۔

جیسے نظامِ شمسی پر اگر غور کریں تو اتنی accuracy کے ساتھ ہزاروں سال سے سورج اور چاند کی گردش کا جاری ہونا۔

اگر کششِ ثقل یا دیگر بنیادی مستقلات میں معمولی فرق ہوتا تو زندگی ممکن نہ ہوتی۔

زمین پر بننے والے موسم اور بارش کا ہونا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے:

کیا یہ سب اتفاق ہے یا کسی حکمت کا نتیجہ؟

(ج) معلومات (Information)

ڈی این اے صرف کیمیکل نہیں بلکہ معلومات (Information) رکھتا ہے۔ عام تجربہ یہ بتاتا ہے کہ معلومات کا تعلق عموماً ذہانت سے ہوتا ہے۔

اگر صرف انسانی ڈی این اے پر ہی غور کیا جائے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اتفاق ہے کہ اتنا پیچیدہ ریکارڈ خود سے مرتب ہو گیا ہے؟

4۔ اسلام کو صرف دلائل کا مذہب نہیں بلکہ کردار کا مذہب بھی دکھائیں

بہت سے لوگ اسلام کو مسلمانوں کے عمومی رویے سے جانچتے ہیں۔ اگر داعی جھوٹ بولتا ہے، غصہ کرتا ہے، بدتمیزی کرتا ہے، یا کردار کے لحاظ سے

کمزور ہے تو مضبوط دلائل بھی کم اثر رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی بدولت بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین نے پوری دنیا کو اپنے کردار سے متاثر کیا۔ بلکہ صحابہ کرام تو جب کسی کو اسلام کی دعوت دیتے تو فرماتے کہ ہماری طرح بن جاؤ۔

ہماری ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے اخلاق و کردار دیکھ کر بہت سے لوگ ہم سے کتراتے ہوئے نظر آتے ہیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق و کردار یہ تھا کہ جب آپ نے کوہ صفا پر کفار مکہ سے فرمایا کہ تم میری بات کی تصدیق کروگے ؟ تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ کیوں نہیں ، ہمیں خوب تجربہ ہے کہ آپ سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہتے۔

اس سے بخوبی پتا چلتا ہے کہ داعی، مدعو کے درمیان رہ کر اپنی شخصیت منوائے کہ اُس کی شخصیت دھوکہ، فریب، کذب و بہتان اور دوسرے عیوب فاحشہ سے پاک وصاف ہے، بلکہ اپنے اخلاق و کردار سے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کی عملی تفسیر پیش کرے۔

بدکلامی اور فحش گوئی

ہماری ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ہم سے بدکلامی کرتا ہے تو ہم اس کا جواب اس سے بھی زیادہ سخت و تلخ الفاظ میں دیتے نظر آتے ہیں، جب کہ مبلغ اعظم حضور نبی کریم ﷺ کا طریقۂ دعوت یہ رہا ہے کہ اگر کوئی بدکلامی سے بھی پیش آتا تو آپ اُس پر صبر وضبط اور تحمل سے کام لیتے۔ جیسا کہ ابولہب نے کوہِ صفا پر بدکلامی کی، لیکن آپ ﷺ نے اس پر کسی ردِّ عمل کا اظہار نہیں کیا۔

اس کے برعکس آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ گالی گلوج، دھوکہ، فریب اور کذب و بہتان ہماری سرشت میں سرایت کر چکا ہے، جس کی وجہ سے ہم دعوت و تبلیغ میں ناکام ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاحِشًا، وَلَا لَعَّانًا، وَلَا سَبَّابًا۔ (صحیح بخاری، باب ماینھی من السباب واللعن)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نہ فحش گو تھے، نہ لعنت ملامت کرنے، نہ گالی گلوج کرنے والے۔

شدت پسندی اور سختی

ہماری ناکامی کی ایک اہم وجہ ہے ہماری شدت پسندی اور جبر۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ میں نرمی اور آسانی اختیار کرنے کے بجائے اپنی بات منوانے کے لیے شدت پر اُتر آتے ہیں، اوراِس قدر سختی کرتے ہیں کہ ہمارا مدعو ہم سے اپنی جان چھڑانے لگتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم حق اور درست بات بھی نہیں پہنچا پاتے، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے شدت پسندی اور سختی سے منع فرمایا ہے۔

آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا، وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ (صحیح مسلم، باب الامر بالتیسیر وترک التنفیر)

ترجمہ: نرمی اور آسانی پیدا کرو، دشواری اور سختی کا معاملہ نہ کرو اور لوگوں کو تسلی دو نفرت نہیں۔

جبر و کراہت

ظلم و جبر اور ناپسندیدہ باتیں بھی دعوت و تبلیغ کی راہ میں سخت مانع ہوتی ہیں، اس لیے مدعو کے مزاج اور میلان طبع کا خیال رکھنا بھی لازم وضروری ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں:

حَدِّثِ الْقَوْمَ مَا أَقْبَلُوْا عَلَيْكَ بِوُجُوهِهِمْ، فَإِذَا الْتَفَتُوْا، فَاعْلَمْ أَنَّ لَهُمْ حَاجَاتٍ۔ (سنن دارمی، باب من کرہ ان یمل الناس)

ترجمہ: لوگ جب متوجہ رہیں تو اُن سے گفتگو کرو اور جب وہ منہ پھیر لے تو سمجھ جاؤ کہ اُنھیں کوئی ضرورت درپیش ہے۔

اخلاص عمل

کبھی کبھی عدم اخلاص کی وجہ سے بھی ہم ناکام ہو جاتے ہیں، اس لیے ایک داعی کے اندر اخلاص عمل کا ہونا انتہائی لازم ہے۔

اس تعلق سے خود نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ۔ (سنن نسائی، باب من غزا یلتمس الاجر والذکر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو، اور اُس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی مقصود ہو۔

چنانچہ یہ حدیث بھی ہمیشہ داعی کے پیش نظر ہونی چاہیے، کیوں کہ اگر داعی مخلص نہ ہو تو اُس کی تمام تر داعیانہ کوششیں رائیگاں اور بے معنی ہو کر رہ جائیں گی اور اُسے ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

5۔ قرآن سے گفتگو کریں

خاص طور پر وہ آیات جن میں انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

مثلاً:

- سورۃ الملک
- سورۃ الطور
- سورۃ الروم
- سورۃ الذاریات
- سورۃ الغاشیہ

یہ آیات کائنات، انسان اور تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

6۔ ہر سوال کا جواب فوراً دینے کی کوشش نہ کریں۔

اگر کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو صاف کہہ دیں: "میں تحقیق کر کے جواب دوں گا۔"

یہ علمی دیانت داری ہے، کمزوری نہیں۔

7۔ دعا کو نہ بھولیں

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے 950 سال دعوت دی، لیکن ایمان لانے والے کم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب ایمان نہ لا سکے، حالانکہ آپ ﷺ نے پوری کوشش کی۔ اور اسی طرح کئی مثالیں موجود ہیں۔ اس لیے کہ داعی کا کام **دعوت دینا** ہے، اور ہدایت دینا اللہ کا کام ہے۔ اس لئے کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان سب کے لئے ہدایت بھی مانگتے رہئے اور اپنے لئے ہمت اور استقامت بھی مانگئے۔

چند کتابیں جن کا مطالعہ مفید ہو گا

1. **الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی** —ابن قیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (روحانی اور فکری اصلاح کے لیے)
2. (There Is a God) ایک سابق ملحد فلسفی کی فکری تبدیلی۔
3. By Hamza Andreas Tzortzis **The Divine Reality** (الحاد کے جدید اعتراضات کے جوابات)
4. **Islam and the Destiny of Man** —by Charles Le Gai Eaton

دعا:

اَللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا

اجْتِنَابَهُ.

"اے اللہ !حق بات کی طرف ہماری رہنمائی فرما اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔"

حسن خاتمہ کی ایک شاندار دعا جس کو نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَوَاتِيمَ عَمَلِي رِضْوَانَكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ أَيَّامِي

يَوْمَ أَلْقَاكَ

اے اللہ میری عمر کے آخری حصے کو میری زندگی کا بہترین حصہ کر دے، اور میرے آخری عمل میری زندگی کے بہترین عمل ہوں اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں حاضری کا دن ہو۔

فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي

مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (سورۃ الیوسف:101)

اے آسمانوں اور زمین کے بنانے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے، تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے نیک بختوں میں شامل کر دے۔

آمین یارب العالمین۔